83

سلسلۂ دار المصنّفین

(نمبر ۶۹)

تاریخِ اسلام

حصّۂ چہارم

خلافتِ عبّاسیہ

جلد دوم

یعنی مستکفی باللہ کے عہد ۳۳۳ھ–۳۳۴ھ سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ ۶۴۰ھ–۶۵۶ھ تک

خلافت عباسیہ کے زوال وخاتمہ کی سیاسی تاریخ

مرتبۂ

شاہ معین الدین احمد ندوی

باہتمام:- مولوی مسعود علی صاحب ندوی

معارف پریس اعظم گڈہ مین چھپی

۱۳۶۵ھ ۱۹۴۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

یہ جلد تاریخ اسلام کا چوتھا اور تاریخ بنی عباس کا دوسرا حصہ ہے، اس کے پہلے حصہ مین خلافت عباسیہ کے قیام سے لے کر متقی للہ (۳۲۹ھ - ۳۳۳ھ) تک دو صدیون کے حالات تھے، اس حصہ مین اس کے بعد سے خلافت بغداد کے خاتمہ ۶۵۶ھ تک چار صدیون کی تاریخ ہے یہ دور تمامتر خلافت عباسیہ کے زوال اور دوسری نئی نئی حکومتون کے قیام اور خلافت بغداد مین ان کے تسلط و اقتدار کے حالات پر مشتمل ہے، اس دور مین خلافت کا سارا نظم و نسق دیالمہ اور ان کے بعد سلجوقیون کے ہاتھون مین چلا گیا تھا، خلفاء کے اختیارات بہت کم رہ گئے تھے، اور آخر زمانہ مین تو ان کی حیثیت محض ایک وظیفہ خوار کی ہوگئی تھی، خلافت عباسیہ کے خاتمہ سے کچھ دنون پہلے بعض خلفاء ضرور ایسے پیدا ہوئے جنھون نے خلافت کو سلجوقیون کے استبداد سے چھڑایا اور دولت عباسیہ کے رقبہ مین بھی جو اس زمانہ مین بغداد اور آس پاس کے چند اضلاع تک محدود ہوگیا تھا کچھ اضافہ کیا اور ایک حد تک انھون نے خلافت کا کھویا ہوا وقار دوبارہ قائم کر دیا، لیکن یہ اس چراغ سحری کا آخری سنبھالا تھا، اس کے بعد ہی تاتاریون کا طوفان اٹھا جس نے عباسی خلافت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل کر دیا،

یہ تاریخ اسلام کا قابل ذکر واقعہ ہے کہ جو زمانہ عباسیون کے زوال کا تھا وہی دنیاے اسلام کے عروج و ترقی کا تھا، ایک حکومت کے زوال کے ساتھ ہی دوسری نئی طاقت اس کی جگہ لے لیتی تھی اور نئی نئی حکومتون کے قیام و ترقی کا ایک سلسلہ قائم تھا چنانچہ دیلمی، غزنوی، سلجوقی، اتابکی، ایوبی،

اور خوارزمی وغیرہ اس زمانہ کی بڑی بڑی حکومتین اسی دور مین قائم ہوئین، دیلمی اور سلجوقی خاندان خلافت بغداد کے متولی تھے اور اس کا سارا نظام ان ہی کے ہاتھون مین تھا اور اس دور کی تاریخ خلافت ملی انہی دونون حکومتون کے حالات سے عبارت ہے اس لئے دولت عباسیہ کے ضمن مین ان کی اجمالی تاریخ آگئی ہے، اتابکی اور ایوبی حکومتون کو اگرچہ براہ راست خلافت بغداد سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن یہ دونون خاندان جنگ صلیبی کے ہیرو تھے جو تاریخ اسلام کا نہایت مہتم بالشان واقعہ ہے اس لئے جنگ صلیبی کے سلسلہ مین اُن کے مجاہدانہ کارنامون کے ضروری حالات بھی آگئے ہین،

ان کے علاوہ اور بہت سی چھوٹی بڑی حکومتون کے ان حالات کا بھی مختصر تذکرہ ہے جن کا تعلق خلافت بغداد یا اس زمانہ کے دنیائے اسلام کے اہم حوادث سے تھا، اس طرح یہ کتاب خلافت بغداد کے ساتھ اس زمانہ کی مشرق کی بڑی بڑی حکومتون کے اہم حالات وکوائف کی بھی اجمالی تاریخ بن گئی ہے، اور اس کے مطالعہ سے دنیائے اسلام خصوصاً مشرق کے چار صدیون کے سیاسی مدوجزر کا نقشہ سامنے آجاتا ہے، لیکن تاریخ اسلام مین ان حکومتون کے مستقل حالات لکھے جائین گے، اس لئے ان کی تفصیل سے گریز کیا گیا ہو، ہر حکومت کے حال مین حتی الامکان مستند ترین عربی وفارسی ماخذون سے استفادہ کیا گیا ہو جس کا اندازہ کتاب کے حوالون سے ہوگا،

اس جلد پر عباسی خلافت کی سیاسی تاریخ ختم ہوگئی آیندہ تیسری جلد اس کے علمی وتمدنی حالات پر مشتمل ہوگی جو اس حکومت کا اصلی کارنامہ ہو لیکن ابھی یہ حصہ زیرِ تالیف ہو اور اس کی تکمیل مین کچھ عرصہ لگےگا اس لئے اس کے بعد کے جو حصے تیار ہین ان کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہے گا،

فقیر معین الدین احمد ندوی

دار المصنفین اعظم گڈھ

۸ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۴۵ء

فہرست مضامین

تاریخ بنی عباس

(جلد دوم)

قادر باللہ

۳۸۱ھ - ۴۲۲ھ

۹۹۱ء - ۱۰۳۱ء

۴۹ - ۷۰

قائم بامر اللہ

۴۲۲ھ - ۴۶۷ھ

۱۰۳۱ء - ۱۰۷۴ء

۷۱ - ۱۰۷

مقتدی بامر اللہ

۴۶۷ھ - ۴۸۷ھ

۱۰۷۴ء ۱۰۹۴ء

۱۰۸ - ۱۳۸

ناصرلدین اللہ

سنہ ۵۷۵ھ – ۶۲۳ھ

۱۱۷۹ء – ۱۲۲۵ء

۲۹۳ - ۳۸۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱- ابو القاسم عبد اللہ بن المکتفی باللہ الملقب بہ مستکفی باللہ

۳۳۳ھ تا ۳۳۴ھ مطابق ۹۴۴ء تا ۹۴۵ء

گذشتہ خلفاء کے ساتھ بدسلوکی کی بناء پر ترک اور دیالمہ کو ان کی اولادوں پر اعتماد نہ رہ گیا تھا اس لئے ایک خلیفہ کی معزولی کے بعد دوسرے خلیفہ کے انتخاب کے وقت دشواری پیش آتی تھی، اس لئے متقی کی معزولی سے قبل ہی توزون نے مکتفی باللہ کے ایک لڑکے ابو القاسم عبد اللہ کو جو ان کے نزدیک ان کے اغراض کے مطابق تھا ڈھونڈھ نکالا تھا اور اسے اپنے ساتھ سندیہ لیتا گیا تھا، چنانچہ متقی کی معزولی کے بعد سندیہ ہی میں اس کے ہاتھوں پر بیعت کی، اور نابینا متقی سے بھی اس کی بیعت لی، اور صفر ۳۳۳ھ میں وہ تخت نشین ہوا، اس وقت اس کا اکتالیسواں سال تھا، نابینا متقی کو قید میں ڈال دیا گیا، اٹھارہ سال قید میں بسر کرنے کے بعد ۳۵۷ھ میں اس نے وفات پائی،

ایک اور نابینا خلیفہ قاہر باللہ بغداد میں تھا، اس کو متقی کے اندھا کئے جانے کی اطلاع ملی تو اس نے یہ ظریفانہ مگر سبق آموز فقرہ کہا کہ "اب ہم دو اندھوں کے لئے ایک تیسرے رفیق کی ضرورت ہے" یہ ظرافت مستکفی کی معزولی کے وقت واقعہ ثابت ہوئی،[1]

---

[1] تاریخ الخلفاء ص۳۹۷،

واسط پر معز الدولہ کا قبضہ اور اسکا اخراج

تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد فریب خوردہ مستکفی نے تورون کو خلعت اور تاج پہنایا، اور ابو الفرج محمد بن علی سامری کو وزیر بنایا، لیکن وہ محض نام کا وزیر تھا، حکومت کے جملہ فرائض تورون کا کاتب ابن شیرزاد انجام دیتا تھا، مستکفی کو خلیفہ بنانے میں حرم شاہی کی ایک قہرمانہ علم کا مشورہ بھی شریک تھا، اس لئے مستکفی کے دور میں وہ بھی خلافت پر بہت حاوی ہوگئی،

اوپر یہ معلوم ہوچکا ہے کہ معز الدولہ دیلمی عرصہ سے خوزستان پر قبضہ کی کوشش کررہا تھا، چنانچہ رجب ۳۳۳ھ میں وہ اس مقصد میں کامیاب ہوگیا، تورون خود مستکفی کو لے کر اسکے مقابلہ کے لئے نکلا، اسے دیکھ کر معز الدولہ نے واسط چھوڑ دیا، اور تورون اسکو ابو القاسم بریدی کے ٹھیکہ میں دے کر بغداد لوٹ گیا،

ناصر الدولہ کی بغاوت اور مصالحت

ناصر الدولہ حمدانی والی موصل نے اس طرف پھر خراج بھیجنا بند کردیا تھا، اس لئے واسط کو چھڑانے کے بعد تورون مستکفی کو لیکر موصل گیا، لیکن تورون کے کاتب ابن شیرزاد نے دونوں میں صلح کرادی، اور جنگ کی نوبت نہیں آئی، ناصر الدولہ نے خراج ادا کردیا،

ابو الحسین بریدی کا قتل

اوپر یہ معلوم ہوچکا ہے کہ عبداللہ بن بریدی کے بعد اس کا بھائی ابو الحسین جانشین ہوا تھا، فوج نے اسے ہٹا کر اس کے بھتیجے ابو القاسم کو حاکم بنالیا تھا، ابو الحسین نے معزولی کے بعد قرامطہ کی مدد سے پھر اپنی جگہ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن جب اس میں بھی اس کو کامیابی نہ ہوئی تو براہ راست بارگاہ خلافت سے کوشش کرنے کے لئے بغداد گیا اور تورون سے درخواست کی کہ اگر وہ اسے بصرہ کی حکومت دلوا دے تو اس کے معاوضہ میں ایک بڑی رقم پیش کریگا، تورون نے اسے مستکفی سے ملاکر کوشش کی اس نے وعدہ بھی کرلیا،

لیکن عین وقت پر ابو القاسم کو خبر ہوگئی، اس نے چند با اثر اشخاص کے ذریعہ ابو الحسین کی رقم سے بڑی پیشکش توزون کے پاس بھجوادی اور ابو الحسین کو ناکامی ہوئی، اس ناکامی میں ابن شیرزاد کا بھی ہاتھ تھا، اس لئے ابو الحسین نے اسے اس کے منصب سے گرانے کی سازش کی لیکن یہ راز قبل از وقت فاش ہوگیا، اور ابن شیرزاد نے اسے توزون کے ذریعہ گرفتار کرا لیا، اتفاق سے ایک معاملہ میں علماء اس کے قتل کا فتویٰ دے چکے تھے، ابن شیرزاد نے اسے مستکفی کے سامنے پیش کرکے قتل کرا دیا[1]،

توزون کی موت اور ابن شیرزاد کی امیر الامرائی

۳۳۴ھ میں امیر الامراء، توزون کا انتقال ہوگیا، اس وقت اس کا نائب ابن شیرزاد ہیت میں تھا، یہیں اس کو توزون کی موت کی خبر ملی، عراق میں سب سے بڑا امیر ناصر الدولہ والی موصل تھا، اس لئے توزون کی جگہ پر کرنے کے لئے ابن شیرزاد کی نگاہ ناصر الدولہ کی طرف اٹھی، لیکن فوج نے اسکی مخالفت کی، اور خود ابن شیرزاد کو اپنا امیر بنا کر ترکی اور دیلمی امراء اور مستکفی سے اس کی تصدیق کرائی، اور اس نے ابن شیرزاد کو امیر الامرائی کا منصب عطا کر دیا،

ابن شیرزاد کو یہ جلیل القدر منصب فوج نے دلایا تھا، اس کے صلہ میں اس نے ان کی تنخواہوں اور مناصب میں غیر معمولی اضافہ کر دیا، بغداد کا خزانہ بالکل خالی تھا، ابن شیرزاد نے مختلف ذریعوں سے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی، ناصر الدولہ سے ایک بڑی رقم اور سامان رسد منگایا، عمال حکومت، کاتبوں اور تاجروں سے روپیہ وصول کیا، جب ان ذرائع سے بھی کمی پوری نہ ہوسکی تو رعایا کی جیبوں کی طرف ہاتھ بڑھایا، ٹیکسوں میں اضافہ کر دیا، اس سے بغداد میں بڑی شورش اور دن دھاڑے لوٹ مار شروع ہوگئی، تاجروں نے بغداد چھوڑ دیا،

---

[1] تجارب الامم ج ۶ ص ۸۰۰ ملخصاً،

اور سارے شہر میں ایک عام بدامنی پھیل گئی،

معزالدولہ دیلمی والی فارس کی قوت اس وقت بہت بڑھ چکی تھی، اس کی نگاہ عرصہ سے بغداد کی حکومت کے لئے اٹھ رہی تھی، بغداد کے ہنگاموں نے اس کے لئے موقع پیدا کر دیا، اس کی خوش قسمتی سے ابن شیرزاد کا ایک ممتاز عہدہ دار ینال کوشہ والی واسط اس سے مل گیا، اور اس کو بغداد پر فوج کشی کی دعوت دی، فخرالدولہ کی دیرینہ آرزو یہی تھی وہ فوراً آمادہ ہو گیا، ادھر ابن شیرزاد کا یہ حال تھا کہ وہ بغداد کے انقلاب کو روکنے سے عاجز ہو چکا تھا، اس پر مستزاد یہ ہوا کہ ترکی اور دیلمی فوجیں بھی ہنگامہ میں شریک ہو گئیں اور بغداد میں معزالدولہ کو کوئی طاقت روکنے والی باقی نہ رہی، اس لئے مستکفی کا معتمد علیہ امیر عبداللہ ہاشمی مع دیلمی فوجوں کے آسانی کے ساتھ بغداد میں داخل ہو گیا اور ابن شیرزاد کو مع مستکفی کے روپوش ہو جانا پڑا،

معزالدولہ دیلمی کا بغداد میں داخلہ اور دیالمہ کا آغاز

مستکفی بالکل بے بس اور ہر غالب امیر کی پذیرائی کے لئے مجبور تھا، اس لئے بنی بویہ کا بھی اس نے خیر مقدم کیا اور ابو عبداللہ ہاشمی سے اپنی روپوشی کی صفائی میں کہا کہ میں معزالدولہ کے فائدہ کیلئے چھپا تھا تاکہ ترکی فوجیں منتشر ہو جائیں اور معزالدولہ کو بغداد کے داخلہ میں دشواری نہ پیش آئے، اس کے بعد جمادی الاول ۳۳۴ھ میں معزالدولہ بھی بغداد پہنچ گیا اور مستکفی کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی بیعت کی اور عمائد و ارکان سلطنت کے روبرو دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ وفاداری کا عہد و پیمان کیا، مستکفی نے ابو الحسین (معزالدولہ) اور اس کے دونوں بھائیوں ابو الحسن اور ابو علی کو معزالدولہ[1]، عمادالدولہ اور رکن الدولہ کے القاب سے نوازا، اور سکوں پر ان کے نقش کرنے کا حکم دیا، معزالدولہ نے مستکفی سے ابن شیرزاد کی خطا معاف کرا کے اپنا کاتب بنایا،

---

[1] تینوں بھائیوں کو یہ خطابات خلافت بغداد کی تولیت کے بعد ملے،

بنی بویہ شیعہ تھے ان کو نہ بنی عباس سے کوئی ہمدردی تھی اور نہ ان کے دلوں میں خلفا کا احترام تھا، ان کے پیشرو بھی اگرچہ مستبد تھے لیکن انھوں نے کسی نہ کسی حد تک خلفار کا احترام قائم رکھا تھا، اس لئے دیالمہ کی تولیت خلافت کے بعد خلفار کی رہی سہی وقعت بھی جاتی رہی اور معزالدولہ نے مستکفی کے حقوق و اختیارات سلب کر کے اس کے گذارہ کے لئے ماہانہ پانچ ہزار اور تھوڑی سی جاگیر مقرر کر دی اور اس کو حکومت کے نظم و نسق سے بالکل خارج کر دیا، صرف خطبہ میں خلیفہ کا نام لیا جاتا تھا، یا بعض احکام و فرامین اس کے نام سے رسمًا جاری ہوتے تھے

مستکفی کی معزولی دیالمہ کے اقتدار اور استبداد کے نتائج چند ہی دنوں میں نکلنے لگے، اور مستکفی کو تاج و تخت سے ہاتھ دھونا پڑا، اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حرم سلطانی کی قہرمانہ علم تورون کے زمانہ سے حکومت میں دخیل ہو گئی تھی، اس نے ترک اور دیلمی افسروں کی دعوت کی معزالدولہ کو یہ شبہہ ہوا کہ اس دعوت کا مقصد یہ ہے کہ ان افسروں سے مستکفی کی بیعت لیکر ان کے ذریعہ اسکو بغداد سے نکال دیا جائے، اس شبہہ پر وہ مستکفی سے بدگمان اور اسکی معزولی کے درپے ہو گیا، اور ایک دن جبکہ ایک قاصد مستکفی کے حضور میں باریاب ہو رہا تھا، دو دیلمیوں نے جنھیں معزالدولہ نے پہلے سے مقرر کر دیا تھا مستکفی کے ہاتھوں کی طرف ہاتھ بڑھایا، وہ سمجھا دست بوسی کرنا چاہتے ہیں، اسلئے ہاتھ آگے بڑھا دیا، انھوں نے ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ کے تخت سے نیچے گرا دیا، اور گھسیٹتے ہوئے معزالدولہ کے فرودگاہ پر لا کر قید کر دیا، اور علم قہرمانہ کو گرفتار کر کے اسکی زبان کاٹ ڈالی اور دارالخلافہ کا کل سامان لوٹ لیا، اس افسوسناک طریقہ پر کل ایک سال چار مہینہ کی خلافت کے بعد مستکفی کی خلافت کا خاتمہ ہو گیا،[لہ]

ان واقعات کے بعد مستکفی کے تنزل و انحطاط کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں بنی بویہ خلافت عباسیہ کے حاکم مطلق تھے اور مستکفی کی حیثیت ایک وظیفہ خوار سے زیادہ نہ تھی معزالدولہ دربار میں اسکے پہلو بہ پہلو بیٹھتا تھا جسکی جرأت ابتک کسی نے نہ کی تھی

لہ ابن اثیر ج ۸ ص ۱۵۰

ابوالقاسم فضل بن مقتدر الملقب بہ مطیع للہ

۳۳۴ھ تا ۳۶۳ھ مطابق ۹۴۵ء تا ۹۷۴ء

یہ پہلے ہی کہا جا چکا ہے کہ بنی بویہ شیعہ تھے، اور وہ بنی عباس کو غاصب اور اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافت کا اصلی مستحق سمجھتے تھے، اس لئے مستکفی کو معزول کرنے کے بعد معزالدولہ نے عباسی خلافت کو ختم کر کے علوی خلافت قائم کرنے کا ارادہ کیا، اور اس بارہ میں اپنے مشیروں سے مشورہ طلب کیا، یہ سب شیعہ تھے، اس لئے قریب قریب کل مشیروں نے اسکی تائید کی، لیکن بعض عاقبت اندیش اشخاص نے جن کے پیش نظر عقیدت سے زیادہ سیاسی مصالح تھے مخالفت کی اور کہا کہ بنی فاطمہ کو خلیفہ بنانے کے بعد خلافت آپ کے اثر سے نکل جائے گی بنی عباس کو آپ کی جماعت غاصب سمجھتی ہے، اور ان کے ساتھ ان کو کسی قسم کی مذہبی عقیدت نہیں ہے، اس لئے آپ جب اور جس وقت چاہیں عباسی خلفاء کو ان کی مدد سے معزول اور قتل کر سکتے ہیں، ان کے مقابلہ میں علویوں کے ساتھ ان کو مذہبی عقیدت ہے، اس لئے کسی علوی کو خلیفہ بنانے کے بعد پھر اس کے خلاف کسی حالت میں کوئی کارروائی نہ ہو سکے گی، معزالدولہ گو شیعہ تھا لیکن عقیدت کی بارگاہ میں حکومت اور جاہ و منصب کی نذر پیش کرنے کے لئے تیار نہ تھا، اس نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور علوی حکومت قائم کرنے کا خیال ترک کر دیا، [1]

---

[1] ابن اثیر ج ۸ ص ۱۴۹

عباسی خاندان میں خلیفہ مقتدر کا لڑکا فضل عرصہ سے خلافت کا متمنی تھا اور متقی کے بعد مستکفی کے مقابلہ میں ایک مرتبہ اس کے حصول کی کوشش بھی کر چکا تھا، لیکن اس میں کامیاب نہ ہوا تھا، اس لئے مستکفی کے زمانہ بھر وہ اس کے خوف سے روپوش رہا، اس کی معزولی کے بعد معز الدولہ نے اسے تلاش کرکے خلیفہ بنایا اور جمادی الثانی ۳۳۴ھ میں وہ تخت نشین ہوا، اور مطیع للہ لقب اختیار کیا، یہ ایک کنیز مشغلہ کے بطن سے تھا، تخت نشینی کے وقت ۳۴ سال عمر تھی،

مطیع کی بیعت کے وقت مظلوم مستکفی سے باقاعدہ خلافت سے دست برداری کرا کے اوس سے مطیع کی بیعت لی گئی، اور اسکی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر اس کو اندھا کیا گیا، اور قاہر کی یہ پیشین گوئی پوری ہوگئی کہ ہم دو اندھوں (قاہر اور متقی) کے لئے ایک تیسرے رفیق کی ضرورت ہے، اس کے لکھنے کی ضرورت نہیں کہ مطیع صرف نام کے لئے خلیفہ تھا، اسے حکومت سے کوئی سروکار نہ تھا، دیالمہ نے اوس کا وظیفہ پانچ ہزار یومیہ سے گھٹا کر کل ایک سو دینار یومیہ یعنی تین ہزار کر دیا،

جاگیروں پر فوجوں کا قبضہ اور محکمہ خراج کا تعطل

حکومت کا خزانہ عرصہ سے خالی چلا آرہا تھا، بنی بویہ کے زمانہ میں بھی یہ صورت قائم رہی، روپئے کے لئے فوجوں کا مطالبہ بھی جاری تھا، اس لئے معز الدولہ نے عام رعایا کے مال پر ہاتھ ڈالا، جب اس سے بھی فوجوں کا مطالبہ پورا نہ ہو سکا، تو خالصہ شاہی اور امراء کی جاگیریں فوجی افسروں کے حوالہ کر دیں اور محکمہ خراج بند ہوگیا،

بغداد کے مسلسل انقلابات اور شورش کی وجہ سے ان جاگیروں کی حالت نہایت ابتر تھی، زراعت برباد ہوگئی تھی، پیداوار گھٹ گئی تھی، مواضعات اجڑ گئے تھے، ان میں جن کی حالت نسبتہً کچھ بہتر تھی، انھیں افسروں نے اپنے لئے چن لیا،

ان کی توجہ سے ان کی حالت کسی قدر سنبھل گئی، اور ان کے محاصل میں بھی اضافہ ہوگیا، لیکن اب ان کی واپسی معزالدولہ کے بس سے باہر ہوگئی،

چونکہ اچھے اور زرخیز علاقے افسروں نے اپنے لئے چن لئے تھے اور خراب علاقے معمولی سپاہیوں کے حصہ میں پڑے تھے، جن کی حالت یوں ہی ابتر تھی فوجی ان کی دیکھ بھال بھی نہ کرسکے، اس لئے وہ اور زیادہ ویران ہوگئے، اور ان کی پیداوار بہت گھٹ گئی، اس کے باوجود فوجی کسانوں سے بڑی سختی کے ساتھ محاصل وصول کرتے تھے، اس سے کسانوں کی حالت بہت خراب ہوگئی، فوجی علیحدہ خسارہ دکھاتے تھے، یہ صورت دیکھ کر معزالدولہ نے نگرانی کے لئے اپنے خاص آدمی مقرر کئے، لیکن یہ لوگ اولاً خود طمع میں پھنس گئے، دوسرے فوجی انھیں پورا انتظام نہ کرنے دیتے تھے، جو شخص اس صورت حال کی اصلاح کرنا چاہتا وہ اس کے دشمن ہوجاتے، اس لئے کوئی اصلاح نہ ہوسکی، اور محاصل کی آمدنی بالکل گھٹ گئی، معزالدولہ نے یہ جاگیریں ترکی فوج کو دی تھیں، اس لئے دیلمی الگ برہم ہوگئے، اور ایک عام بدنظمی پیدا ہوگئی[1]

بنی بویہ اور آل حمدان کی لڑائیاں اور مصالحت

بنی بویہ کے تسلط کے بعد بھی گو عباسی خلافت کئی صدیوں تک قائم رہی لیکن اس کی اصل تاریخ بنی بویہ کے زمانہ سے ختم ہوجاتی ہے اور خود بنی بویہ کی تاریخ کا دور شروع ہوتا ہے، جن کی خود عظیم الشان تمدنی اور سیاسی تاریخ ہے، لیکن اس کو براہ راست عباسی حکومت سے کوئی علاقہ نہیں ہے، اس لئے ہم اس کی تفصیل میں نہ پڑیں گے اور صرف انہی حالات پر اکتفا کریں گے جن کو دولت عباسیہ سے تعلق ہوگا،

خلافت بغداد پر بنی بویہ کے تسلط کے وقت عراق میں دو بڑی طاقتیں تھیں، ایک موصل کا حمدانی عرب خاندان، دوسری بصرہ کی بریدی حکومت، معزالدولہ کے زمانہ میں دونوں طاقتیں

۱؎ ابن اثیر ج ۸ ص ۱۵۱،

اور ابھرین بطیحہ میں شاہینی ریاست کی بنیاد پڑی، اور عمان میں یہاں کے والی یوسف بن وجیہہ نے طاقت پکڑی، معزالدولہ کو انہی چاروں سے نمٹنا پڑا، اور اس سلسلہ میں بڑے بڑے معرکے پیش آئے، ان میں سے صرف وہی واقعات لئے جائیں گے جن کا تعلق خلافت بغداد سے ہوگا،

بنی بویہ اور بنی حمدان کی کشمکش بنی بویہ کے سب سے بڑے حریف بنی حمدان تھے ان دونوں میں پرانی چشمک چلی آتی تھی، حمدانی نسلاً عرب اور مذہباً سنی تھے اور بنی بویہ عجمی اور شیعہ، اس لئے خلافت بغداد پر ان کے قبضہ کے بعد ان کے ساتھ بنی حمدان کی مخالفت اور زیادہ تیز ہوگئی اور مستکفی کے ساتھ بنی بویہ کی بدسلوکی سے ان میں بڑا جوش پیدا ہوگیا، اس کے انتقام میں ناصرالدولہ نے بغداد پر فوج کشی کردی، معزالدولہ نے دو سمتوں سے ان کے روکنے کا انتظام کیا ایک سمت فوجیں روانہ کیں، دوسری سمت سے خود بڑھا لیکن ناصرالدولہ معزالدولہ کی بھیجی ہوئی فوجوں کو پسپا کرکے بغداد پہنچ گیا اور مشرقی حصہ میں اترا، معزالدولہ اس وقت تکریت تک پہنچ چکا تھا، ناصرالدولہ کے بغداد پہنچنے کی خبر سن کر فوراً واپس آیا اور مغربی حصہ میں خیمہ زن ہوا، ناصرالدولہ نے ناکہ بندی کرکے اس کا سامان رسد رکوادیا اور مطیع کا نام خطبہ سے خارج کرکے اپنے حدود میں اس کا سکہ منسوخ کردیا، سامان رسد کے انسداد سے معزالدولہ کی فوج میں سخت قحط پڑگیا، اور اس کو ایسی دشواری کا سامنا ہوا کہ ہمت چھوڑ کر بھاگ جانا چاہا، لیکن اسکی قسمت یاور تھی ایک جنگی تدبیر کارگر ہوگئی، جس سے ناصرالدولہ شکست کھاگیا، اس کا کل سامان دیالمہ نے لوٹ لیا، اور محرم ۳۳۵ھ میں بغداد پر دوبارہ معزالدولہ کا قبضہ ہوگیا، پھر اسی سنہ میں دونوں میں صلح ہوگئی، لیکن یہ صلح عارضی تھی، اور دونوں کے درمیان مدتوں جنگ و صلح اور فتح و شکست کا سلسلہ قائم رہا، معزالدولہ نے کئی مرتبہ

موصل پر قبضہ کرلیا ایک مرتبہ ۳۴۵ھ میں ناصر الدولہ بغداد پر چڑھ آیا، لیکن فریقین میں سے کوئی ایک دوسرے کو زیر نہ کرسکا، اور کئی سال کی مسلسل خوں ریز لڑائیوں کے بعد ۳۵۴ھ میں دونوں میں پھر صلح ہوگئی،[1]

ابو القاسم بریدی کی بغاوت اور اسکا خاتمہ

دوسرا مخالف ابو القاسم بن بریدی والی بصرہ تھا، ۳۳۵ھ میں اس نے دیالمہ کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا، معز الدولہ نے فوجیں بھیج کر اسے شکست دی اور اس کے بہت سے ممتاز آدمی گرفتار ہوئے پھر معز الدولہ نے اس کے کامل استیصال کے لئے مطیع کو ساتھ لیکر ۳۳۶ھ میں ابو القاسم کے دار الحکومت بصرہ پر فوج کشی کی، مطیع کو دیکھ کر ابن بریدی کی فوجیں معز الدولہ سے مل گئیں اور اس نے آسانی کے ساتھ بصرہ پر قبضہ کرلیا، بصرہ پر قبضہ سے ابن بریدی کی قوت ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گئی،

بطیحہ میں شاہینی حکومت کا قیام

۳۳۸ھ میں ایک شخص عمران بن شاہین نے بطیحہ میں ایک ریاست قائم کرلی،[2] یہ جامدہ کا ایک معمولی ماہی گیر تھا، لیکن آدمی جری اور حوصلہ مند تھا، ایک مرتبہ جامدہ کے علاقہ کے سرکاری محاصل وصول کرنے اور گرفتاری کے خوف سے بطیحہ بھاگ گیا یہاں آکر اس نے ڈاکہ زنی شروع کردی، بہت سے ڈاکو اور لٹیرے اس کے ساتھ ہوگئے، اور چند دنوں میں اس کا خاصہ جتھا ہوگیا لیکن اس کے دل میں برابر حکومت کی جانب سے خطرہ لگا ہوا تھا اس لئے معز الدولہ کے مخالف ابو القاسم بریدی سے مل گیا (یہ واقعہ ابن بریدی کے خاتمہ سے پہلے کا ہے) اور چند دنوں میں اپنی قوت بڑھا کر بطیحہ کے علاقہ پر قابض ہوگیا، اس وقت

---

[1] ان لڑائیوں کی تفصیلات بہت طویل ہیں ہم نے صرف آخری نتیجہ لکھا ہے [2] ۳۳۸ھ میں اس ریاست کی بنیاد پڑی اور ۴۰۸ھ میں اس کا خاتمہ ہوا، اس میں سات فرمانروا ہوئے، عمران بن شاہین، حسین بن عمران، ابو الفرج محمد بن عمران، ابو المعالی بن حسن، مظفر بن علی، ابو الحسن علی بن نصر الملقب بہ مہذب الدولہ، محمد بن نسئی،

معزالدولہ کو اس کی جانب توجہ کرنا پڑی، اس نے کئی مہمیں اس کے مقابلہ میں بھیجیں، بعض معرکوں میں عمران کو شکست بھی ہوئی، لیکن اس پر قابو نہ حاصل ہوسکا، اور وہ برابر مقابلہ کیلئے اٹھتا اور معزالدولہ کی فوجوں کو شکست دیتا رہا، آخر میں معزالدولہ کو مجبور ہو کر عمران سے صلح کرکے اسے بطائح کا حاکم بنا دینا پڑا، لیکن اس کے بعد بھی وہ مخالفت سے باز نہ آیا اور ایک مرتبہ اہواز کا خراج جو دارالخلافہ جارہا تھا چھین لیا، اس لئے معزالدولہ نے پھر اس پر فوج کشی کی، لیکن عین وقت پر بیمار پڑگیا، اور یہ مہم ناتمام رہ گئی، اس کے بعد پھر معزالدولہ کو اپنی زندگی میں موقع نہ مل سکا اور بطیحہ میں عمران بن شاہین کی باقاعدہ ریاست قائم ہوگئی،

روزبہان دیلمی کی بغاوت اور اسکا خاتمہ

۳۴۵ھ میں معزالدولہ کے ایک معتمد علیہ دیلمی افسر روزبہان اور اس کے بھائی بلکا نے علی الترتیب اہواز اور شیراز میں علم بغاوت بلند کردیا، معزالدولہ کی فوج کے اکثر دیلمی دل سے اس کے خلاف تھے، اس لئے روزبہان کی بغاوت کا سہارا پاکر اہواز کی دیلمی سپاہ اس سے مل گئی اور روزبہان نے اہواز پر قبضہ کرلیا، معزالدولہ نے اس کے مقابلہ کے لئے بغداد سے فوجیں روانہ کیں، اس میں بھی سب دیلمی تھے، وہ بھی روزبہان سے مل گئے، اس لئے خود معزالدولہ کو اس کے مقابلہ میں نکلنا پڑا، اور اس کو شکست دیکر گرفتار کرلیا، اور بغداد لاکر اس کی تشہیر کرکے غرق کردیا، شیراز میں بلکا کی بغاوت کا خاتمہ بھی ناکامی پر ہوا، یہ بغاوت بھی دیلمیوں نے کی تھی، اس لئے ان کے فرو ہونے کے بعد معزالدولہ نے دیالمہ سے پورا انتقام لیا، اور تمام بڑے بڑے دیلمی افسروں کو گرفتار کرکے ترکوں کے ذریعہ ان کا شیرازہ منتشر کردیا، اور ان کے بجائے ترکوں کو بڑھانا شروع کیا، انھیں بڑی بڑی جاگیریں دیں اور فوج میں دیالمہ کی جگہ ترک چھاگئے، لیکن یہ بھی کچھ دیالمہ سے کم نہ نکلے انھوں نے عروج پانے کے بعد ظلم و جور کا بازار گرم کردیا،

یوسف بن وجیہہ والی عمان کی مخالفت اور اس کا خاتمہ

تیسری مخالف قوت بحرین و عمان کے قرمطی اور یہاں کے عام باشندے تھے، یہاں کے والی یوسف بن وجیہہ نے قرامطہ کی مدد سے بصرہ پر حملہ کر دیا، لیکن معز الدولہ کی فوجوں نے اسے شکست فاش دی، یوسف کے انتقال کے بعد اس کا غلام نافع جانشین ہوا معز الدولہ نے ۳۵۴ھ میں فوجکشی کرکے اس کو مغلوب کر لیا، اور نافع نے اس کی اطاعت قبول کرکے خطبہ اور سکہ میں معز الدولہ کا نام داخل کر دیا، لیکن عمان کی پوری آبادی معز الدولہ کے خلاف تھی اس لیے نافع کو نکال کر عمان کو ہجر کے قرامطہ کے حوالہ کر دیا وہ یہاں کا انتظام نہ سنبھال سکے اور عمان کی حکومت کے لیے خود یہاں کے عمائد میں کشمکش شروع ہو گئی، یکے بعد دیگرے کئی اشخاص نے حکومت حاصل کی لیکن باہمی اختلاف کی وجہ سے کسی کی حکومت قائم نہ رہ سکی، یہ بدنظمی دیکھ کر ۳۵۵ھ میں معز الدولہ نے حملہ کرکے عمان پر قبضہ کر لیا اور یہاں کی آبادی کو بے دریغ قتل کرکے اس کی قوت توڑ دی[1]،

شیعیت کا فتنہ

بنی بویہ نہایت متعصب شیعہ تھے، چند دنوں تک تو وہ خاموش رہے، پھر ان کے تعصب کا ظہور ہونے لگا، دولت عباسیہ کے بہت سے وزرا اور متوسل عجمی اور شیعہ تھے، لیکن ان میں سے کسی نے علانیہ شیعیت کی ترویج و اشاعت کی جرأت نہ کی تھی، معز الدولہ نے خلفا کی قوت ختم کرنے کے ساتھ ہی بغداد میں شیعیت کی تبلیغ شروع کر دی، اور ۳۵۱ھ میں بغداد میں جامع اعظم کے پھاٹک پر یہ تبرا لکھوایا، "معاویہ بن ابی سفیان، غاصبین فدک، امام حسن رضی اللہ عنہ کو روضۂ نبوی میں دفن کرنے سے روکنے والوں، حضرت ابوذرؓ کو جلاوطن کرنے والوں، عباسؓ کو شوریٰ سے خارج کرنے والوں پر لعنت ہو"، خلیفہ میں اس بدعت کو روکنے کی طاقت نہ تھی، کسی سنی نے رات کو یہ عبارت مٹا دی، معز الدولہ نے پھر

---

[1] ابن اثیر ج ۸ ص ۱۷۱۔

لکھوانے کا ارادہ کیا لیکن اس کے وزیر مہلبی نے مشورہ دیا کہ صرف معاویہ کے نام کی تصریح کی جائے اور ان کے نام کے بعد "والظالمین لآل محمد یعنی آل محمد پر ظلم کرنے والوں" کا فقرہ بڑھا دیا جائے معزالدولہ نے یہ مشورہ قبول کر لیا، غالبًا تبرا کی اس منافقانہ شکل کی ابتدا اسی سے ہوتی ہے،

معزالدولہ نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ بغداد میں شیعیوں کے تمام مراسم جاری کر دئیے عید غدیر کے دن عام عید اور جشنِ مسرت منانے کا حکم دیا، محرم کے لئے حکم جاری کیا کہ عاشورہ کے دن تمام دوکانیں اور کاروبار بند رکھے جائیں، کل مسلمان خاص قسم کی ٹوپیاں پہنکر نوحہ و ماتم کریں، عورتیں چہرہ پر بھبھوت مل کر پریشان مو گریبان چاک سینہ کوبی کرتی ہوئی شہر میں ماتمی جلوس نکالیں، سنیوں پر یہ احکام بہت شاق گذرے، لیکن شیعیوں کی قوت اور حکومت کے مقابلہ میں بے بس تھے، اس لئے ان احکام کو منسوخ تو نہ کرا سکے لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ محرم ۳۵۳ھ میں شیعیوں اور سنیوں میں سخت فساد ہوا، اور بغداد میں بڑی بد امنی پھیل گئی،[۱]

معزالدولہ کا انتقال ۳۵۶ھ میں معزالدولہ عمران بن شاہیں کے مقابلہ کے لئے نکلا راستہ میں بیمار پڑ گیا، اس لئے واسط لوٹ آیا یہاں آکر مرض اور زیادہ بڑھ گیا، معدہ میں کوئی چیز ٹھہرتی نہ تھی، جب حالت زیادہ نازک ہوئی تو بغداد لوٹ آیا، اور اپنے لڑکے بختیار الملقب بہ عضدالدولہ کو ولیعہد نامزد کیا اور فقہا کو بلا کر ان کے روبرو اپنے گذشتہ اعمال سے توبہ کی اور اپنی دولت کا بڑا حصہ خیرات کیا، اور اپنے کل غلام آزاد کر دئیے جن جن لوگوں کا مال ظلم و زیادتی سے لیا تھا سب کو واپس کر دیا، اور ان امور سے فراغت کے

۱؎ ابن اثیر ج ۸ ص ۱۸۲،

بعد ربیع الاوّل ۳۵۶ھ میں انتقال کیا،

خاندان بنی بویہ کا اصل بانی علی بن بویہ الملقب بہ عماد الدولہ والی فارس تھا، فخر الدولہ اس کا چھوٹا بھائی تھا، اس کے حصہ میں کرمان کا علاقہ آیا تھا، لیکن خلافت بغداد کی تولیت کا جلیل القدر منصب اس کی قسمت میں تھا، ۳۳۴ھ میں اس کو یہ منصب ملا اور ۳۵۶ھ میں اس کا انتقال ہوا، اس حساب سے اس نے گویا ۲۲ سال تک خلافت بغداد کی فرماں روائی کی،

عز الدولہ بختیار کی تخت نشینی اور اس کی نا اہلی

معز الدولہ کے بعد اس کا لڑکا بختیار الملقب بہ عز الدولہ جانشین ہوا، یہ بڑا نا اہل تھا، معز الدولہ اسے وصیت کرتا گیا تھا کہ اپنے چچا رکن الدولہ اور اس کے لڑکے عضد الدولہ کی ہمیشہ فرماں برداری کرنا، ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام انجام نہ دینا، ابو الفضل عباس بن حسین اور ابو الفرج محمد بن عباس کاتب کو جو خیر خواہ دولت ہیں انھیں ان کے عہدوں پر قائم رکھنا، سبکتگین حاجب اور ترکی اور دیلمی امرار کا خیال رکھنا، لیکن بختیار نے ان میں سے کسی وصیت پر لحاظ نہ رکھا، صرف عباس بن حسین کو وزیر بنایا، اسے امور مملکت سے کوئی دلچسپی نہ تھی، سارا وقت لہو و لعب اور عورتوں بھانڈوں اور گویوں کی صحبت میں گذرتا تھا،

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جاگیریں دیلمی امرار کے قبضہ میں تھیں، بختیار نے ان جاگیروں کی طمع میں امرار کو نکال دیا، سبکتگین کے ساتھ ایسا نامناسب طریقہ اختیار کیا کہ اس نے اس کے پاس آنا ہی چھوڑ دیا، اس کی یہ روش دیکھ کر باقی دیالمہ نے بھی اسے چھوڑ دیا، اور اس سے مطالبہ کیا کہ جس قدر دیلمی نکالے گئے ہیں سب کو ان کی جگہ بحال کیا جائے، سبکتگین ترک تھا اس کے ساتھ بدسلوکی کی وجہ سے ترک بھی بختیار سے بدگمان تھے، اور اس کے پاس کوئی قوت نہ رہ گئی

تھی اس لئے وہ دیالمہ کا مطالبہ پورا کرنے پر مجبور ہو گیا، اور اپنی نااہلی سے معزالدولہ کی قائم کی ہوئی ساری عزت خاک میں ملا دی جس کا نتیجہ اسکو بہت جلد بھگتنا پڑا،

رعایا کے مال پر دست درازی اور بغداد میں ہنگامہ

فخرالدولہ کے زمانہ میں بھی روپیہ کی قلت تھی لیکن وہ کسی نہ کسی طرح کام چلاتا رہا، بختیار کے زمانہ میں اور بھی روپیہ کی کمی پڑ گئی، اس کے وزیر ابوالفضل عباس بن حسین نے رعایا کی دولت پر ہاتھ ڈالا، اور بغداد کے تاجروں عمائد شہر، ذمیوں اور مذہبی طبقہ تک سے اس ظالمانہ طریقہ سے روپیہ وصول کیا، جس سے ہر مذہب و ملت کے لوگ اس سے نالاں ہو گئے اور مسجدوں، آتش کدوں اور کنیسوں میں اس کے لئے بد دعا ہونے لگی، اور اس کے خلاف بغداد میں عام شورش پیدا ہو گئی، لٹیروں اور فتنہ پرستوں نے موقع پاکر لوٹ مار شروع کر دی، اور بغداد میں عام بد امنی پھیل گئی، شہر کی کل دکانیں بند ہو گئیں، اور سارا کاروبار معطل ہو گیا لوگوں کے لئے گھروں سے قدم باہر نکالنا دشوار ہو گیا، ابوالفضل نے فوجی قوت کے ذریعہ اس شورش اور بد امنی کو روکنے کی کوشش کی، بغداد کا ایک حصہ جلوا دیا، بڑی مشکلوں سے شورش رکی، اور عارضی طور سے سکون ہو گیا، لیکن حکومت کا بگڑا ہوا نظام قائم نہ ہو سکا، اور لوگوں کے دلوں سے حکومت کی ہیبت جاتی رہی[1]

سنہ ۳۶۲ھ میں بختیار نے ابوالعباس کو معزول کر کے اسکا کل مال و متاع ضبط کر لیا اور محمد بن بقیہ کو وزیر بنایا، یہ بغداد میں مطبخ شاہی میں ملازم تھا، بختیار کی نظر توجہ سے وزارت کے درجہ تک پہنچا، ابن بقیہ کچھ دنوں تک ابوالعباس کی ضبط شدہ دولت سے کام چلاتا رہا، لیکن جب وہ ختم ہو گئی تو اسے بھی ابوالعباس کا طریقہ اختیار کرنا پڑا، اور پھر بغداد میں ظلم و جور کا بازار گرم ہو گیا، اور وہی بد امنی پیدا ہو گئی، سبکتگین کی مدد سے بڑی مشکلوں سے حالات اصلاح پذیر ہوئے[2]

ترکوں پر بختیار کی زیادتی اور انکی مخالفت

اس کے ایک ہی سال بعد سنہ ۳۶۳ھ میں ترکی اور دیلمی فوجوں میں روپے کے لئے شورش بپا ہوئی، بغداد کا خزانہ خالی تھا، اس لئے یہ لوگ

[1] ابن اثیر ج ۸ صفحہ ۱۹۰،
[2] تجارب الامم ج ۲ صفحہ ۲۰۲،

روپیے کے حصول کے لئے ناصر الدولہ کے پاس موصل پہنچے، مگر یہاں بھی کچھ نہ ملا، اس لئے بختیار کو ساتھ لے کر اہواز کا رُخ کیا، یہاں کے والی امیر بختگین نے بختیار کی پوری مدارات کی اور ایک بڑی رقم مہیا کر دی، اس سے فوجوں کا مطالبہ پورا کرنے کی ایک صورت پیدا ہو گئی تھی کہ اسی دوران میں ایک ترک اور ایک دیلمی غلام میں ایک معمولی سی بات پر جھگڑا ہو گیا، دونوں جماعتیں اپنے اپنے غلام کی حمایت میں لڑ گئیں اور بہت سے ترک اور دیلمی مارے گئے، بختیار نے ہر چند روکنے کی کوشش کی، مگر فریقین میں سے کسی نے نہ سنا اور بختیار نے دیالمہ کے مشورہ سے بہت سے ترکی سرداروں کو گرفتار کر کے قید کر دیا، دیالمہ نے ان کا مال و متاع لوٹ کر ان کی بڑی تعداد تہ تیغ کر دی، بختیار نے سبکتگین کی جاگیر ضبط کر لی، اس سے ترک اور دیالمہ میں مستقل مخالفت پیدا ہو گئی،

بغداد پر ترکوں کا قبضہ ترکوں کا سردار سبکتگین اس وقت بغداد میں تھا، بغیر اس کی گرفتاری کے ترکوں کا شیرازہ منتشر نہیں ہو سکتا تھا، بختیار نے اہواز ہی سے اس کی گرفتاری کی تدبیر کی تھی، لیکن سبکتگین کو اسکی اطلاع ہو گئی، اس نے فوراً ترکوں کو جمع کر کے بختیار کے بھائی ابو اسحٰق کے پاس کہلا بھیجا کہ میرے اور آپکے بھائی کے درمیان تعلقات اتنے خراب ہو گئے ہیں کہ ان کی اصلاح کی امید نہیں، لیکن میرے آقاؤں کی جانب سے میرے ساتھ خواہ کیسی ہی برائی کا ظہور ہو میں ان کی اطاعت سے منہ نہیں موڑ سکتا، اس لئے آپ حکومت قبول فرمائیے، ابو اسحٰق نے اپنی ماں سے مشورہ کیا، اس نے روک دیا، اس کے انکار پر سبکتگین نے بختیار کے محل کا محاصرہ کر کے اس میں آگ لگا دی، اور ابو اسحٰق، اس کے بھائی ابو طاہر اور اس کی ماں کو گرفتار کر لیا، انھوں نے کہا ہمیں چھوڑ دو ہم لوگ واسط چلے جائیں گے، سبکتگین نے انھیں رہا کر دیا، ان لوگوں نے خلیفہ مطیع کو بھی ساتھ لے جانا چاہا، لیکن سبکتگین نے

اسے نہ جانے دیا، باقی اشخاص بغداد چھوڑ کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد سبکتگین نے بختیار کی کل املاک پر قبضہ کر کے دیالمہ سے ترکوں کے ساتھ زیادتی کا پورا انتقام لیا، بغداد کے سنی عرصہ سے شیعیوں کی زیادتیاں سہتے چلے آرہے تھے، ترک سنی تھے، بغداد پر ان کے قبضہ کے بعد ان کو شیعیوں کی زیادتیوں سے نجات ملی، اس لئے انھوں نے ترکوں کا پورا ساتھ دیا، سبکتگین نے انھیں بڑے بڑے مناصب عطا کئے، ترکوں کی حمایت کا سہارا پاکر سنیوں نے شیعیوں سے ان کے گذشتہ مظالم کا بدلہ لینا شروع کیا، اور دونوں میں بڑا کشت و خون ہوا، لیکن بغداد میں ترکوں کی حکومت تھی، اس لئے سنی غالب رہے،

سرحدی علاقوں میں رومیوں کی عام یورش اور انکی تباہی

رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان کم و بیش ہر زمانہ میں جنگ کا سلسلہ جاری رہا، جس میں مسلمان عموماً غالب رہے، اس لئے دولت عباسیہ کے زوال کے زمانہ میں بھی جب تک خلفاء کا کچھ بھی وقار قائم رہا، اور عالم اسلام میں ان کی آواز موثر رہی، رومیوں نے اسلامی ملکوں پر قبضہ کا خواب بھی نہیں دیکھا، حتی کہ ترکوں کے اقتدار کے زمانہ میں بھی جب خلفاء بے بس ہو چکے تھے، رومیوں نے اسلامی علاقوں پر فاتحانہ یورش کی ہمت نہ کی، ترک گو خلفاء کے مقابلہ میں جری اور بے باک تھے، لیکن بیرونی اقوام کے مقابلہ میں ہمیشہ سینہ سپر رہے، اس لئے کسی قوم کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غلبہ کا تصور بھی نہ پیدا ہو سکا، لیکن بنی بویہ نے اولاً خلفاء کی حیثیت بالکل ختم کر دی تھی، دوسرے خود ان میں کوئی جوش و ولولہ نہ تھا، اور فخرالدولہ کے بعد خود ان میں خانہ جنگی شروع ہو گئی تھی، اس لئے انھیں اپنی ہی حکومت سنبھالنے سے فرصت نہ تھی، اس سے رومیوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے، اور انھوں نے جزیرہ، شام، آرمینیا، آذربیجان وغیرہ تمام سرحدی ملکوں پر عام یورش شروع کر دی، اس کا سلسلہ برسوں قائم رہا،

رومیوں نے بہت سے سرحدی شہروں کو بالکل ویران کردیا، بعض پران کا قبضہ بھی ہوگیا یہ علاقے زیادہ تر سیف الدولہ والی حلب کی حکومت کی سرحد پر تھے، اور یہی اس وقت کے مسلمان حکمرانوں میں بہادر اور باہمت بھی تھا، اس لئے تنہا وہی رومیوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوا، اور برسوں ان کا مقابلہ کرتا رہا، عباسی حکومت میں کوئی دم نہ تھا، اس لئے وہ کوئی مدد نہ کرسکی، ان لڑائیوں کو اس سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے اس کی تفصیل قلم انداز کی جاتی ہے، مختصر حال یہ ہے، کہ قیصر ارمانوس کا سپہ سالار نقفور (نیکوفورس) مسلمانوں کا سخت دشمن تھا، اس نے بلقان کی تمام ریاستوں کو متحد کرکے شام اور جزیرے کی سرحد پر عام یورش کردی اور ۳۳۶ھ سے لے کر ۳۶۲ھ تک مسلسل پچیس سال خونریز لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا، ان میں لاکھوں مسلمان قتل اور گرفتار ہوئے رومیوں نے سروج، عین زربہ، اذنہ، مصیصہ، طرسوس، بہت سے سرحدی شہروں، فوجی چھاؤنیوں اور قلعوں پر قبضہ کرکے ان کو بالکل ویران کرڈالا، ان کی پوری مسلمان آبادی تہ تیغ کردی، ہزاروں مسلمانوں کو قید کرکے لونڈی غلام بناڈالا، مسجدوں کو مسمار اور بہت سے مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنالیا، ان نازک اور پرشور حالات میں تنہا سیف الدولہ ان کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوا، اور گو وہ رومیوں کی یورش کو پوری طرح نہ روک سکا، لیکن جب تک زندہ رہا بڑی شجاعت اور بہادری سے مقابلہ کرتا رہا، اور جہانتک ہوسکا رومیوں سے ان کے ظلم و سفاکی کا انتقام بھی لیا،

۳۵۶ھ میں سیف الدولہ کا انتقال ہوگیا، اس کی موت سے بڑا نقصان پہنچا، اس کے غلام قرعویہ نے اس کے پایۂ تخت حلب پر مخالفانہ قبضہ کرلیا، اور اس میں اور سیف الدولہ کے لڑکے ابوالمعالی شریف میں جنگ شروع ہوگئی، جس سے مسلمانوں

کا رہا سہا سہارا بھی جاتا رہا، رومیوں کا حوصلہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ انھوں نے جزیرہ طرابلس الشام اور حمص وانطاکیہ وغیرہ شام کے بہت سے ساحلی شہروں پر قبضہ کرکے انھیں بالکل ویران کر دیا، ہزاروں گاؤں تباہ کر ڈالے اور بے شمار مسلمان قتل وگرفتار ہوئے ۳۵۹ھ میں نقفور نے سیف الدولہ کے پایہ تخت حلب پر فوج کشی کرکے قرویہ سے خراج وصول کیا اور اپنی سیادت منوا کر قرویہ کو مجبور کیا کہ وہ اسلامی ملکوں پر فوج کشی میں رومیوں کی امداد کریگا،

شام کو ویران کرنے کے بعد آرمینیہ اور آذربیجان کا رخ کیا اور ملاذکرد پر قبضہ کر لیا، کوئی قوت ان کو روکنے والی نہ تھی، رومی جدھر رخ کر دیتے تھے، اسکو تباہ وبرباد کر ڈالتے تھے، اس سے مسلمانوں میں عام خوف دہراس پھیل گیا، ملاذکرد پر قبضہ کے بعد رومی، دیاربکر کے علاقہ پر حملہ کا ارادہ کر رہے تھے کہ نقفور کے قتل کا واقعہ پیش آگیا،

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نقفور کو قسطنطنیہ کے شاہی خاندان سے کوئی تعلق نہ تھا محض اسکی عالی دماغی اور شجاعت نے اسے رومی حکومت کی سپہ سالاری کے منصب پھر تخت شاہی پر پہنچایا تھا عربی مورخین کا بیان ہے کہ اس کے اجداد مسلمان تھے اور طرطوس کے باشندے تھے، اس کے باپ ابن الفقاس نے عیسوی مذہب اختیار کیا، اور نقفور رومی حکومت سے متوسل ہو گیا، اور اپنی بہادری، عالی دماغی اور کارناموں کے بدولت سپہ سالار اعظم کے منصب تک پہنچ گیا، جس زمانہ میں وہ سیف الدولہ سے برسر پیکار تھا، اسی زمانہ میں قیصر ارمانوس کا انتقال ہو گیا، اس نے ایک بیوہ اور دو صغیر السن بچے چھوڑے، اس وقت قسطنطنیہ کی حکومت کو کوئی سنبھالنے والا نہ تھا اس لئے فوج نے نقفور کو مجبور کرکے حکومت کا نگراں بنا دیا، اور وہ نابالغ شاہزادوں کی نیابت کرنے لگا،

چند دنوں کے بعد اس نے ارمانوس کی بیوہ سے شادی کر لی، اس وقت اس کے دل میں خود مختاری کا خیال پیدا ہوا اور اس نے۔ ۔ ۔ ۔ ملکہ پر زیادتی شروع کر دی، اسکی بدنیتی دیکھ کر ملکہ نے ایک افسر کو بلا کر اس کو قتل کرا دیا[1]،

لیکن انگریزی مورخین کا بیان اس سے کسی قدر مختلف ہے، ان کے بیان کے مطابق نقفور ایشیاے کوچک کا ایک بڑا ممتاز رئیس تھا، ارمانوس کے زمانہ میں اس نے بڑا شہرہ حاصل کیا، اسکی موت کے بعد جیسا کہ عربی مورخین کا بیان ہے اس نے ارمانوس کی بیوہ سے شادی کر لی، چند دنوں کے بعد اس میں اور نقفور کے بھتیجے میں ناجائز تعلقات ہو گئے، ان دونوں نے اس کو راستہ سے ہٹانے کے لئے قتل کر دیا[2]،

لیکن نقفور کے قتل کے بعد بھی رومیوں کا سیلاب نہ رکا اور ۳۶۱ھ میں انھوں نے دیار بکر پر حملہ کر کے اسے برباد کیا، اس کے فرماں روا ابو تغلب بن حمدان والی موصل میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس لئے روپیہ دے کر صلح کر لی، یہاں کے باشندوں نے جب دیکھا کہ انھیں رومیوں کے ظلم سے کوئی بچانے والا نہیں تو وہ بغداد پہنچے اور یہاں کی مساجد اور عام مجمعوں میں جا کر رومیوں کے مظالم اور اپنے مصائب بیان کر کے فریاد کی، اس کا اہل بغداد پر بڑا اثر پڑا اور انھوں نے اس کے تدارک کے لئے قصر خلافت پر ہجوم کیا، وہاں محل کے پھاٹک بند کر لئے گئے، اور انھیں اندر نہیں جانے دیا گیا، مگر اہل بغداد میں بڑا جوش تھا، وہ جہاد کے لئے جوق در جوق جمع ہونے لگے، بغداد کے شورش پسند عوام نے جو ہنگامہ کے منتظر رہا کرتے تھے، اس میں شریک ہو کر لوٹ مار اور قتل و غارت شروع کر دی، مکانوں میں آگ لگا دی، کرخ کا پورا بازار جلا ڈالا، اس بدامنی اور شورش

[1] ابن اثیر ج ۸ ص ۲۳۳ [2] ہسٹری آف دی نیشنز ج ۳۰ ص ۲۲۹ و ۲۳۰،

کی وجہ سے وزیر دولت اور نقیب بغداد میں اختلاف ہو گیا، لیکن سنجیدہ طبقہ نے اپنی کوشش جاری رکھی،

اسی وقت بختیار سیر و شکار میں مشغول تھا، عمائد بغداد نے اس کے پاس جاکر کہا کہ یہ وقت سیر و شکار کا نہیں ہے، رومیوں نے مسلمانوں پر قیامت ڈھا رکھی ہے، اس کا تدارک ہونا چاہئے، ان کا جوش دیکھ کر بختیار کو آمادہ ہونا پڑا،[۱] اور اس نے سبکتگین حاجب کو فوج کی تیاری کا حکم دیا، اور مسلمانوں کو اس میں شرکت کی ترغیب دی، اس کی آمادگی اور توجہ سے ہزاروں مسلمان جہاد کے لئے جمع ہو گئے، اور بختیار نے ابو تغلب کو لکھ بھیجا کہ میں تیاری کر رہا ہوں، تم سامان رسد اور مویشیوں کے چارہ کا انتظام کرو، اور مطیع سے فوجی مصارف کیلئے روپیہ طلب کیا، اس نے جواب دیا کہ "جہاد اور اس قبیل کے دوسرے فرائض اور اس کے مصارف کی ذمہ داری اس وقت مجھ پر تھی جب حکومت کی آمدنی میرے پاس آتی تھی، لیکن اس بے بسی اور مجبوری کی حالت میں یہ فرض مجھ پر عائد نہیں ہوتا، اسکی ذمہ داری حکومت کے مختار کل پر ہے" اس کا یہ جواب بالکل صحیح تھا، لیکن بختیار نے دھمکی دے کر اس سے بجبر روپیہ وصول کیا، مطیع کے پاس نقد ایک حبہ نہ تھا، بختیار کی دھمکی کے خوف سے گھر کا اسباب اور توشہ خانہ کے کپڑے بیچ کر چار لاکھ بختیار کے حوالہ کئے، روپیہ ملنے کے بعد اس نے بالکل رخ بدل دیا، اور جہاد کے بجائے اس کو اپنی ذات پر اڑا دیا، اور جہاد کا خواب پریشاں ہو گیا،

دیار بکر پر رومیوں کی یورش برابر قائم تھی، آخر میں حمدانی ہی خاندان پھر مقابلہ میں آیا اور ناصر الدولہ کے لڑکے ہبۃ اللہ نے رومیوں کو شکست دیکر ان کے سپہ سالار اعظم کو زندہ گرفتار کر لیا، اسکی گرفتاری کے بعد رومیوں کی یورش کا زور گھٹ گیا،[۲]

[۱] ان لڑائیوں کی تفصیلات بہت طویل اور ابن اثیر اور ابن خلدون وغیرہ میں مفصل مذکور ہیں، ہم نے صرف خلاصہ نقل کیا ہے

مطیع کی دستبرداری ترک اور دیالمہ کے اختلاف سے پہلے مطیع پر فالج کا حملہ ہوا تھا، اس حملہ نے اسکو بالکل بیکار کر دیا تھا، لیکن وہ عرصہ تک اپنی حالت کو چھپائے رہا، آخر میں سبکتگین کو اسکا علم ہو گیا، اس نے اس پر زور ڈال کر ۳۶۳ھ میں اس کے لڑکے عبد الکریم طائع کے حق میں خلافت سے دستبردار کرا دیا، دستبرداری کے بعد وہ بغداد چھوڑ کر واسط چلا گیا، اور یہیں انتقال کیا، مدت خلافت ۲۹ سال تھی،

عام حالات مدت کے اعتبار سے مطیع کا عہد خاصہ طویل ہے لیکن اس پوری مدت میں سیاسی انقلابات اور شورو فتن کے سوا کوئی بھی قابل ذکر واقعہ نہیں ہوا اور ان ہنگاموں کو بھی مطیع اور خلافت بغداد سے کوئی علاقہ نہیں، مطیع سو دینار روزانہ وظیفہ پاتا تھا، اس کے علاوہ اسے اور کسی چیز سے سروکار نہ رہ گیا تھا وہ معز الدولہ کا ماتحت اور دست نگر تھا، اسکو انتظام حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا، معز الدولہ نے تین ہزار دینار ماہانہ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا اور خلافت کا وقار انتہائی پستی کو پہنچ گیا تھا[1]،

ملک کی حالت خلیفہ سے بھی زیادہ ابتر ہو گئی تھی، بغداد میں آئے دن ہنگامے اور انقلابات برپا ہوتے رہتے تھے، عراق و ایران میں امرا کی خانہ جنگی علی حالہ قائم تھی، شیعہ سنی جنگ علحدہ چھڑ گئی تھی ان ہنگاموں نے امن و امان مفقود اور ملک کی معاشی حالت نہایت ابتر کر دی تھی، غلہ کا اتنا سخت قحط ہو گیا تھا کہ لوگ مردار کھانے پر مجبور اور ہزاروں آدمی بھوک کا شکار ہو گئے تھے، گلی کوچوں میں فاقہ زدہ مردے پڑے رہتے تھے اور کوئی اٹھانے والا نہ تھا، بڑی بڑی جائدادیں دو دو روٹیوں کے بدلہ میں بک گئیں، ایک مرتبہ مطیع کے لئے ایک کرتا بیس ہزار درہم میں خریدا گیا[2]، غرض بختیار کے زمانہ میں بغداد بالکل تباہ ہو گیا،

---

[1] دول الاسلام ذہبی ج اول ص ۱۶۳ [2] تاریخ الخلفاء ص ۳۹۸،

ابوالفضل عبدالکریم بن مطیع الملقب بہ طائع للہ

سنہ ۳۶۳ھ تا سنہ ۳۸۱ھ مطابق سنہ ۹۷۴ء تا سنہ ۹۹۱ء

مطیع کی دست برداری کے بعد ابوالفضل عبدالکریم ذیقعدہ سنہ ۳۶۳ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا اور طائع للہ لقب اختیار کیا؛

مطیع کی طرح طائع بھی بے دست و پا اور بنی بویہ کا دست نگر تھا، اس کے دور میں بھی خاص عباسی حکومت کی کوئی تاریخ نہیں ہے، بغداد کے حالات بھی تمامتر بنی بویہ سے متعلق ہیں، اس کے عہد میں ایک اہم تغیر یہ البتہ ہوا کہ عزالدولہ بختیار کے چچیرے بھائی عضدالدولہ بن رکن الدولہ نے بغداد پر قبضہ کر لیا، گو اس سے خلیفہ کی بے بسی میں کوئی فرق نہیں آیا، لیکن عضدالدولہ بڑا جامع اوصاف اور بڑے دبدبہ وشکوہ کا فرماں روا تھا اس نے بغداد کی ابتری کو دور کر کے مختلف حیثیتوں سے اسکو ترقی دی،

بغداد پر عضدولہ کا قبضہ بنی بویہ کی فوجی قوت کا مدار ترک اور دیالمہ دونوں پر تھا، اس لیے ترکوں کے ساتھ دیالمہ کی عام مخالفت کے باوجود بعض عاقبت اندیش دیلمی افسروں نے بختیار کو ان کے ساتھ بدسلوکی پر ملامت کی اور اس کو اپنا رویہ بدلنا پڑا، اور اس نے آزادویہ ترکی کو فوج کا افسر مقرر کر کے جس قدر ترک قید تھے سب کو رہا کر دیا، اور سبکتگین کو بغداد سے نکالنے کے لئے اپنے چچا رکن الدولہ، چچیرے بھائی عضدالدولہ، ابوتغلب حمدانی والی موصل

اور عمران بن شاہین والی بطیحہ سے مدد مانگ بھیجی، آخر الذکر دونوں سے خراج کی باقی رقم معاف کر دینے کا وعدہ کیا، اور عمران بن شاہین کو اس سے رشتہ قائم کرنے کی طمع دلائی لیکن اس نے اس اعزاز کو مسترد اور مدد دینے سے انکار کر دیا، ابو تغلب کے دل میں بغداد پر قبضہ کرنے کا خیال تھا، وہ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر آمادہ ہوگیا، رکن الدولہ نے اپنے وزیر ابو الفتح بن عمید کو فوجیں دے کر بھیجا، اور عضد الدولہ کو اس سے مل جانے کا حکم دیا، عضد الدولہ کے دل میں بھی بغداد کی حکومت کی خواہش تھی، اس لئے وہ بھی اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار ہوگیا، اور اپنے بھائی ابو عبد اللہ حسین کو فوجیں دے کر روانہ کر دیا، لیکن یہ دونوں بغداد نہیں گئے، ابو عبد اللہ تکریت پہنچکر ٹھہر گیا اور عضد الدولہ نے ابو الفتح کو اہواز میں روکے رکھا، یہ دونوں اس انتظار میں تھے کہ جیسے ہی سبکتگین بختیار کے مقابلہ کے لئے بغداد سے نکلے یہ پہنچکر قبضہ کر لیں،

سبکتگین کو ان تیاریوں کی خبر ہوئی تو وہ طائع کو لے کر بختیار کے مقابلہ کے لئے نکلا، ابو عبد اللہ قریب ہی تکریت میں موقع کا منتظر تھا، فوراً بغداد پہنچ گیا، اس وقت بغداد بالکل خالی تھا، اس لئے ابو عبد اللہ آسانی کے ساتھ قابض ہوگیا، اس وقت یہاں بڑی شورش اور بدامنی برپا تھی، ابو عبد اللہ نے اس کو فرو کر کے امن وسکون قائم کیا،

مطیع عرصہ سے فالج میں مبتلا تھا، واسط پہنچ کر انتقال کر گیا، اس کے بعد ہی سبکتگین کا انتقال ہوگیا، اس وقت بختیار کو کسی قدر اطمینان ہوا، اور اس کو امید بندھی کہ اب ترکوں کا شیرازہ بکھر جائے گا، لیکن سبکتگین کی موت کے بعد انھوں نے امیر ختگین کو اپنا سردار بنا لیا، اور بختیار کو شکست دے کر واسط میں اس کا محاصرہ کر لیا، عضد الدولہ ابھی تک اہواز میں ٹھہرا ہوا تھا، بختیار نے اسکو لکھ بھیجا کہ اگر تمھارے پہنچنے میں اب ذرا بھی تاخیر ہوئی

تو میرا خاتمہ ہے، وہ اس نازک وقت کا منتظر ہی تھا ابو الشیخ کو ساتھ لے کر فوراً واسطہ روانہ ہو گیا، اس کی آمد کی خبر سن کر ترکوں نے محاصرہ اٹھا لیا اور آگے بڑھ کر دیالی میں مورچہ قائم کیا، اس درمیان میں عضد الدولہ واسط پہنچ گیا، اور بختیار کو لے کر بغداد روانہ ہو گیا، اس وقت ابو تغلب یہاں موجود تھا لیکن اسکی فوج میں خود باہم مخالفت ہو گئی تھی اس لئے وہ عضد الدولہ کا رخ بغداد کی طرف دیکھ کر موصل چلا گیا، اس کے بغداد چھوڑنے کے بعد ترک پہنچ گئے، عضد الدولہ نے پہلے سے ان کے سامان رسد کی بندش کا انتظام کر دیا تھا، ابو تغلب نے علیحدہ ناکامی کے غصہ میں ناکہ بندی کر دی، اس لئے باہر سے کوئی چیز بغداد نہ پہنچ سکتی تھی، اور یہاں سخت گرانی پیدا ہو گئی، حسب معمول بغداد کے شورش پسندوں نے لوٹ مار شروع کر دی اور ایک عام بدامنی پھیل گئی عین اس حالت میں عضد الدولہ قریب آگیا، دیالی اور مدائن کے قریب ترکوں نے روکنے کی کوشش کی، لیکن ان کو بڑی فاش شکست ہوئی، اور وہ تکریت چلے گئے۔ اور عضد الدولہ بغداد میں داخل ہو گیا، اگرچہ عضد الدولہ بغداد پر قبضہ کی نیت سے آیا تھا لیکن اس کا باپ رکن الدولہ اپنے بھتیجوں کو بہت عزیز رکھتا تھا اس لئے علانیہ بختیار کا حق غصب کرنے میں باپ کی برہمی کا خطرہ تھا، اس کو معلوم تھا کہ بختیار کے پاس روپیہ نہیں ہے، چنانچہ اس نے فوج کو بھڑکا دیا، اس نے سختی کے ساتھ کامیابی کا انعام طلب کیا، بختیار نے کسی نہ کسی صورت سے کچھ روپیہ مہیا کیا، اس وقت عضد الدولہ نے اسے روکا اور اس سے کہا کہ ان کے مطالبات کا مطلق لحاظ نہ کرو یہ لوگ سختی کے عادی ہیں، ان کے ساتھ سختی سے پیش آنا چاہئے تم انھیں یقین دلا دو کہ تم کو حکومت کی کوئی خواہش نہیں ہے، یہ سن کر یہ سب ٹھنڈے پڑ جائیں گے، سادہ لوح بختیار اس کے فریب میں آگیا، اور حکومت سے استعفیٰ دیکر گھر بیٹھ گیا، اور تمام لوازم شاہی موقوف کر دئے،

عضد الدولہ نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ بختیار کو اس پر آمادہ کیا کہ میں تم سے فوجی افسروں کی سفارش کروں گا، تم اسے مسترد کر دینا، اس کے بعد افسروں کی سفارش کی، بختیار نے اس کی ہدایت کے مطابق جواب دیا کہ میں نہ تم لوگوں کا حاکم ہوں اور نہ تم سے میرا کوئی واسطہ ہے، اب میں بالکل بری الذمہ ہوں اس جواب سے فوج میں اور زیادہ برہمی پیدا ہو گئی،

سادہ لوح بختیار اب تک اس دھوکے میں مبتلا تھا کہ عضد الدولہ اس کے معاملات درست کرا دیگا، چنانچہ آخر میں اس نے عضد الدولہ سے مداخلت کی خواہش کی، لیکن اب وہ اپنا کام پورا کر چکا تھا، اس نے بختیار کے بھائیوں کو بہانہ سے بلا کر گرفتار کر لیا اور لوگوں کو جمع کر کے حکومت سے بختیار کا استعفیٰ سنا دیا، طائع بھی بختیار سے تنگ تھا اس کو اس کے استعفیٰ سے بڑی مسرت ہوئی، اور وہ عضد الدولہ کے پاس چلا آیا، اس نے اس کی بڑی عزت و تکریم کی اور ایک بڑی رقم نذر میں اور بہت سا سامان ہدیہ میں پیش کیا، قصر خلافت کو از سر نو آراستہ کرایا، شاہی جاگیر کی حفاظت کا انتظام کیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خلافت کا کھویا ہوا وقار پھر قائم ہو جائیگا [۱]،

بختیار کے لڑکے مرزبان نے جو بصرہ میں تھا عضد الدولہ کے باپ رکن الدولہ کو یہ حالات لکھ بھیجے، اس کو اپنے بھائی بھتیجوں سے بڑی محبت تھی، بختیار کے ساتھ عضد الدولہ کے فریب کا حال سن کر شدت غم میں تخت شاہی سے نیچے گر پڑا اور کھانا پینا چھوڑ دیا،

رکن الدولہ کی برہمی بختیار میں خود کوئی صلاحیت نہ تھی، اس کا وزیر ابن بقیہ عمران بن شاہین والی بطیحہ اور سہل بن بشر والی اہواز کو ملا کر عضد الدولہ کے مقابلہ کے لئے اٹھا،

---

[۱] ابن اثیر میں یہ حالات بہت طویل ہیں ہم نے خلاصہ نقل کیا ہے، ج ۸ ص ۲۱۲ تا ۲۱۵،

اس نے بھی مقابلہ کے لئے فوج بھیجی، ابن بقیہ نے اسے شکست دے کر رکن الدولہ کو تمام حالات لکھ بھیجے، اس کو پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی، وہ عضد الدولہ سے اتنا برہم تھا کہ ابن بقیہ کو لکھ بھیجا کہ تم لوگ عضد الدولہ کے مقابلہ میں استقلال سے کام لو، میں خود اس کو بغداد سے نکالنے کے لئے آتا ہوں، رکن الدولہ کے ارادہ کا شہرہ ہوا تو عضد الدولہ کی ہوا بالکل اکھڑ گئی، بہتوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا، اور اسکی عام مخالفت شروع ہوگئی، والی فارس نے خراج روک دیا، اور عضد الدولہ کے پاس صرف بغداد رہ گیا، یہ صورت حال دیکھ کر وہ بہت گھبرایا، اور باپ کو راضی کرنے کے لئے وزیر ابوالفتح ابن العمید کے ہمراہ ایک قاصد کی زبانی یہ پیام کہلا بھیجا کہ میں نے بختیار کی نااہلی کی وجہ سے بغداد پر قبضہ کیا ہے، اس میں ملک کی حفاظت کی مطلق صلاحیت نہیں ہے، اگر اس کو عراق کی حکومت پر بحال کیا گیا تو حکومت اور خلافت کی تولیت ہمارے خاندان سے نکل جائیں گی، میں اس کے لئے کافی دولت صرف کر چکا ہوں، اس لئے بختیار کی مدد کا خیال ترک فرما دیجئے، اگر یہ منظور نہیں ہے تو میں عراق کی حکومت کے معاوضہ میں تین کرور سالانہ پیش کرنے کے لئے تیار ہوں، اور بختیار اور اس کے بھائی کو آپ کی خدمت بھیجدوں گا، اگر وہ آپ کے پاس قیام کرنا پسند کریں گے تو آپ کے پاس رہیں گے، اور اگر ان کو حکومت کی خواہش ہوگی تو فارس کا کوئی حصہ ان کو دیدیا جائے گا، آپ پسند فرمائیں تو خود تشریف لاکر بغداد کی حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لیجئے، بختیار کو رے بھیجدیجئے، میں فارس لوٹ جاؤں گا، اگر یہ بھی منظور نہیں ہے تو آپ میرے والد ہیں آپ کے تمام احکام میرے سرآنکھوں پر، لیکن بختیار اور اس کے بھائیوں کی دشمنی مول لینے کے بعد ان کو چھوڑ دینا میرے امکان میں نہیں ہے، ورنہ وہ پوری قوت کے ساتھ میرے مقابلہ میں آجائیں گے، اور خاندان کا شیرازہ بکھر جائیگا،

میں نے جو صورتیں پیش کی ہیں ان میں سے جو صورت آپ پسند فرمائیں میں تابع فرمان رہوں گا، اور اگر کوئی صورت بھی پسند خاطر نہیں ہے اور میری واپسی ہی پر اصرار ہے تو میں بختیار اس کے بھائیوں اور اس کے حامیوں کو قتل کر کے عراق چھوڑ کر کسی طرف نکل جاؤنگا، جس کا دل چاہے گا یہاں کی حکومت سنبھالے گا،

رکن الدولہ کے پاس جا کر جب قاصد یہ مطالبات سنانے لگا تو اس نے کل سنے بھی نہ تھے کہ جوشِ غضب سے لبریز ہو گیا، اور قاصد کو قتل کرنے کے لئے جھپٹا وہ بھاگ گیا، جب غصہ فرو ہوا تو قاصد کو بلا کر اس سے کہا کہ جا کر اس ناشدنی سے کہدو کہ تو میرے بھتیجے کی مدد کے لئے نکلا بھی تو اس کے ملک پر قبضہ کرنے کے لئے، تجھ کو معلوم نہیں کہ میں نے اپنی جان اور حکومت کو خطرہ میں ڈال کر ایک اجنبی شخص حسن بن فیرزان کی بار بار مدد کی، اور کامیابی کے بعد اس کی حکومت اس کے حوالہ کر دی اور اس کے معاوضہ میں ایک درہم کی چیز بھی قبول نہ کی، اپنی فوجیں اور اپنا وزیر بھیج کر ابراہیم بن مرزبان والی آذربیجان کا ملک اسے واپس کرایا، اس سے بھی ایک حبہ نہیں لیا، میں نے اپنی شرافت، نیکنامی اور شجاعت کی بقاء شہرت کے لئے یہ کیا اور تو ایسا ننگ خاندان نکلا کہ مجھ پر اور میرے بھتیجے پر دو درہم کا احسان رکھتا ہے، اور ان غریبوں کی حکومت غضب کرنا چاہتا ہے، اور مجھے ان کے قتل کی دھمکی دیتا ہے، افسوس تیرے باپ نے تو غیروں کے ساتھ احسان کئے اور تو اپنوں کا حق غضب کرتا ہے،

عضد الدولہ کی بغداد سے واپسی اور بختیار کی بحالی

قاصد کو واپس کرنے کے بعد رکن الدولہ نے وزیر ابن العمید سے کہا کہ تم دونوں (ابن العمید اور بختیار) آزاد ہو تمھارے بس میں جو کچھ ہو کر گذرو، میں بھی پوری قوت کے ساتھ تمھارا مقابلہ کروں گا، میں ہرات معز الدولہ

کو خواب میں دیکھتا ہوں، وہ دانتوں میں انگلی دبا کر مجھ سے کہتے ہیں کہ بھائی آپ نے ذمہ داری لی تھی کہ میرے لڑکوں کے معاملات میں میری نیابت کریں گے" رکن الدولہ عرصہ تک سفارت کے جرم میں ابن العمید سے برہم رہا، آخر میں اس نے رکن الدولہ سے معافی چاہ کر وعدہ کیا کہ وہ عضد الدولہ کو فارس لے آئیگا اور بختیار کو عراق واپس دلا دیگا، اور بغداد جا کر عضد الدولہ سے پوری سرگذشت سنا کر حالات کی نزاکت واضح کی، اس وقت عضد الدولہ کو چار و ناچار عراق چھوڑنا پڑا، اور اس نے بختیار کو رہا کر کے اس شرط پر بغداد کی حکومت پر بحال کر دیا کہ اسکی حیثیت عضد الدولہ کے نائب کی رہے گی، اور وہ خطبہ میں اس کا نام لیا کرے گا، اور فوج کی سپہ سالاری بختیار کے بھائی ابو اسحٰق کے متعلق کر کے فارس لوٹ گیا، بختیار میں خود کوئی اہلیت نہ تھی اس لئے حکومت پر اس کا وزیر ابن بقیہ حاوی ہو گیا، یہ بڑا خود غرض اور جاہ پسند تھا، اپنی بد دماغی اور ناپسندیدہ طرز عمل سے پھر بغداد میں شورش پیدا کر دی، اور عضد الدولہ کی واپسی کے بعد ہی اس کا قائم کیا ہوا انتظام درہم برہم ہو گیا، ابن بقیہ کو بختیار پر بھی اعتماد نہ تھا اس نے اس کو قابو میں رکھنے کے لئے اپنی لڑکی شاہ ناز اس کے ساتھ بیاہ دی، اور فوج کو ملا کر حکومت کے محاصل اپنے قبضہ میں کر لئے اور جب فوج اس سے روپیہ کا مطالبہ کرتی تو وہ بختیار کو ملزم بنا کر فوج کو اس کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرتا، لیکن یہ تدبیر کامیاب نہ ہو سکی، اور چند دنوں میں فوج اس کے خلاف ہو گئی، اور اس سلسلہ میں اس کے اور بختیار کے تعلقات کشیدہ ہو گئے،[1]

رکن الدولہ کی وفات

۳۶۵ھ میں رکن الدولہ مرض الموت میں مبتلا ہوا، عضد الدولہ اس وقت فارس میں تھا اس کو خبر ہوئی تو وزیر ابن العمید کے ذریعہ اپنی خطا معاف کرائی اور رکن الدولہ

---

[1] یہ حالات اخصاً تجارب الامم سے ماخوذ ہیں،

نے جمادی الاول ۳۶۵ھ میں اس کو ولیعہد نامزد کر کے اس کے بھائیوں ابو الحسن، فخرالدولہ اور موید الدولہ کو ہمدان اور اصفہان کی حکومت عطا کی، اور ان کو باہم متحد رہنے کی وصیت کر کے محرم ۳۶۶ھ میں انتقال کر گیا، اس وقت ستر سال کی عمر تھی،

رکن الدولہ بڑا جامع اوصاف فرماں روا تھا، اس میں تدبر و سیاست اور محاسن اخلاق تمام خوبیاں جمع تھیں، عدل و انصاف میں بڑا اہتمام تھا، اس کے دور میں کسی فرد پر ظلم نہ ہونے پاتا تھا، اس لئے رعایا میں بہت مقبول و محبوب تھا، حتی الامکان خونریزی سے بچتا تھا، صرف مجبوری کی حالت میں تلوار اٹھاتا تھا، بڑا مخیر و فیاض اور فقرار و مساکین کا ملجا و ماوی تھا، مزاج میں نرمی اور حلم غالب تھا، اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی نرمی کا برتاؤ کرتا تھا، اس کی غیر معتدل نرمی پر اس کے ہواخواہوں نے توجہ دلائی اور مرداویج کی سخت گیری کی مثال پیش کی، اس نے جواب دیا کہ اس کا نتیجہ کیا نکلا، اس کی درشتی کی وجہ سے اس کے خاص آدمی تک اس کے خلاف ہو گئے، اور میرے حلم و نرمی کی وجہ سے مجھ کو کتنی مقبولیت حاصل ہے، اور کیسا پھلا پھولا[1]،

بغداد پر عضد الدولہ کا دوبارہ قبضہ

عضد الدولہ نے محض باپ کے خوف سے بغداد چھوڑا تھا، اس کی موت کے بعد پھر اس میں اور بختیار میں مخالفت شروع ہو گئی، اور بختیار نے حسنویہ کردی، امیر ابو تغلب حمدانی اور عمران بن شاہین وغیرہ امرا کی مدد کے وعدہ پر عضد الدولہ کے مقابلہ کیلئے اٹھ کھڑا ہوا، اس سے عضد الدولہ کو ایک بہانہ ہاتھ آگیا، چنانچہ وہ بھی بختیار کے مقابلہ میں آگیا، حسنویہ کردی اور ابو تغلب نے بختیار کی مدد کا وعدہ پورا نہیں کیا اس لئے اس کی قوت کمزور تھی، چنانچہ ایک ہی معرکہ کے بعد وہ شکست کھا گیا، اور اس کا کل سامان

[1] ابن اثیر ج ۸ ص ۲۲۱ و ۲۲۲،

عضد الدولہ کے قبضہ میں آیا، اور اس نے بصرہ پر قبضہ کر لیا، بختیار واسط چلا گیا اسکے اور ابن بقیہ کے اندرونی تعلقات سخت کشیدہ تھے، عضد الدولہ بھی ابن بقیہ کو ناپسند کرتا تھا، اس لئے واسط جانے کے بعد بختیار نے عضد الدولہ کو خوش کرنے کیلئے ابن بقیہ کو گرفتار اور اس کا مال ضبط کر کے عضد الدولہ کو صلح کا پیام دیا، وہ بھی صلح کے لئے آمادہ ہو گیا لیکن ابھی دونوں میں صلح کی گفتگو ہو رہی تھی کہ حسنویہ کردی کے لڑکے تھوڑی سی فوج لے کر بختیار کی مدد کو پہنچ گئے، اتنا سہارا پاکر اس نے صلح کی گفتگو ختم کر دی اور پھر جنگ کے لئے آمادہ ہو گیا، عضد الدولہ کو اس کی اطلاع ہوئی اور بختیار واسط سے بغداد چلا گیا[۱]،

اسکے بغداد جانے کے بعد عضد الدولہ نے بغداد پر فوج کشی کر دی اور بختیار کو لکھ بھیجا کہ تمھارے حق میں بہتر یہ ہے کہ میری اطاعت قبول کر لو، اور ابو تغلب کی حکومت کے علاوہ اور جس مقام پر قیام پسند کرو عراق چھوڑ کر چلے جاؤ میں تمھاری جملہ ضروریات کی کفالت کروں گا، بختیار اس کی مخالفت پر آمادہ تو ہو گیا تھا لیکن اس میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لئے چار و ناچار اسے ماننا پڑا، اور اس نے اپنے قیام کے لئے شام کو پسند کیا عضد الدولہ نے اس صلہ میں اسے خلعت عطا کیا، اور ابن بقیہ کو جواب تک بختیار کے پاس تھا، مانگ بھیجا، بختیار نے اس کی آنکھیں نکلوا کر عضد الدولہ کے پاس بھجوا دیا، اور عراق چھوڑ کر شام روانہ ہو گیا، عضد الدولہ نے ابن بقیہ کو قتل کر کے اس کی لاش سولی پر آویزاں کرائی،

بختیار کا قتل اور بغداد پر عضد الدولہ کا قبضہ

ابو تغلب والی موصل اور اس کے بھائی حمدان میں مخالفت تھی، حمدان اس کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتا تھا، بختیار جب

[۱] ابن اثیر ج ۸ ص ۲۲۲ و ۲۲۳،

بغداد سے شام روانہ ہوا، تو حمدان اس کے پاس پہنچا، اور موصل کی زرخیزی اور ثروت کی طمع دلاکر اسے شام کے بجائے موصل چلنے کا مشورہ دیا، وہ پھر طمع میں آگیا اور معاہدہ کے خلاف موصل جانے کے لئے آمادہ ہوگیا، ابو تغلب کو اس کی اطلاع ہوگئی اس نے حمدان کے توڑ میں بختیار کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر آپ حمدان کو گرفتار کرکے میرے پاس بھیج دیجئے تو میں آپ کو بغداد کی حکومت واپس دلادونگا، یہ رشوت حمدان کی رشوت سے زیادہ قیمتی تھی، اس لئے بختیار نے حمدان کو گرفتار کرکے اس کو ابو تغلب کے آدمیوں کے حوالہ کردیا، ابو تغلب نے وعدہ پورا کیا، اور بیس ہزار فوج کے ساتھ بغداد پر فوج کشی کی لیکن عضد الدولہ نے آگے بڑھ کر تکریت کے قریب ابو تغلب کو فاش شکست دی، بختیار زندہ گرفتار ہوا، عضد الدولہ نے اسے قتل کرادیا، اس وقت اس کی عمر کل ۳۴ سال کی تھی، بختیار کے قتل کے بعد عضد الدولہ خلافت بغداد کا متولی ہوگیا، اور یہاں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا، بغداد کے اندر خلیفہ کے علاوہ کسی دوسرے کے خطبہ کی یہ پہلی مثال تھی[۱]،

ابو تغلب حمدانی والی موصل کا قتل اور حمدانی حکومت کا خاتمہ

عراق کے اطراف میں متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں جن سے ہر وقت مخالفت کا خطرہ لگا رہتا تھا، اس لئے بغداد پر قبضہ کے بعد عضد الدولہ ان کی طرف متوجہ ہوا لیکن ان واقعات کو خلافت بغداد سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے ان کے صرف مختصر حالات لکھے جاتے ہیں،

ان ریاستوں میں سب سے زیادہ طاقتور اور سب سے زیادہ دیالمہ کی مخالف موصل کی حمدانی حکومت تھی، اس لئے عضد الدولہ نے سب سے اول موصل پر فوج کشی کی کردستان

---

[۱] ابن اثیر ج ۸ ص ۳۲۹

کا علاقہ پہاڑی اور پرپیچ ہے، اس لئے حمدانی اپنے دشمنوں کا کھلے میدان میں مقابلہ کرنے کے بجائے انکو چکمہ دیکر تھکا ڈالتے تھے، یہی تدبیر ابوتغلب نے عضد الدولہ کے مقابلہ میں بھی اختیار کی، لیکن اس نے پہلے سے اس کا انتظام کر لیا تھا، اس لئے ابوتغلب کو اس میں کامیابی نہ ہوئی اور عضد الدولہ نے موصل پر قبضہ کر لیا، اور ابوتغلب کی تلاش میں ہر طرف فوجیں پھیلا دیں، عضد الدولہ عرصہ تک ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتا رہا، لیکن دیلمی فوجوں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا، اور ابوتغلب کو مجبور ہو کر رومی علاقے میں نکل جانا پڑا، اور وہ ورد۵ رومی سے مدد مانگنے پر مجبور ہو گیا، لیکن وہ خود اپنی ذاتی مشکلات میں مبتلا تھا، اس لئے مدد نہ کر سکا، اور ابوتغلب ناکام واپس آیا، اس درمیان میں عضد الدولہ نے میا فارقین اور دیار بکر وغیرہ پر قبضہ کر لیا تھا، اس لئے ابوتغلب نے واپس ہو کر پھر عضد الدولہ سے صلح کی کوشش کی، اس نے جواب دیا کہ بغیر اس کے خود حاضر ہوئے صلح نہیں ہو سکتی، اس پر ابوتغلب آمادہ نہ ہوا اور مایوس ہو کر شام چلا گیا، اس زمانہ میں ایک شخص بسام نے فاطمیۂ مصر کے خلاف دمشق پر قبضہ کر لیا تھا، ابوتغلب نے فاطمی فوج کی مدد سے اس کو یہاں سے نکالنے کی کوشش کی، مگر اس میں بھی اس کو ناکامی ہوئی، اس دوران میں دیار مضر پر بھی عضد الدولہ کا قبضہ ہو گیا، اور یہاں سے حمدانی حکومت ختم ہو گئی اور عضد الدولہ ۳۶۸ھ میں ابوالوفا کو اس کی نگرانی کے لئے چھوڑ کر بغداد لوٹ گیا،

شام میں رملہ کے قریب عرب قبیلہ بنی عقیل کی آبادی تھی، اس کو ایک عرب سردار

۵ یہ ایک رومی بطریق اور فوجی افسر تھا، قیصر ارمانوس کے نابالغ بچے کی حکومت کے زمانہ میں اس نے قسطنطنیہ کی حکومت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن کامیاب نہ ہوا، ابوتغلب نے جس وقت اس سے امداد مانگی ہے اس وقت ورد انہی مشکلات میں مبتلا تھا،

دغفل جو رقہ پر قابض ہوگیا تھا، یہاں سے ہٹانا چاہتا تھا، بنی عقیل ابو تغلب سے مدد کے طالب ہوئے، اس نے اس شرط پر دونوں میں صلح کرادی کہ عزیز باللہ فاطمی والی مصر جو فیصلہ کردے گا، اس کو دونوں فریق مان لیں گے، اس کے بعد وہ بنی عقیل کے یہاں چلا گیا، دغفل اور اس کے دوسرے ساتھی فضل کو شبہہ ہوا کہ ابو تغلب بنی عقیل سے مل کر ان کی آبادی پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، اس لئے وہ ابو تغلب کے مقابلہ میں آگئے، اس وقت بنی عقیل نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا، ابو تغلب نے بھاگ جانا چاہا، لیکن دغفل کے آدمیوں نے اسے گرفتار کر لیا، اور فضل نے اس کو قتل کرا دیا، اس کے قتل کے بعد حمدانی حکومت کا خاتمہ ہوگیا، مشرق میں تنہا یہی عرب حکومت تھی جو عربوں کے نام کو قائم کئے ہوئے تھی، اس لئے وہ ہمیشہ سے عجمیوں کی نگاہ میں کھٹکتی تھی، اور بالآخر دیالمہ کے ہاتھوں اسکا خاتمہ ہوا

دولت حسنیہ کردستان کی اطاعت

آل حمدان کے خاتمہ کے بعد عضد الدولہ کردستان کی حسینی حکومت کی طرف متوجہ ہوا، یہ حکومت ۳۵۰ھ میں قائم ہوئی تھی، اس میں اور بنی بویہ میں پہلے سے کشمکش تھی، اس کا فرمانروا بدر بن حسنویہ کئی بھائی تھے، جو مختلف قلعوں پر قابض تھے، ان میں باہم پھوٹ پڑ گئی، عضد الدولہ نے اس سے فائدہ اٹھا کر ۳۶۹ھ میں سب کے قلعوں پر قبضہ کر لیا، اور بدر کو جو سب میں زیادہ عاقل تھا اپنی جانب سے قلعوں کا حاکم بنا دیا، اس وقت سے یہ حکومت عضد الدولہ کے ماتحت ہوگئی، لیکن چند ہی دنوں کے بعد بدر کے بھائیوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی، عضد الدولہ نے انھیں شکست دے کر بدر کے سوا حسنویہ کی کل اولادوں کو قتل کرا دیا،

ہمدان اور رے پر قبضہ

عضد الدولہ کے بھائی فخر الدولہ والی ہمدان کا رویہ اس کے ساتھ مخالفانہ تھا، اور اس کی اور بختیار کی جنگ میں فخر الدولہ کی ہمدردی بختیار کے ساتھ تھی،

اس لئے آلِ حمدان اور حسینۂ کردستان کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد عضد الدولہ نے پہلے فخر الدولہ کو ایک تادیبی خط لکھا، اس نے اس کا نامناسب جواب دیا، اس لئے عضد الدولہ نے اس پر فوج کشی کر دی، فخر الدولہ میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی، وہ شمس المعالی قابوس بن وشمگیر والی جرجان کے پاس بھاگ گیا، اور عضد الدولہ نے ہمدان پر قبضہ کر لیا، شمس المعالی نے فخر الدولہ کی بڑی پذیرائی کی، اور اپنی حکومت کا ایک حصہ اسکو دیدیا، عضد الدولہ نے رے وغیرہ پر قبضہ کرکے اپنے تیسرے بھائی معز الدولہ کو ہمدان اور رے پر اپنا نائب مقرر کیا، اس کے انتظام سے فراغت کے بعد شمس المعالی کو لکھ بھیجا کہ وہ فخر الدولہ کو اس کے حوالہ کر دے، اور اس کے صلہ میں بعض علاقے اور نقد دینے کا وعدہ کیا، شمس المعالی نے انکار کیا، اس لئے ۱۷۱ھ میں عضد الدولہ نے اپنے بھائی مؤید الدولہ کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا، اس نے شمس المعالی کو شکست دی، اور وہ اپنا مال و متاع لے کر جرجان سے نیشاپور چلا گیا، مؤید الدولہ بھی اس کے تعاقب میں پہنچا، نیشاپور کے سامانی حاکم حسام الدولہ نے امیر نوح بن منصور سامانی کو اطلاع دی کہ فخر الدولہ اور شمس المعالی عضد الدولہ سے شکست کھا کر حصول امداد کے لئے آئے ہیں، اس نے اعزاز و اکرام کے ساتھ دونوں کی میزبانی اور ان کی امداد کا حکم دیا، اور اپنے وزیر ابوالحسین عتبی کو بھی ان کی مدد پر مامور کیا، حسام الدولہ نے جرجان پر فوج کشی کرکے مؤید الدولہ کا محاصرہ کر لیا، کامل دو مہینے جنگ جاری رہی، محاصرہ کی شدت سے جرجان میں سخت قحط پڑ گیا، اور مؤید الدولہ کی فوج بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئی، اس نے باہر نکل کر بڑی پامردی اور شجاعت سے مقابلہ کیا، اس درمیان میں مؤید الدولہ نے سامانی فوج کے بعض امیروں کو ملا لیا تھا، انھوں نے عین موقع پر دھوکا دیا، اس لئے حسام الدولہ

اور فخرالدولہ کو شکست ہوئی، اور وہ نیشاپور لوٹ گئے، امیر نوح سامانی کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے دوبارہ فوج کشی کے لئے اپنی تمام فوجوں کو نیشاپور میں جمع ہونے کا حکم دیا، اس حکم پر ہر طرف سے فوجوں کا سیلاب امنڈ آیا، لیکن فخرالدولہ کی بدقسمتی سے عین اس موقع پر امیر نوح کے وزیر ابوالحسین کے قتل کا واقعہ پیش آگیا، اور خود بخارا میں بدنظمی پیدا ہوگئی، اس لئے امیر نوح نے حسام الدولہ کو وہاں کا نظام قائم کرنے کے لئے واپس بلا لیا، اور یہ مہم ناتمام رہ گئی، [۱]

عضد الدولہ کا انتقال عضد الدولہ عرصہ سے صرع کے مرض میں مبتلا تھا، شوال ۳۷۲ھ میں انتقال کر گیا، لاش بغداد سے نجف لیجا کر حضرت علیؓ کے جوار میں سپرد خاک کی گئی، وفات کے وقت کل ۴۷ سال کی عمر تھی،

اوصاف و کارنامے عضد الدولہ دیلمی خاندان کا گل سرسبد تھا اور بڑا جامع اوصاف فرمانروا تھا، عقل و دانش، تدبیر و سیاست، شجاعت و شہامت، فضل و کمال، علم نوازی، اور علما پروری جملہ اوصاف جہانبانی میں یگانہ تھا، اس نے اپنے دور میں دیلمی حکومت اور خلافت بغداد دونوں کو علمی و تمدنی حیثیت سے بڑی ترقی دی، ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ عاقل، فاضل، مدبر، باہیبت، عالی ہمت، صائب الرائے، فضائل دوست، فضلا نواز، بخشش کے موقع پر فیاض، اور احتیاط کے موقع پر محتاط اور عاقبت اندیش فرماں روا تھا، [۲] ابن خلکان کا بیان ہے کہ ملک کی وسعت، سلاطین اور حکومتوں پر غلبہ اور جاہ و جلال، و عظمت و شان میں وہ پورے دیلمی خاندان میں ممتاز تھا، اس نے بہت سے ملک زیر نگین اور بہت سے فرماں روا مغلوب کئے، تاریخ اسلام میں وہ پہلا فرماں روا ہے جو شہنشاہ کے لقب سے

---

[۱] ابن اثیر ج ۸ ص ۲۳۳ تا ۲۳۵ [۲] ایضاً ج ۹ ص ۷،

ملقب ہوا اور بغداد کے منبروں پر اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا، وہ فاضل اور علماء نواز تھا، بہت سے علوم میں اس کو دستگاہ حاصل تھی، علماء نے اس کے لئے کتابیں اور شعراء نے اس کی شان میں مدحیہ قصائد لکھے، وہ ایک ماہر ادیب اور خوش گو شاعر تھا، ثعالبی نے یتیمۃ الدہر میں اس کے اشعار نقل کئے ہیں[1]،

اپنے باپ اور چچا اور دوسرے حکمرانوں کی متعدد چھوٹی چھوٹی حکومتوں کو ملا کر ایک متحدہ حکومت قائم کر دی، خلافت پر زوال کے ساتھ بغداد اجڑ گیا تھا، اس کی علمی مجلس برہم ہو گئی تھی، عضد الدولہ نے اس کو دوبارہ زندہ کیا، اس کی علم نوازی کی بدولت مختلف ملکوں کے علماء کھنچ کر بغداد میں جمع ہو گئے، اور اس کے نام پر کتابیں لکھیں، چنانچہ نحو میں کتاب الایضاح والتکملہ، قرأت سبعہ میں حجۃ، طب میں ملکی اور تاریخ میں تاجی لکھی گئیں[2]،

رفاہ عام کے بہت سے کام انجام دئے، بغداد مسلسل شورشوں اور سیاسی انقلابات سے اجڑ گیا تھا، اس کو دوبارہ آباد کیا، مدینہ طیبہ کے گرد شہر پناہ تعمیر کرائی، حضرت علیؓ کی قبر کا پتہ چلا کر اس پر عمارت بنوائی، سارے ممالکِ محروسہ میں شفا خانے، پل اور دوسری رفاہ عام کی عمارتیں بنوائیں[3]،

بغداد کا شفا خانہ جو بیمارستان عضدی کے نام سے موسوم تھا، بڑا عظیم الشان تھا، اس کے اخراجات کے لئے ایک خطیر رقم وقف کی، ابن خلکان کا بیان ہے کہ اس سروسامان اور حسن انتظام کا کوئی دوسرا شفا خانہ دنیا میں نہ تھا، اس کے لئے جو آلات اور ساز و سامان فراہم کئے گئے تھے، ان کے اوصاف کے بیان سے قلم قاصر ہے[4]،

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۴۱۶ [2] ابن اثیر ج ۹ ص ۸ [3] ایضاً ص ۹ [4] ابن خلکان ج اول ص۴۱۶،

ہر سال کے آغاز میں صدقہ کے لئے ایک خطیر رقم نکالتا تھا اور اس کو معتبر علماء و قضاۃ کے ذریعہ سارے ممالک محروسہ کے مستحقین میں تقسیم کراتا تھا،[۱]

ان خوبیوں کے ساتھ اس میں بعض عیوب بھی تھے، خونریزی میں بڑا بےباک تھا، اور حصول دولت کے لئے متعدد نئے ٹیکس قائم کئے،[۲]

بارگاہ خلافت سے تعلقات اگرچہ طائع عملاً عضد الدولہ کے ماتحت تھا اور خلافت کا سارا نظام اس کے ہاتھوں میں تھا، لیکن عضد الدولہ نے اس کا ظاہری احترام پورا قائم رکھا تھا، طائع خود اس قدر کمزور بلکہ نااہل تھا کہ تمام اختیارات اس کے حوالہ کر دیئے تھے، اور اسکو اتنا اعزاز بخشا کہ اس سے پہلے کسی متولی خلافت کو نصیب نہ ہوا تھا، ۳۶۷ھ میں بغداد کے منبروں پر اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا،[۳] اور طائع نے اس کو خلعت فاخرہ، جواہر نگار تاج، طلائی طوق اور کنگن اور تلوار سے سرفراز کیا اور نشان امارت کے عام نقرئی علم کے علاوہ جو ہر امیر کو ملتا تھا، ایک خاص طلائی علم عطا کیا، جو ولیعہد کے لئے مخصوص تھا، دستور تھا کہ عہد نامۂ حکومت جو خلیفہ کی جانب سے امراء کو ملتا تھا، اس کو خود امراء خلیفہ کے روبرو پڑھکر اسکی پابندی کا اقرار کرتے تھے، لیکن عضد الدولہ کا عہد نامہ طائع نے اس کے بجائے دوسرے سے پڑھوایا، اس کے پھاٹک پر نوبت بجنے کا امتیاز بخشا جو ولیعہد کو بھی حاصل نہ تھا، ۳۶۹ھ میں ملک العزیز والی مصر کی سفارت کی باریابی کے موقع پر عضد الدولہ کو اپنے سامنے کرسی پر بٹھایا، ۳۷۰ھ میں جب وہ ہمدان سے بغداد آیا تو خلفاء کے دستور کے خلاف طائع خود اس سے ملنے کے لئے گیا،[۴]

عضد الدولہ نے خلفاء میں اپنی نسل کو شامل کرنے کیلئے اپنی لڑکی بھی طائع کو بیاہ دی تھی

۱؎ ابن اثیر ج ۸ ص ۸ ۲؎ دول الاسلام ذہبی ج اول ص ۱۷۹ ۳؎ ابن اثیر ج ۸ ص ۲۲۹ ۴؎ تاریخ الخلفاء ص ۴۱۸ و ۴۱۹

صمصام الدولہ | عضد الدولہ کی وفات کے بعد دیلمی امراء نے اس کے لڑکے ابو کالیجار مرزبان کو اس کا جانشین بنایا اور صمصام الدولہ کا لقب دیا، طائع نے بھی اس کی تصدیق کر دی اور اپنی جانب سے شمس الدولہ کا لقب، سات پارچے کا خلعت اور دو لواء عطا کئے،

صمصام الدولہ کے کئی بھائی تھے، ابو الحسین احمد، ابو طاہر احمد شاہ، شرف الدولہ بہاء الدولہ وغیرہ، اوّل الذکر دونوں صمصام الدولہ کے حامی تھے البتہ شرف الدولہ کی جانب سے اس کو مخالفت کا خطرہ تھا، اس لئے تخت نشینی کے بعد صمصام الدولہ نے ابو الحسین احمد اور ابو طاہر کو فارس کا حاکم بنایا، لیکن ان کے پہنچنے سے پیشتر شرف الدولہ نے اس پر قبضہ کر لیا، اور صمصام الدولہ کا خطبہ بند کر کے اپنے نام کا خطبہ جاری کر دیا، اور تاج الملۃ کا لقب اختیار کیا، صمصام الدولہ نے ابو الحسن حاجب کو فوجیں دے کر اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا، شرف الدولہ نے امیر دبیس کو اس مہم پر مامور کیا، اس نے ابو الحسن کو شکست دیکر گرفتار کر لیا،

موصل پر باز کرد کا قبضہ | ۳۷۳ھ میں ایک حوصلہ مند بہادر کرد ابو عبد اللہ حسین المعروف بہ باز نے جو بنی حمدان کے ننہالی رشتہ داروں میں تھا، ایک جمعیت فراہم کر کے دیار بکر پر قبضہ کر لیا اور پورے موصل پر اس کے قابض ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا، صمصام الدولہ نے اس کے مقابلہ کے لئے یکے بادیگرے دو فوجیں بھیجیں، لیکن باز نے دونوں کو شکست دیکر موصل پر قبضہ کر لیا، اور اس کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ اس نے دیلمیوں کو بغداد سے نکالنے کا ارادہ کیا، اس سے صمصام الدولہ کو بڑا خوف پیدا ہو گیا اور اس نے اپنے سب سے ممتاز فوجی افسر زیار بن شیراکویہ کو ایک جرار لشکر کے ساتھ باز کے مقابلہ کے لئے بھیجا، اس نے باز کو شکست دیکر اس کے بہت سے آدمی گرفتار کر لئے، لیکن باز خود نکل گیا، اور از سرنو مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں، صمصام الدولہ کے حاجب سعد نے ایک آدمی متعین کر کے

اس کو قتل کرانے کی کوشش کی، وہ قتل تو نہ ہو سکا، لیکن سخت زخمی ہو گیا، اگرچہ وہ زخمی ہو گیا تھا، لیکن اس کی قوت کافی مضبوط تھی، اس لئے صمصام الدولہ کو اسے دیار بکر کا علاقہ دیکر اس سے صلح کرنی پڑی، اور اس نے موصل چھوڑ دیا،

اسفار کی بغاوت ۳۷۵ھ میں ایک دیلمی سردار اسفار بن کردویہ صمصام الدولہ کے خلاف شرف الدولہ سے مل گیا اور صمصام الدولہ کی فوج کے ایک حصہ کو ساتھ ملا کر اس کی جگہ شرف الدولہ کی جانب سے بہاء الدولہ کو بغداد میں نائب بنانے کی کوشش کی، صمصام الدولہ نے اسفار کو ملانا چاہا، مگر وہ مخالفت پر قائم رہا، صمصام الدولہ نے طائع کے ذریعہ اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی، مگر وہ درمیان میں نہ پڑا آخر میں اس نے ایک دیلمی سردار فولاد زماندار کو ملا کر اس کے ذریعہ اسفار کو شکست دی اور بہاء الدولہ گرفتار ہوا، لیکن خود اسکا کوئی قصور نہ تھا، اس لئے صمصام الدولہ نے احترام کے ساتھ اس کو نظر بند کر دیا،

صمصام الدولہ کی قید ۳۷۵ھ میں شرف الدولہ اہواز اور ۳۷۶ھ میں واسط پر قبضہ کر کے عراق کی سرحد تک پہنچ گیا، اسی دوران میں صمصام الدولہ کی فوج میں بھی بغاوت ہو گئی، اس لئے وہ شرف الدولہ کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہو گیا، شرف الدولہ نے اسے گرفتار کر کے قید کر دیا اور رمضان ۳۷۶ھ میں خلافت بغداد کی تولیت شرف الدولہ کے ہاتھوں میں آ گئی، صمصام الدولہ کی مدت تولیت چار سال کے قریب تھی،

عضد الدولہ نے حکومت کی جو عظمت و شان قائم کر دی تھی اس کو صمصام الدولہ نہ سنبھال سکا گو خلافت بغداد کے ساتھ بھی اس کے دستوری تعلقات قائم رہے لیکن کوئی نمایاں امتیاز حاصل نہ کر سکا،

شرف الدولہ صمصام الدولہ کی گرفتاری کے بعد طائع نے شرف الدولہ کی حکومت اور

بغداد کی تولیت کی تصدیق کر دی اور معمول کے مطابق خلعت اور تاج سے سرفراز کیا،

ترک اور دیالمہ کی جنگ | شرف الدولہ کی فوج میں ترک اور دیلم دونوں تھے، لیکن دیالمہ کی تعداد غالب تھی اور ان دونوں میں قدیم رقابت چلی آتی تھی شرف الدولہ کے ورود بغداد کے موقع پر دیالمہ نے اپنی کثرت کے بل پر ترکوں پر زیادتی شروع کر دی اور دونوں میں تلواریں نکل آئیں، ترکوں کی تعداد کم تھی اس لئے وہ مغلوب ہو گئے اور دیالمہ نے صمصام الدولہ کو قید سے نکال کر تخت نشین کرنے کا ارادہ کیا، شرف الدولہ نے آدمی مقرر کر دیئے کہ جیسے ہی دیلمی صمصام الدولہ کو نکالنے کا ارادہ کریں اس کو قتل کر دیا جائے لیکن اسکی نوبت نہیں آئی اسی دوران میں ترکوں نے دیالمہ کو مغلوب کر لیا، اس لئے وہ اپنا ارادہ پورا نہ کر سکے، اس کے بعد شرف الدولہ بغداد میں داخل ہوا، طائع نے خود نکل کر اس کا استقبال کیا اور بغداد کے داخلہ پر مبارک باد دی، اس کے جواب میں شرف الدولہ طائع کے سامنے زمین بوس ہوا،

بغداد میں داخلہ کے بعد شرف الدولہ نے ترک اور دیلم میں صلح کرا دی اور دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ دوستی کا عہد کیا، اور صمصام الدولہ کو بغداد سے دور کے قلعہ میں منتقل کر کے اسکی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا دیں اور بغداد کی حکومت کا بگڑا ہوا نظام از سر نو درست کیا، جن جن لوگوں کی جائدادیں ضبط ہوئی تھیں ان کو واگذار کیا، حکومت کے عہدہ داروں کا از سر نو عزل و نصب کیا اور ابو منصور کو خلافت بغداد کی وزارت تفویض کی،

عراق عجم پر بدر بن حسنویہ کا قبضہ | شرف الدولہ کے زمانہ میں بدر بن حسنویہ اس کے خلاف اس کے چچا فخر الدولہ کا طرفدار بن گیا، شرف الدولہ نے امیر قراتگین کو جس سے بغداد کے امرا نالاں

تھے، بدر کے مقابلہ پر مامور کیا، بدر نے اسے شکست دیکر واپس کر دیا، اور عراق عجم کے پورے علاقہ پر قابض ہو گیا، امیر قراتگین نے بغداد واپس آنے کے بعد فوج کو وزیر ابو منصور کے خلاف بھڑکا دیا، شرف الدولہ نے درمیان میں پڑ کر دونوں میں صلح کرا دی، قراتگین بڑا فتنہ پرست تھا، شرف الدولہ نے مجبور ہو کر اسے اور اسکی جماعت کو گرفتار کر کے ان سے روپیہ وصول کیا، قراتگین کی گرفتاری سے فوج میں برہمی پیدا ہو گئی، اسلئے شرف الدولہ نے اس کو قتل کرا دیا،

ابھی شرف الدولہ کی حکومت کو صرف دو سال چند مہینے گذرے تھے کہ جمادی الاول ۳۷۹ھ میں اس کا انتقال ہو گیا، اور اس کی لاش نجف لیجا کر دفن کی گئی، اس کی عمر کل ۲۸ سال اور مدت امارت ۲ سال آٹھ مہینے تھی،

عضد الدولہ کی اولاد میں گو کوئی اس کے درجہ کو نہ پہنچ سکا لیکن شرف الدولہ میں دوسرے بھائیوں کے مقابلہ میں کسی نہ کسی حد تک حکومت کی اہلیت اور اوصاف جہانبانی تھے، اس نے اپنے زمانہ میں بعض مفید کام انجام دئے، بغداد میں مظالم کا انسداد کیا، بعض منصوبہ جائدادیں واپس کیں، علمی مذاق بھی رکھتا تھا، بغداد میں ایک عظیم الشان رصدگاہ تعمیر کرائی[1]

بہاء الدولہ

شرف الدولہ کی وفات کے بعد اس کا بھائی ابو نصر الملقب بہ بہاء الدولہ اس کا جانشین ہوا، طائع نے اس کو سات پارچے کا خلعت، سیاہ عمامہ، طوق اور کنگن عطا کئے، اور بہاء الدولہ اور ضیاء الدولہ کے القاب سے ملقب کیا،

ابو علی بن شرف الدولہ کی مخالفت اور اس کا قتل

شرف الدولہ کے ایک لڑکا ابو علی موجود تھا، اس کو اس نے اپنے مرض الموت میں اپنی بیوی اور زر و جواہر کے ہمراہ ارجان روانہ

---

[1] دول الاسلام ذہبی ج اول ص۱۶۱،

کر دیا تھا، ابوعلی کو راستہ میں باپ کی موت کی خبر ملی یہ خبر سن کر اس نے جملہ ساز و سامان ارجان بھجوا دیا، اور خود بصرہ اور ارجان ہوتا ہوا شیراز کا رخ کیا، ارجان کی ترکی فوج اس کے ساتھ ہوگئی، اور اس نے شیراز کے نگران ابوالقاسم علاء بن حسن کو شیراز حوالہ کرنے کیلئے لکھا، صمصام الدولہ اور اس کا بھائی ابو طاہر شیراز ہی میں قید تھے، اس کے محافظ اسے رہا کرکے سیراف لے گئے، بہت سے دیلمی اس کے ساتھ ہوگئے، اس درمیان میں ابوعلی شیراز پہنچ گیا، یہاں کے دیلمیوں نے اسے پکڑ کر صمصام الدولہ کے حوالہ کر دینے کا ارادہ کیا، لیکن اس میں کامیاب نہ ہوئے اور اس سلسلہ میں ترک و دیالمہ میں جنگ ہوگئی،

یہ صورت دیکھ کر ابوعلی ترکوں کے ساتھ ارجان لوٹ گیا، ترکوں نے دوبارہ شیراز جاکر صمصام الدولہ کا مقابلہ کیا، لیکن کامیاب نہ ہوئے اور شیراز ہوتے ہوئے ارجان واپس آگئے۔ بہاؤالدولہ بھی ابوعلی کو اپنی راہ کا کانٹا سمجھتا تھا، اس لئے اس کا اور صمصام الدولہ کا اختلاف دیکھ کر بڑی شفقت سے ابوعلی کو اپنے پاس بلا بھیجا، وہ اس کے فریب میں آکر چلا آیا، بہاؤالدولہ نے چند دنوں تک اسکی بڑی مدارات کی، پھر قتل کرا دیا،

عراق پر فخرالدولہ کی فوج کشی اور ناکامی

بہاؤالدولہ کے چچا فخرالدولہ کے وزیر ابوالقاسم کی نگاہ عرصہ سے عراق پر تھی، شرف الدولہ کی موت کے بعد اس نے فخرالدولہ کو عراق کا سبز باغ دکھا کر اسے فوج کشی پر آمادہ کر لیا، چنانچہ ۳۷۹ھ میں وہ عراق کی طرف بڑھا، لیکن ابوالقاسم اور فوج کی باہمی بے اعتمادی کی وجہ سے یہ مہم تکمیل کو نہ پہنچ سکی، اور فخرالدولہ ناکام واپس گیا،

بہاؤالدولہ اور صمصام الدولہ میں جنگ اور صلح

شیراز دیالمہ کا مرکز تھا، بہاؤالدولہ یہاں صمصام الدولہ کی حکومت پسند نہ کرتا تھا، اس لئے ۳۷۹ھ میں اس نے فارس پر فوج کشی

کی لیکن دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کو مغلوب نہ کر سکا، اس لئے آپس میں صلح ہو گئی، اس صلح کی رو سے عراق و خوزستان بہاء الدولہ کے قبضہ میں رہا، اور فارس اور ارجان صمصام کے قبضہ میں آئے،

موصل پر آل حمدان کا دوبارہ قبضہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عضد الدولہ نے موصل کی حمدانی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا، ناصر الدولہ حمدانی کے لڑکے ابو طاہر ابراہیم اور ابو عبد اللہ حسین شرف الدولہ کے پاس بغداد میں رہتے تھے، بہاء الدولہ کے زمانہ میں اس سے اجازت لے کر دونوں موصل لوٹ گئے، ان کی واپسی کے بعد فوجی افسروں کو اس غلطی کا احساس ہوا چنانچہ بہاء الدولہ نے خواشاذہ والی موصل کو لکھ بھیجا کہ ان دونوں کو موصل میں داخل نہ ہونے دیا جائے، اس حکم پر اس نے ان کو راستہ سے لوٹ جانے کا حکم دیا لیکن یہ موصل کے قریب پہنچ چکے تھے، ان کی آمد کی خبر سن کر اہل موصل ان کے ساتھ ہو گئے اور موصل کے ترک اور دیالمہ کو لوٹ لیا، دیالمہ نے ان کا مقابلہ کیا، لیکن شکست کھائی اور اہل موصل نے موصل کے سارے ترک اور دیالمہ کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا، لیکن حمدانیوں نے روک دیا، دیالمہ کی شکست کے بعد خواشاذہ موصل چھوڑ کر بغداد چلا گیا،

موصل پر باز کی فوجکشی اور اسکا قتل موصل پر آل حمدان کے قبضہ کے بعد باز کردی والی دیار بکر کو پھر اس کی طمع دامنگیر ہوئی اور اس نے موصل کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ ملا کر فوجکشی کر دی، آل حمدان نے اس کا مقابلہ کیا، باز نے میدان جنگ میں گھوڑا بدلنا چاہا، اتفاق سے گر پڑا اور ہنسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی، اس کا بھانجا ابو علی ساتھ تھا، اس نے گھوڑے پر چڑھانے کی کوشش کی، لیکن باز اتنا زخمی تھا کہ نہ چڑھ سکا، اور اس کی فوج اسکو مقتولوں کے انبار میں چھوڑ کر پہاڑ کے دامن میں چلی گئی، اتفاق سے ایک عرب کی نگاہ باز پر پڑ گئی، اس نے قتل کر دیا،

باذ کے قتل کے بعد اس کے بھانجے ابو علی بن مروان نے اس کے مقبوضات پر قبضہ کر لیا، اس وقت سے دیار بکر میں مروانی حکومت کا آغاز ہوا،

آلِ حمدان کی شکست اور موصل میں عقیلی حکومت کا قیام

باذ کے قتل کے بعد ابو طاہر اور ابو عبد اللہ حمدانی نے دیار بکر پر فوجکشی کر دی، ابو علی نے ان کو شکست دیکر گرفتار کر لیا، پھر والیٔ مصر کی سفارش پر چھوڑ دیا، اور ابو عبد اللہ مصر چلا گیا، اس کو والیٔ مصر نے حلب کا حاکم بنا دیا، جہاں وہ آخر عمر تک رہا، دوسرا بھائی ابو طاہر شکست کھانے کے بعد نصیبین چلا گیا تھا، یہاں کے والی محمد بن مسیب عقیلی نے اس کو اور اس کے لڑکے علی کو پکڑ کر قتل کر دیا اور موصل کے انتظام کے لئے بہاء الدولہ سے آدمی مانگ بھیجا، اس نے ایک شخص کو بھیجدیا لیکن یہ برائے نام حاکم تھا، اصل حکومت محمد بن مسیب کے ہاتھوں میں تھی، جو اسکے بعد موروثی بن گئی اور موصل میں عقیلی حکومت قائم ہو گئی۔

دولت غزنویہ افغانستان کا قیام اور اس کی مختصر تاریخ

طائع کے عہد کا اہم واقعہ افغانستان کی غزنوی حکومت کا قیام ہے، یہ حکومت ماوراء النہر کی سامانی حکومت سے پیدا ہوئی اور رفتہ رفتہ وسط ایشیا سے لیکر ہندوستان تک پھیل گئی،

اس کا بانی امیر سبکتگین ماوراء النہر کی سامانی حکومت کے خراسانی صوبہ دار الپتگین کا غلام تھا کہا جاتا ہے کہ وہ ساسانیوں کی نسل سے تھا سبکتگین جوہر قابل تھا بچپن ہی سے اس میں ترقی کے آثار تھے، اسلئے آقا کی نظر توجہ کا مرکز بن گیا اور اس کے مزاج میں اتنا رسوخ و اعتماد پیدا کر لیا کہ اس نے اس کو غزنیں کی افواج کا سپہ سالار بنا دیا،

عبد الملک سامانی کی وفات کے بعد جب اس کی جانشینی کا مسئلہ پیش ہوا تو امیر الپتگین نے اس کے لڑکے منصور کی نوعمری کی وجہ سے اس کی مخالفت کی لیکن ارکان دولت نے اسی کو تخت نشین کیا، تخت نشینی کے بعد امیر منصور نے الپتگین کو طلب کیا، چونکہ وہ اسکی

مخالفت کر چکا تھا، اس لئے خوف سے اس حکم کی تعمیل نہیں کی اور ۳۵۱ھ میں علم بغاوت بلند کرکے غزنین میں اپنی حکومت قائم کرلی، اس کے خراسان چھوڑنے کے بعد امیر منصور نے ابوالحسن محمد بن ابراہیم کو یہاں کا حاکم مقرر کیا، اس نے دو مرتبہ البتگین پر فوج کشی کی، لیکن دونوں مرتبہ ناکام رہا،

۳۶۵ھ میں امیر البتگین کا انتقال ہوگیا، امیر منصور نے اس کی جگہ اس کے لڑکے ابو اسحٰق کو غزنین کا حاکم بنایا اور وہ سبکتگین کی صلاح و مشورہ سے حکومت کرتا رہا، لیکن چند ہی دنوں کے بعد ابو اسحٰق کا انتقال ہوگیا، اہل غزنین کو سبکتگین کے اوصاف جہانبانی کا تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے ابو اسحٰق کے بعد ۳۶۶ھ میں اُنھوں نے اس کو غزنین کے تخت پر بٹھایا، اس وقت سے غزنوی حکومت کی بنیاد پڑی محمود غزنوی اسی باپ کا نامور فرزند تھا، اس حکومت کی تاریخ ہمارے موضوع سے خارج ہے، دولت عباسیہ کے ساتھ اس کے جو واقعات و حالات پیش آئے وہ اپنے موقع پر آتے رہیں گے[1]

طائع کی گرفتاری بہاء الدولہ کے زمانہ میں دیلمی حکومت کا خزانہ خالی ہوگیا تھا، فوج کو تنخواہ وقت سے نہ ملتی تھی، اس لئے ۳۸۱ھ میں فوج میں روپیہ کے لئے شورش پیدا

---

[1] یہ فارسی مورخین کے بیان کا خلاصہ ہے، ابن اثیر کی تصریحات اس سے کسی قدر مختلف ہیں، یہ حکومت ۳۶۶ھ میں قائم ہوئی اور ۵۸۹ھ میں شہاب الدین غوری کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا، اس مدت میں پندرہ فرماں روا ہوئے، امیر سبکتگین، اسمٰعیل[2] بن سبکتگین، محمود[3] بن سبکتگین، محمد[4] بن محمود، مسعود[5] بن محمود، مودود[6] بن مسعود، علی[7] بن مسعود، عبدالرشید[8] بن محمود، فرخ زاد[9] بن مسعود، ابراہیم[10] بن مسعود، مسعود[11] بن ابراہیم، ارسلان[12] شاہ بن مسعود، بہرام[13] شاہ بن مسعود، خسرو[14] شاہ بن بہرام، ملک[15] شاہ بن خسرو شاہ،

ہوگئی، امیر ابوالحسن بن معلم نے جس کا بہاء الدولہ پر بڑا اثر تھا، اس کو مشورہ دیا کہ طائع کے پاس کافی دولت ہے اگر اس کو گرفتار کر لیا جائے تو اس کی کل دولت ہاتھ آجائے گی، بہاء الدولہ کو روپیہ کی ضرورت تھی، اس لئے وہ اس پر آمادہ ہوگیا، اور تجدید عہد کے بہانے طائع سے باریابی کی اجازت چاہی اس نے دیدی، بہاء الدولہ چند دیلمیوں کو ساتھ لے کر پہنچا، اور زمین بوس ہوکر ایک کرسی پر بیٹھ گیا، دیلمی بھی دست بوسی کے بہانہ آگے بڑھے اور طائع کو تخت سے کھینچ کر نیچے اتار لیا وہ ہر چند فریاد کرتا رہا، لیکن کسی نے شنوائی نہ کی، دارالخلافہ کا کل سامان لوٹ لیا اور طائع کو بہاء الدولہ کے محل میں لاکر خلافت سے معزول کرکے قاہر باللہ کے گھر میں نظر بند کر دیا، نظر بندی کے بعد اس کی راحت و آرام اور عزت و حرمت کا پورا لحاظ رکھا، کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں دی گئی، یہیں ۳۹۳ھ میں اس کا انتقال ہوگیا، اس کی مدت خلافت سترہ سال آٹھ مہینے اور عمر ۷۴ سال تھی،

طائع جسمانی حیثیت سے بڑا قوی اور بہادر تھا، لیکن جہانبانی کی اہلیت نہ تھی، اوس کی قوت اور بہادری کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ اس کے قصر بستان میں ایک پہاڑی مینڈھا مست ہوگیا، کوئی شخص اوس کے پاس جانے کی ہمت نہ کرتا تھا، وہ خود اوس کو قابو میں لانے کے لئے گیا، مینڈھے نے اوس پر حملہ کر دیا، طائع نے بڑھ کر اوس کی دونوں سینگیں پکڑ لیں اور بڑھئی بلاکر آری سے کٹوادیں[1]،

لیکن دماغی قوت اور اوصاف جہانبانی سے محروم تھا، اس کا جو نتیجہ نکلا وہ اس کی معزولی کی نوعیت سے ظاہر ہے، اوس کے زمانہ میں دیالمہ کا اقتدار و استبداد بہت بڑھ گیا اور خلافت کی قوت محض برائے نام رہ گئی،

---

[1] الفخری ص ۲۵۹ و ۲۶۰،

فاطمیۂ مصر گو خلافت کے مدعی تھے، لیکن حرمین میں خلفاے عباسیہ ہی کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، طائع کی کمزوری، ضعف سلطنت اور دیالمہ کی شیعیت سے فائدہ اٹھا کر معز لدین اللہ فاطمی نے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا،[1]

[1] تاریخ الخلفاء، ص ۴۱۶،

ابو العباس احمد بن مقتدر الملقب بہ قادر باللہ

۳۸۱ھ تا ۴۲۲ھ مطابق ۹۹۱ء تا ۱۰۳۱ء

طائع کے بعد مقتدر باللہ کا لڑکا احمد خلیفہ ہوا، یہ ایک لونڈی دمنہ کے بطن سے تھا، طائع کی وفات سے کچھ دنوں پیشتر اس کے خوف سے احمد مہذب الدولہ کے پاس بطیحہ بھاگ گیا تھا اور اس وقت سے وہیں مقیم تھا، طائع کی معزولی کے بعد بہار الدولہ اور دوسرے ارکان سلطنت نے احمد کو بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس لاکر خلیفہ بنایا اور رمضان ۳۸۱ھ میں وہ تخت خلافت پر بیٹھا، اس وقت اس کا چوالیسواں سال تھا،

قادر بڑا مدبر اور بڑے جاہ وجلال کا خلیفہ تھا، اس نے اپنے زمانہ میں عباسی خلافت کا کھویا ہوا اقتدار بڑی حد تک دوبارہ قائم کر دیا،

اس کے دور میں بھی دیالمہ کی خانہ جنگی، دوسری حکومتوں کے ساتھ ان کی لڑائیوں اور غزنوی حکومت کے عروج و ترقی کے واقعات کے سوا خاص عباسی حکومت کے واقعات بہت کم ہیں،

فارس پر بہار الدولہ کا قبضہ

صمصام الدولہ اور بہار الدولہ کی مصالحت و معاہدہ کا حال اوپر گذر چکا ہے بہار الدولہ نے اس کے خلاف ۳۸۳ھ میں فارس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر اس میں کامیاب نہ ہوا اور الٹے خوزستان اس کے ہاتھوں سے نکل گیا، اس کے لئے کئی سال

تک دونوں میں جنگ ہوتی رہی، لیکن بہاء الدولہ اس کو واپس لینے میں کامیاب نہ ہوسکا،

صمصام الدولہ کا قتل اور فارس پر بہاء الدولہ کا قبضہ

۳۸۸ھ میں صمصام الدولہ قتل کر دیا گیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس نے دیالمہ کی ایک جماعت کو فوج سے نکال دیا تھا جس کا کوئی ٹھکانا نہ تھا، اس لئے وہ سرگرداں پھرنے لگی، اتفاق سے اسی زمانہ میں عزالدولہ بختیار کے لڑکے ابو نصر اور ابو القاسم جن کو صمصام الدولہ نے فارس میں قید کر رکھا تھا قید سے نکل گئے اور صمصام الدولہ سے جنگ کی تیاری کرنے لگے، اس کے نکالے ہوئے دیلمی ان دونوں کے ساتھ ہوگئے، اور ابو نصر و ابو القاسم صمصام الدولہ کے مقابلہ کے لئے ارجان پہنچے، صمصام الدولہ کے پاس اس وقت کوئی قوت نہ تھی، اس نے شیراز کے قلعہ میں پناہ لینی چاہی، یہاں کے قلعدار نے نہ گھسنے دیا، اور صمصام الدولہ نے کردوں کے ہمراہ اپنا ساز و سامان لے کر نکل جانا چاہا، کردوں نے بھی دھوکا دیا، اور راستہ میں اس کا سامان چھین لیا، اور صمصام الدولہ جان بچا کر دودمان نکل جانا چاہا، یہاں بھی پناہ نہ ملی، دودمان کے والی طاہر نے گرفتار کر کے ابو نصر کے حوالہ کر دیا، اس نے قتل کر کے فارس پر قبضہ کر لیا، اس وقت صمصام الدولہ کی عمر کل ۳۵ سال اور فارس پر اس کی حکومت کی مدت دس سال کے قریب تھی، طبعًا وہ بڑا شریف اور متحمل مزاج تھا،

صمصام الدولہ کے قتل کے وقت ابو علی بن استاذ ہرمز اس کی جانب سے خوزستان کا حاکم تھا، یہ بڑا بہادر تھا، خوزستان پر قبضہ کے لئے بہاء الدولہ اور ابو نصر و ابو القاسم دونوں نے اس کو ملانے کی کوشش کی، صمصام الدولہ کے زمانہ میں ابو علی ہی نے دونوں بھائیوں کو قید کیا تھا، اسلئے اس کو ان پر اعتماد نہ تھا، چنانچہ بہاء الدولہ صمصام الدولہ کے خون کے انتقام کے نام پر ابو علی کے ملانے میں کامیاب ہوگیا، اور خوزستان اس کے قبضہ میں آگیا، خوزستان کے بعد اس کے وزیر موفق نے ابو نصر اور ابو القاسم کو شکست دیکر فارس پر بھی قبضہ کر لیا،

اور صمصام الدولہ کے قتل کے انتقام میں دو دمان کو لٹوا کر یہاں قتل عام کرایا اور صمصام الدولہ کی لاش یہاں سے لیجا کر اپنے خاندانی قبرستان میں دفن کی،

عمید العراق کے عہدہ کا قیام

بغداد میں دیالمہ کے قیام کی وجہ سے ان کے اصلی مرکز فارس کا انتظام قائم نہیں رہتا تھا، اس لئے خلافت بغداد کے انتظامات کے انصرام کے لئے ۳۸۹ھ میں بہاء الدولہ نے عمید العراق کا عہدہ قائم کیا، اور امیر ابو جعفر حجاج کو اس پر مقرر کرکے خوزستان کو اپنا مستقر بنایا

ابو طاہر کا قتل

۳۹۰ھ میں پھر ابو طاہر نے بہاء الدولہ کے مقابلہ میں فوج کشی کی، اس مرتبہ بھی وہ ناکام رہا موفق نے اسے شکست دی اور خود ابو طاہر کے آدمیوں نے اس کا سر قلم کرکے موفق کے سامنے پیش کیا، بہاء الدولہ نے موفق کی اس کارگذاری کے صلہ میں اس کی بڑی عزت افزائی کی،

بنی عقیل اور دیالمہ کے معرکے

موصل میں دوبارہ عقیلی خاندان کی عرب حکومت کے قیام کا حال اوپر گذر چکا ہے، یہ برائے نام دیالمہ کے مطیع تھے اور ان کا اختلاف برابر ان کے ساتھ قائم رہا محمد بن مسیب عقیلی والی موصل کے انتقال کے بعد ۳۸۶ھ میں اس کی جانشینی کے مسئلہ میں اس کے بھائیوں مقلد اور عقیل میں مخالفت ہو گئی، اس سلسلہ میں ان میں اور بہاء الدولہ میں لڑائیاں بھی ہوئیں، مقلد زیادہ طاقتور تھا، اس لئے آخر میں بہاء الدولہ نے دس ہزار سالانہ پر اس کی حکومت تسلیم کر لی اور حسام الدولہ کا لقب دیا، ۳۹۱ھ میں مقلد کے ترک غلاموں نے اس کو قتل کر دیا، اور اس کا لڑکا قرواش جانشین ہوا، ۳۹۲ھ میں اس نے مدائن پر حملہ کر دیا، عمید عراق ابو جعفر حجاج نے اس کو یہاں سے ہٹا دیا لیکن بنی عقیل، بنی مزید اور بنی اسد نے مل کر ترک و دیالمہ کو شکست دی، اور ان کو بے دریغ قتل و گرفتار کیا، ابو جعفر نے بڑی مشکلوں سے ان کو شکست دے کر منتشر کیا، ۴۰۱ھ میں بنی عقیل نے دیالمہ

کی مخالفت میں قادر باللہ کا خطبہ بند کر کے قائم بامر اللہ فاطمی کا خطبہ جاری کر دیا، بہار الدولہ نے عمید الجیوش کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا، لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی اور قراوش نے معذرت کر کے خطبہ جاری کر دیا،

ابو العباس کی بغاوت اور قتل | ۳۹۴ھ میں ابو العباس بن واصل کا ہنگامہ بپا ہوا، یہ ابتدا میں بہت معمولی شخص تھا، مختلف امراء کے درباروں میں ہوتا ہوا مہذب الدولہ والی بطیحہ کے یہاں پہنچا اور اس کے مزاج میں اتنا رسوخ و اعتماد حاصل کر لیا کہ وہ بڑی بڑی مہمیں اس کے سپرد کرنے لگا، جب اس کی قوت کافی بڑھ گئی تو اس نے خود مہذب الدولہ کو بطیحہ سے نکال دیا، اور بصرہ پر بھی قابض ہو گیا، یہ نئی قوت دیالمہ کے لئے خطرہ سے خالی نہ تھی، بہار الدولہ نے عمید الجیوش کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا، اس نے ابو العباس کو شکست دیکر اس کے خزانہ پر قبضہ کر لیا،

اہل بطیحہ ابو العباس کے خلاف تھے، اسکی غیر حاضری میں انھوں نے اس کے نائب کو بطیحہ سے نکالدیا، اور مہذب الدولہ کو بطیحہ واپس مل گیا،

ابو العباس اسوقت خوزستان پر فوج کشی کی تیاری میں مشغول تھا، اس لئے بطیحہ کی جانب اس نے توجہ نہ کی اور خوزستان پر حملہ کر کے اہواز پر قبضہ کر لیا، لیکن بہت جلد بہار الدولہ نے اس کو یہاں سے نکال دیا اور اپنے وزیر ابو غالب کو بھیجکر اس کے مرکز بصرہ پر قبضہ کر لیا، ابو العباس نے اپنے معاون بدر بن حسنویہ کے پاس کردستان نکل جانا چاہا، ایک دیلمی افسر ابو الفتح نے راستہ میں گرفتار کر کے عمید الجیوش کے پاس بھجوا دیا، اس نے قتل کرا دیا، اس طرح اس نئی قوت کا خاتمہ ہو گیا،

بہار الدولہ کا انتقال | ۴۰۲ھ میں ارجان میں بہار الدولہ کا انتقال ہو گیا، لاش مشہد لیجا کر

اس کے باپ کے پہلو میں دفن کی گئی، وفات کے وقت کل بیالیس سال کی عمر تھی، مدت حکومت چوبیس سال، اس میں کوئی قابل ذکر خصوصیت نہ تھی،

سلطان الدولہ بہاء الدولہ کے بعد اس کا لڑکا ابو شجاع سلطان الدولہ تخت نشین ہوا، اور اپنے ایک بھائی ابو طاہر جلال الدولہ کو بصرہ کا اور دوسرے بھائی ابو الفوارس کو کرمان کا حاکم بنایا اور ابو محمد حسن بن سہلان کو نائب السلطنت کے عہدہ پر مامور کیا،

ابو الفوارس کی بغاوت اور اطاعت چند ہی دنوں کے بعد دیالمہ نے ابو الفوارس کو سلطان الدولہ کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا، اور اس نے شیراز پر قبضہ کر لیا، لیکن سلطان الدولہ نے بہت جلد اسکو نکال دیا، اور ابو الفوارس کرمان چلا گیا، سلطان الدولہ نے یہاں بھی اسے ٹکنے نہ دیا اور ابو الفوارس نے بست جاکر سلطان محمود غزنوی کے دامن میں پناہ لی، اس نے عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا، اور امیر ابو سعید طائی کو فوجیں دیکر اس کی مدد کے لئے بھیجا، اس وقت سلطان الدولہ کرمان سے واپس جا چکا تھا، اس لئے ابو الفوارس نے کرمان اور اس کے بعد شیراز پر قبضہ کر لیا، سلطان الدولہ فوراً واپس آیا، اور ابو الفوارس کو شکست دے کر دوبارہ شیراز سے نکالا، اور ۴۰۴ھ میں وہ باحال تباہ کرمان لوٹ گیا، سلطان الدولہ نے کرمان پر بھی قبضہ کر لیا، ابو الفوارس کا رویہ ابو سعید غزنوی کے ساتھ نامناسب رہا تھا، اس لئے دوبارہ اس کو محمود غزنوی کے پاس جانے کی جرأت نہ ہوئی، اور وہ مہذب الدولہ کے پاس بطیحہ چلا گیا، اس نے عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا، چند دنوں کے بعد سلطان الدولہ نے اس کی خطا معاف کر کے کرمان کا حاکم بنا دیا،

عراق پر مشرف الدولہ کا قبضہ ۴۱۱ھ میں بغداد کی فوج سلطان الدولہ کے خلاف ہو گئی وہ در پردہ اس کے بھائی مشرف الدولہ کی حامی تھی، اسی زمانہ میں سلطان الدولہ نے واسط جانے کا ارادہ کیا، فوج نے اس شرط پر جانے کی اجازت دی کہ وہ اپنے بھائی یا لڑکے کو

بغداد ہی چھوڑنا جائے، اس لئے اسے مجبوراً مشرف الدولہ کو چھوڑنا پڑا، لیکن بغداد سے نکلتے ہی اس نے ابو محمد حسن بن سہلان کو مشرف الدولہ کو نکالنے کے لئے بھیجا، مشرف الدولہ نے اس کو شکست دے کر واسط پر قبضہ کر لیا، یہاں کے دیلمی بھی اس سے مل گئے، اس سے اسکی عظمت و شان بہت بڑھ گئی، سلطان الدولہ اس وقت اہواز میں تھا، اس میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس لئے وہ اہواز چھوڑ کر ارجان چلا گیا، اور عراق و خوزستان میں مشرف الدولہ کی حکومت قائم ہو گئی، ۴۱۳ھ میں دونوں میں مصالحت ہو گئی، اس کی رو سے عراق کا علاقہ اور خلافت بغداد کی تولیت مشرف الدولہ کے ہاتھوں میں آئی اور فارس و کرمان کی موروثی حکومت سلطان الدولہ کے حصہ میں رہی،

شوال ۴۱۵ھ میں سلطان الدولہ کا اور ربیع الاول ۴۱۶ھ میں مشرف الدولہ کا انتقال ہو گیا، عراق میں مشرف الدولہ کی مدت حکومت کل ۵ سال تھی، وہ بڑا نیک سیرت، عادل اور خوبیوں کا فرمان روا تھا،

جلال الدولہ سلطان الدولہ کی وفات کے بعد فارس میں اس کا لڑکا ابو کالیجار تخت نشین ہوا، اور عراق میں مشرف الدولہ کے بعد اسکے دوسرے بھائی جلال الدولہ نے اسکی جگہ لی،

۴۱۹ھ میں ترکوں نے جلال الدولہ کے خلاف سخت بغاوت کی، اس کا اور اس کے تمام وابستگان دولت کے گھر اور ٹکسال لوٹ لی، اور جلال الدولہ کا محاصرہ کر کے اس کا دانہ پانی بند کر دیا، اس نے بغداد چھوڑ کر نکل جانا چاہا، ترک اس میں بھی حائل ہوئے لیکن پھر عوام کی دست اندازی سے رک گئے، اور قادر نے دونوں میں صلح کرا دی لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد پھر ترکوں نے تنخواہ کے لئے شورش بپا کی، جلال الدولہ کے پاس روپیہ نہ تھا، اس نے گھر کا اثاثہ اور ساز و سامان بیچ کر مطالبہ پورا کیا،

اسی سنہ میں بصرہ کے ترک اور دیالمہ میں تصادم ہوگیا، جلال الدولہ کے لڑکے ابومنصور عزیز والی بصرہ نے دونوں میں صلح کرانے کی کوشش کی، اس پر ترک اور بگڑ گئے، اور ابوکالیجار کی حمایت پر آمادہ ہو گئے، ابوکالیجار نے ان کی مدد سے ابومنصور کو بصرہ سے نکال کر اس پر قبضہ کرلیا، ابومنصور واسط چلا گیا، . . . .

جلال الدولہ کو اسکی خبر ہوئی تو اس نے اہواز پر فوج کشی کردی، اس وقت ابوکالیجار واسط میں تھا، اس لئے جلال الدولہ نے اہواز کو لوٹ کر ابوکالیجار کی بیوی بچوں کو گرفتار کرلیا، یہ خبر سن کر وہ اہواز پہنچا، جلال الدولہ نے اسے بھی شکست دی اور واسط پر قبضہ کرتا ہوا بغداد لوٹ گیا،

واسط پر قبضہ کے بعد جلال الدولہ نے اپنے وزیر ابوعلی کو بطیحہ اور بصرہ روانہ کیا، اس نے بطیحہ پر آسانی کے ساتھ قبضہ کرلیا، لیکن بصرہ کی مہم میں شکست کھائی اور گرفتار کرکے ابوکالیجار کے سامنے بیجا پا گیا، اس نے معاف کردیا لیکن خود ابوعلی کے غلام نے اس کا خاتمہ کردیا، ابوعلی کے قتل کے بعد جلال الدولہ نے بصرہ پر قبضہ کرلیا،

قادری دور کے واقعات میں ماوراء النہر کی سامانی حکومت کا خاتمہ اور افغانستان کی غزنوی حکومت کا عروج دو اہم اور قابلِ ذکر واقعے ہیں، اسکی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے، اجمالی حالات یہ ہیں،

امیر سبکتگین غزنوی کی فتوحات | غزنوی حکومت کے قیام کا حال اوپر گذر چکا ہے، امیر سبکتگین کی شجاعت و ناموری کا شہرہ اتنا پھیل چکا تھا کہ آس پاس کے چھوٹے چھوٹے حکمراں اپنی مشکلات میں اسکی جانب رجوع کرنے لگے تھے، اسی زمانہ میں بست کے حکمراں طغان کی حکومت پر ایک شخص ابوثور نے قبضہ کرلیا تھا، اس نے امیر سبکتگین سے مدد کی درخواست کی، سبکتگین نے

ابو ثور کو نکال کر بست طغان کو واپس دلا دیا، اور طغان اس کی ماتحتی میں آگیا، غزنین کے قریب قصدار کا قلعہ نہایت سنگین اور یہاں کا قلعدار بڑا سرکش تھا، امیر سبکتگین نے اسے مغلوب کر کے خراج وصول کیا اور اس سے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا،

ہندوستان پر سبکتگین کا حملہ اس وقت تک مسلمانوں کے قدم سندھ کے آگے نہ بڑھے تھے، ۳۶۶ھ میں امیر سبکتگین نے خیبر کی سمت سے ہندوستان پر پہلا حملہ کیا اور چند قلعے فتح کر کے غزنین لوٹ گیا پنجاب اور کشمیر کا راجہ جیپال نے اس کے مقابلہ کی تیاری کی، اس کی تیاری کی خبر سنکر امیر سبکتگین دوبارہ ہندوستان پہنچا اور کابل و پشاور کے درمیان لمغان کے میدان میں دونوں کا مقابلہ ہوا، یہ سردی کا موسم تھا، بڑی شدت کی برفباری ہوئی، ہندوستانی اس کے عادی نہ تھے، ہزاروں آدمی اور جانور لقمۂ اجل ہو گئے، اس لئے جیپال کو مجبور ہو کر صلح کی درخواست کرنی پڑی، اور خراج اور ہدایا و تحائف کے وعدہ پر مصالحت ہو گئی، لیکن لاہور واپس جانے کے بعد جیپال وعدہ سے پھر گیا، اور خراج کی رقم نہ بھیجی، اس لئے سبکتگین نے دوبارہ فوج کشی کی، جیپال میں تنہا اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس نے اس جنگ کو ہندوستان کی حفاظت کا سوال بنا کر کالنجر، اجمیر اور قنوج کے راجاؤں سے مدد مانگی، ان سب نے اپنی اپنی فوجیں بھیجیں اور جیپال نے متحدہ طاقت سے سبکتگین کا مقابلہ کیا، لیکن کثرت تعداد کے باوجود شکست کھائی، اور سبکتگین نے دریائے اٹک تک اس کی مملکت پر قبضہ کر لیا، اور پشاور میں فوجی چھاؤنی قائم کر کے غزنین لوٹ گیا،[۱]

سامانیہ ماوراء النہر کے دور زوال میں اس کے امراء میں خودسری پیدا ہو گئی تھی، اور حصول اقتدار کے لئے ان میں باہم رشک و رقابت کا بازار گرم رہتا تھا، چنانچہ امیر نوح سامانی کے زمانہ میں اس کے ایک عہدہ دار عماد الدولہ ابو علی نے جیحون کے اس پار کے

[۱] تاریخ فرشتہ صـ۱۹ ملخصاً،

تمام سامانی مقبوضات پر قبضہ کرکے خالصہ شاہی پر بھی دست درازی شروع کردی ایک دوسرا امیر فائق انخاصہ بھی مخالفت پر آمادہ ہوگیا، یہ حالات دیکھ کر سامانیوں کے پرانے حریف ایلک خاں فرماں روائے ترکستان نے سامانیہ کے پایہ تخت بخارا پر قبضہ کرلیا، اور نوح کو یہاں سے بھاگنا پڑا، لیکن اس کی خوش قسمتی سے چند ہی دنوں کے بعد ایلک خاں بیمار ہوکر لوٹ گیا اور امیر نوح پھر بخارا واپس آگیا،

ابوعلی برابر مخالفت پر قائم رہا، امیر نوح نے ہر چند اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ باز نہ آیا، آخر میں امیر نوح نے اپنے قدیم نمکخوار امیر سبکتگین والی غزنہ کی جانب رجوع کیا، اس نے ۳۸۴ھ میں ابوعلی پر فوج کشی کرکے اسے فاش شکست دی، امیر نوح نے اس کارگذاری کے صلہ میں سبکتگین کو ناصر الدین والدولہ اور اس کے لڑکے محمود کو سیف الدولہ کا لقب عطا کیا،

ابوعلی کو شکست دینے کے بعد سبکتگین اپنے لڑکے محمود کو خراسان کے انتظام کے لئے چھوڑ کر خود غزنہ لوٹ گیا، اس کی واپسی کے بعد ابوعلی نے امیر فائق کو ساتھ لے کر خراسان پر فوج کشی کردی لیکن محمود نے اسے شکست دی، اور وہ مختلف مقاموں پر پھرتا پھرتا ہوا آخر میں گرفتار ہوا، اور ۳۸۷ھ میں سبکتگین نے اسے قتل کرادیا[1]،

امیر نوح سامانی اور امیر سبکتگین کا انتقال

اسی سنہ میں امیر نوح اور امیر سبکتگین دونوں کا تھوڑے وقفہ سے انتقال ہوگیا، نوح کی جگہ اس کا لڑکا منصور تخت نشین ہوا، محمود باپ کی وفات کے وقت نیشاپور میں تھا، اس لئے غزنیں کا تخت اس کے چھوٹے بھائی اسمٰعیل نے حاصل کرلیا،

یہ عمر اور تجربہ دونوں میں محمود سے کم تھا، اس لئے حکومت کو نہ سنبھال سکا،

---

[1] یہ حالات مختصراً زین الاخبار گردیزی ص ۵۳ تا ۵۸ سے ماخوذ ہیں،

اور فوج اس کے قابو سے باہر ہوگئی، محمود نے اس کو لکھ بھیجا کہ والد مرحوم کے بعد تم مجھ کو سب سے زیادہ عزیز ہو، میں تمھاری ہر خواہش کو پورا کرونگا، لیکن سلطنت کی بقا و تحفظ کے لئے عمر، تجربہ اور امور مملکت سے واقفیت ضروری ہے، اگر یہ اوصاف تم میں موجود ہوتے تو میں سب سے پہلے تمھاری حکومت تسلیم کر لیتا، والد نے میری عدم موجودگی میں تم کو محض اسلئے نامزد کر دیا تھا، کہ میں ان کی وفات کے وقت غزنین سے دور تھا، اور اس کی حفاظت کے لئے کسی کا نامزد کرنا ضروری تھا، اب حق و انصاف کا تقاضا یہ ہو کہ تم والد کی میراث کو شرع شریف کے مطابق تقسیم کرو، غزنین کو جو ہمارا مولد و منشا ہے میرے حوالہ کر دو، میں بلخ کی ولایت خرخشوں سے پاک کر کے تم کو دیدونگا، اسمٰعیل نے اسے نہ مانا، اس لئے محمود نے ۳۸۸ھ میں فوج کشی کر کے اسمٰعیل کو شکست دی، اور اس کو جرجان کے قلعہ میں نظر بند کر کے اس کی راحت و آسایش کے جملہ سامان فراہم کر دیئے جہاں وہ آخر عمر تک نظر بند رہا، (فرشتہ ج اول ص ۲۳)

سامانیہ کا خاتمہ ادھر خراسان میں محمود کی عدم موجودگی میں امیر بکتوزون نے نیشاپور پر قبضہ کر لیا تھا، اس لئے اسمٰعیل سے فراغت کے بعد محمود پھر نیشاپور واپس گیا، بکتوزون میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس نے نیشاپور چھوڑ دیا، امیر منصور محمود کی طرف مائل تھا، اس لئے بکتوزون اور فائق خاصہ نے اسے ۳۸۹ھ میں اندھا کر کے معزول کر دیا، اور اسکے بھائی عبد الملک کو تخت نشین کیا،

محمود کو اس کی اطلاع ہوئی تو ان دونوں سے انتقام لینے کے لئے تیار ہوگیا، لیکن اُنھوں نے ہرات اور بلخ کا علاقہ دے کر صلح کر لی، لیکن چند ہی دنوں کے بعد بعض اختلافات کی بنا پر محمود کے بھائی نصر نے بکتوزون پر حملہ کر دیا، وہ شکست کھا کر بحال تباہ بخارا چلا گیا، اور فائق کا ۳۸۹ھ میں انتقال ہوگیا، ایلک خاں تاک میں لگا ہوا تھا، وہ عبد الملک

کی مدد کے بہانہ سے بخارا پہنچا اور عبد الملک اور اس کے بھائیوں کو گرفتار کر کے بخارا پر قبضہ کر لیا[1]،

عبد الملک کا ایک بھائی اسمٰعیل کسی طرح قید سے نکل گیا، سامانی امرا، اور فوجیں جو عبد الملک کی گرفتاری کے بعد منتشر ہو گئی تھیں اسمٰعیل کے پاس جمع ہو گئیں، اس نے انکی مدد سے ایک مرتبہ ترکمانوں کو بخاری سے نکال دیا، لیکن اب سامانی حکومت کی قوت ختم ہو چکی تھی، یہ قبضہ محض چراغ سحری کا آخری سنبھالا تھا، ایلک خاں نے بہت جلد دوبارہ بخارا پر قبضہ کر لیا، اور اسمٰعیل کئی سال تک مختلف قوتوں سے جنگ کرتا اور ادھر ادھر مارا مارا پھرا رہا، کہیں اس کو پناہ نہ ملتی تھی، جس کے حدود میں قدم رکھتا تھا کوئی اس کو ٹکنے نہ دیتا تھا، آخر میں مایوس ہو کر ۳۹۴ھ میں ماوراء النہر کا رخ کیا، اسکی سرگردانی و پریشانی دیکھ کر اس کے ساتھیوں نے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی، اور ایک عرب قبیلہ نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا، اس کے قتل کے بعد سامانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا[2]،

| غزنویوں کا عروج | سامانیوں کے زوال کے ساتھ ہی ساتھ غزنویوں کی نئی قوت برابر ترقی

کرتی رہی، خراسان پر محمود کے قبضہ اور اس کے بھائیوں اسمٰعیل کی شکست کے بعد ہی ۳۸۹ھ میں قادر باللہ نے محمود کی حکومت تسلیم کر لی تھی، اور اس کو خراسان کی حکومت کا پروانہ لوا، خلعت اور یمین الدولہ امین الملت ولی امیر المومنین کے القاب عطا کئے تھے[3]، اس نے کامل پینتیس سال تک بڑے جاہ و جلال کی حکمرانی کی، فتح و ظفر اس کے ہمرکاب تھی کبھی کسی مہم میں ناکام نہ ہوا، اور ترکستان سے لے کر شمالی مغربی ہند تک نہایت طاقتور حکومت قائم کر دی، اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے، مختصر حالات یہ ہیں،

[1] زین الاخبار گردیزی ص ۵۸ تا ۶۰ [2] ابن اثیر ج ۹ ص ۵۵ [3] زین الاخبار گردیزی ص ۶۲،

سب سے اول سامانیہ کے خاتمہ کے بعد ان کے مقبوضات کو ان کے عمال کے ہاتھوں سے چھڑایا، چنانچہ ۳۹۳ھ میں سیستان کو خلف بن احمد سامانی کے قبضہ سے نکالا، اور اس سے اطاعت کا وعدہ لے کر جوزجان کا علاقہ اسے دیدیا،[1]

ماوراء النہر پر ایلک خاں کے قبضہ کے بعد جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، اس میں اور محمود میں صلح ہو گئی تھی، اور دریائے جیحوں دونوں کی سرحد قرار پایا تھا[2]، ۳۹۶ھ میں جب محمود ہندوستان کی مہم میں مصروف تھا تو ماوراء النہر کے ترکمانوں نے حملہ کر کے نیشاپور اور ہراۃ پر قبضہ کر لیا، یہ خبر سن کر محمود فوراً واپس آیا، ترکمانوں نے نکل جانا چاہا، لیکن غزنوی حاکم ارسلان جاذب نے ناکہ بندی کر کے انھیں بری طرح قتل و گرفتار کیا، کچھ دریا میں ڈوب کر مرے، بقیۃ السیف ماوراء النہر واپس جا کر ایلک خاں سے مدد کے طالب ہوئے، پہلے اس نے انھیں ملامت کی، لیکن پھر معاہدہ کے خلاف ان کی حمایت میں چالیس ہزار فوج لے کر محمود کے مقابلہ میں آیا، محمود نے اسے نہایت فاش شکست دی[3]، ابن اثیر کا بیان ہے کہ ایلک خاں نے خود خراسان پر حملہ کیا تھا،

غزنوی حکومت کے پڑوس میں غور کے جرائم پیشہ قبائل آباد تھے، ۴۰۱ھ میں محمود نے ان پر حملہ کیا اور ان کے سردار ابن سوری کو شکست دے کر ان کے مرکز آہنگران پر قبضہ کر لیا، ابن سوری نے اس غم میں خودکشی کر لی، اور غور کا علاقہ محمود کے قبضہ میں آگیا، غوری بالکل وحشی تھے، محمود نے انھیں مسلمان بنا کر ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا[4]، ۴۰۳ھ میں گرجستان کو فتح کیا،

۴۰۷ھ میں اہل خوارزم نے اپنے فرماں روا ابو العباس مامون کو جو محمود کا حقیقی بہنوئی تھا، قتل کر دیا، محمود نے اس کے خون کا انتقام لینے کے لئے فوجکشی کی، خوارزمیوں نے پوری قوت سے اس کا مقابلہ کیا، محمود نے انھیں شکست دے کر ان کے سپہ سالار الپتگین

---

۱ زین الاخبار گردیزی ص ۶۶ ۲ ابن اثیر ج ۹ ص ۶۵ ۳ زین الاخبار ص ۶۸-۶۹ ۴ ابن اثیر ج ۹ ص ۷۶،

بخاری کو گرفتار کر لیا، اور خوارزم پر قبضہ کرکے اپنے حاجب التونتاش کو یہاں کا حاکم بنایا[1]

فخر الدولہ دیلمی والی رے کے بعد اس کا چار سالہ لڑکا ابو طالب مجد الدولہ اپنی ماں کی تولیت میں تخت نشین ہوا تھا، اس کی پرورش نسوانی ماحول میں ہوئی تھی اس لئے سن شعور کو پہنچنے کے بعد بھی وہ امور جہانبانی سے محروم رہا تھا، اس کا سارا وقت عورتوں کی صحبت یا کتب بینی میں صرف ہوتا تھا، حکومت کی باگ اس کی ماں ہی کے ہاتھوں میں رہی، اور خود اسکو کوئی تجربہ نہ ہوسکا، اس لئے ماں کی موت کے بعد وہ حکومت کو نہ سنبھال سکا، اور فوج اس کے قابو سے باہر ہوگئی[2]،

ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس نے مجبور ہوکر محمود سے مدد طلب کی اس نے علی حاجب کو روانہ کیا اور خفیہ مجد الدولہ کو گرفتار کرلینے کی ہدایت کی، لیکن گردیزی میں مجد الدولہ کی طلب امداد کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، اس کے بیان کے مطابق مجد الدولہ کی نااہلی اور کمزوری کو دیکھکر محمود نے خود علی حاجب کو بھیجا، مجد الدولہ یہ سمجھ کر کہ محمود خود آیا ہے، اس کے استقبال کو نکلا، علی نے اسے گرفتار کرکے محمود کو اس کی اطلاع دی، وہ فوراً رے پہنچا اور بغیر کسی کشت و خون کے رے پر اس کا قبضہ ہوگیا، اور دیلمی خاندان کی بے اندازہ دولت اسکے ہاتھ میں آئی[3]،

مغربی سمت میں غزنوی حکومت کے حدود خراسان اور خوارزم سے آگے نہ بڑھے تھے اتفاق سے ترکستان کا ایک فرماں روا علی تگین بڑا جابر و ظالم تھا، اس کے مظالم سے تنگ آکر اسکی رعایا نے سلطان محمود سے فریاد کی، اس تقریب سے ۴۱۶ھ میں اس نے جیحوں کو عبور کرکے ترکستان کی سرزمین میں قدم رکھا، اس کی آمد سے یہاں کے فرماں رواؤں میں ہلچل مچ گئی، امیر چغانیاں اور دوسرے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں نے اس کی خدمت میں

---

[1] زین الاخبار ص ۷۳ و ۷۴ [2] ابن اثیر ج ۹ ص ۱۲۸ [3] زین الاخبار ص ۹۰ و ۹۱

حاضر ہو کر سر اطاعت خم کیا، یوسف قدر خاں فرماں روائے ختن جو ترکستان کے فرمانرواؤں میں سب سے زیادہ بلند مرتبہ اور ان سب کا سردار تھا، محمود کی ملاقات کے لیے کاشغر سے سمرقند آیا، دونوں بڑے لطف و مدارات کے ساتھ ایک دوسرے سے ملے، محمود نے اسکے اعزاز میں بڑی پرتکلف دعوت کی اور بہت سے قیمتی ہدایا و تحائف اس کو دیئے، اس کے جواب میں قدر خاں نے بھی ترکستان کی قیمتی اور نادر چیزیں اسکی خدمت میں ہدیۃً پیش کیں، اور دونوں لطف و محبت کے ساتھ ایک دوسرے سے رخصت ہوئے[۱]،

علی تگین جس کی تنبیہ کے لئے محمود نے ترکستان کا سفر کیا تھا کہیں روپوش ہو گیا تھا، اور باوجود تلاش کے اس کا پتہ نہ چل نہ سکا، اس لئے محمود نے اس کے اہل و عیال کو گرفتار کرا لیا، اور ۴۱۶ھ میں غزنین واپس گیا،

تاریخ میں محمود کا نام زیادہ تر ہندوستان کی فتوحات کی وجہ سے روشن ہے لیکن اسکی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے، یہ حالات انشاءاللہ تاریخ اسلام کے کسی اور حصہ میں آئیں گے، اس نے ہندوستان پر سولہ یا سترہ حملے کئے، اور راجہ انند پال والی پنجاب اور قنوج، میرٹھ، کالنجر، متھرا، مالوہ، اجمیر، گوالیار، اور گجرات کے راجاؤں کی متحدہ فوجوں کو شکست دے کر پنجاب پر قبضہ کیا اور اپنے نامور غلام ایاز کو یہاں کا حاکم بنایا، پھر چند برسوں میں کشمیر، قنوج، کالنجر، کوہ بالاناتھ، گوالیار اور گجرات کے راجاؤں کو مطیع بنایا، سندھ، پشاور سے لیکر پنجاب تک زیر نگیں کر لیا، ان فتوحات میں سب سے زیادہ اہم فتح سومنات کی شمار کی جاتی ہے، جو ۴۱۶ھ میں ہوئی،

محمود ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا، اس نے باطنیوں کا جنھوں نے مسلمانوں پر

---

[۱] گردیزی نے اسکی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے، ملاحظہ ہو ص ۸۱ تا ۸۴،

بڑی آفت ڈھا رکھی تھی، زور توڑنے کی کوشش کی، چنانچہ رے اور نواح رے کے بہت سے باطنیوں کو قتل کیا، اور پکڑ کر خراسان بھجوایا، سندھ اور ملتان میں بھی باطنیوں کا استیصال کیا

محمود اور خلافت بغداد کے تعلقات

خلافت بغداد کی دینی مرکزیت ہر دور میں قائم رہی اور عباسی خلفاء کی تصدیق و اجازت نامہ کے بغیر کوئی نئی حکومت باقاعدہ حکومت تسلیم نہ کیجاتی تھی اس لئے مشرق کی نومولود حکومتوں کے حکمراں خواہ بطیب خاطر، خواہ سیاسی مصلحت کی بنا پر خلافت بغداد کی سیادت ماننے اور اس سے تعلق قائم رکھنے پر مجبور تھے، اس لئے خراسان پر قبضہ اور اسمٰعیل کو شکست دینے کے بعد ۳۸۹ھ میں محمود نے بھی قادر باللہ سے خراسان اور دوسرے مقبوضات کے صداقت نامہ اور فرمان حکومت کی درخواست کی، اس کی درخواست پہنچ چکا کہ اوپر گذر چکا ہے قادر باللہ نے اسے لواء، خلعت اور "یمین الدولہ امین الملت ولی امیرالمومنین" کا لقب عطا کیا،

فرشتہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمود اور قادر باللہ میں کچھ ناخوشگواری بھی پیش آئی اسکی تفصیل یہ ہے کہ محمود نے قادر کو لکھا کہ خراسان کا بڑا حصہ میرے قبضہ میں آچکا ہے کچھ تھوڑا سا علاقہ آپ کے غلاموں کے پاس ہے وہ مجھے مرحمت فرمایا جائے، قادر نے اس کی درخواست منظور کر لی اور مطلوبہ حصہ محمود کو دلا دیا، چند دنوں کے بعد پھر اس نے سمرقند کی خواہش کی، قادر نے اس سے انکار کر دیا، اور کہلا بھیجا کہ اگر میری اجازت کے بغیر تم نے سمرقند کی طرف قدم بڑھایا، تو ساری دنیائے اسلام کو تمھارے خلاف کر دونگا، محمود اس جواب پر بگڑ گیا اور بغدادی قاصد سے کہا کیا تم چاہتے ہو کہ ایک ہزار ہاتھیوں سے بغداد پر حملہ کر کے اسے برباد کر دوں اور اس کی خاک ہاتھیوں پر لاد کر غزنین لے آؤں، قاصد

لہ زین الاخبار گردیزی ص ۶۲،

نے واپس جاکر قادر کو یہ جواب سنایا، اس کے جواب میں قادر نے یہ لکھدیا "بسم اللہ الرحمن الرحیم ا ل م، الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ علی رسولہ وآلہ اجمعین"، محمود کے درباریوں میں سے کوئی اس تحریر کا مطلب نہ سمجھ سکا، خواجہ ابوبکر قہستانی اس تلمیح کو سمجھ گئے، انھوں نے کہا حضور نے ہاتھیوں سے حملہ کی دھمکی دی تھی، اس لئے اس کے جواب میں ا ل م سے "اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ" کی طرف اشارہ ہے، یہ سن کر محمود گھبرا گیا اور بہت رویا، اور قاصد سے اپنی گستاخی کی معذرت کرکے ہدایا وتحائف دے کر اسکو بغداد واپس کیا،[1]

لیکن فرشتہ کا یہ بیان محل نظر ہے، وہ بہت بعد کا مورخ ہے، قدیم تاریخوں میں اسکا کوئی ذکر نہیں ہے، محمود کا تعلق خلافت بغداد سے خادمانہ رہا، اور خلفاے بغداد اسکی قدرافزائی کرتے رہے، خود قادر نے مختلف اوقات میں اس کو خراسان، ہندوستان، نیمروز اور خوارزم کا لواے حکومت عطا کیا، اور اس کو کہف الدولہ والاسلام، اس کے بھائی امیر یوسف کو عضد الدولہ ومؤید الدولہ اور اس کے بیٹوں مسعود ومحمد کو شہاب الدولہ وشہاب الملۃ اور جمال الدولہ وجمال الملۃ کے القاب سے سرفراز کیا،[2]

محمود کا انتقال | ربیع الثانی ۴۲۱ھ میں اس جلیل القدر فرماں روا کا انتقال ہوگیا، اس وقت ۶۳ سال کی عمر تھی، مدت حکومت پینتیس سال،

ہمارے ہندوستانی مورخین کو عموماً محمود کی زندگی میں، کشت وخون فتوحات اور حرص دولت کے سوا اس کے کارنامے بہت کم نظر آتے ہیں، حالانکہ وہ جس درجہ کا جہانگیر وکشور کشا تھا، اسی درجہ کا جہاندار بھی تھا، اس نے علم وتمدن کی بڑی گراں قدر خدمات انجام دیں، وہ جامع کمالات فرماں روا تھا، ابن اثیر کا بیان ہے کہ محمود عاقل دیندار

[1] فرشتہ جلد اول ص ۳۳ [2] گردیزی ص ۸۷

نیک سیرت اور صاحب علم فرماں روا تھا اس کے لئے مختلف علوم و فنون پر کتابیں لکھی گئیں وہ علمار کا قدر دان تھا، ان کا اعزاز و اکرام اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا تھا، دور دور کے علمار اس کے دربار میں جمع ہو گئے تھے۔ وہ عدل پرور اور رعایا کے ساتھ شفیق تھا[1] وہ خود بھی بڑا صاحب علم تھا، صاحب جواہر مضیہ شیخ محی الدین عبد القادر حنفی نے اسکو حنفی فقہا میں شمار کیا ہے، اس کے حالات میں لکھتے ہیں کہ محمود ممتاز فقہا میں تھا، فصاحت و بلاغت میں یگانہ تھا، فقہ، حدیث، خطبات و رسائل میں اس کی تصانیف ہیں فقہ حنفی میں اس کی تصنیف کتاب التفرید جودت اور کثرت مسائل میں امتیازی درجہ رکھتی ہے[2]،

جہاں جہاں اصحاب کمال کا پتہ چلتا تھا، ان کو غزنین بلا بھیجتا تھا، اس کے بہنوئی ابو العباس مامون فرماں روائے خوارزم کے دربار میں مختلف علوم کے ارباب کمال جمع تھے اطبا میں ابن سینا اور ابو الحسن الخمار، علمائے ریاضی میں البیرونی اور ابو نصر عراق، فلاسفہ میں ابو سہل مسیحی دربار خوارزم کی زینت تھے، محمود نے مامون کو لکھ بھیجا کہ تمھارے دربار میں جو فلاں فلاں علما ہیں، میں استفادہ کے لئے ان کو اپنے یہاں بلانا چاہتا ہوں انھیں بھیج دو، مامون ایسے ارباب کمال کو جدا کرنا نہیں چاہتا تھا، لیکن محمود کی خواہش کو رد کرنا بھی اس کے بس میں نہ تھا، اس لئے اس نے ان علمار کو محمود کا خط سنا کر اپنی مجبوری ظاہر کر دی، خط سن کر البیرونی ابو الحسن الخمار اور ابو نصر عراق غزنین چلے گئے، لیکن ابن سینا اور ابو سہل مسیحی نے جانا پسند نہ کیا، اور محمود کے خوف سے خوارزم چھوڑ دیا[3]،

محمود خود نکتہ سنج شاعر تھا اور شعر و سخن کا بڑا مذاق رکھتا تھا، چنانچہ اس نے شاعری کا ایک خاص محکمہ قائم کیا تھا، اور عنصری کو ملک الشعرا کا خطاب دے کر شعبہ شاعری کا افسر مقرر

۱؎ ابن اثیر ج ۹ ص ۱۳۹ ۲؎ جواہر مضیہ ج ۲ ص ۱۵۱ ۳؎ تاریخ ادبیات ایران براؤن ج ۲ ص ۹۹،

کیا تھا، تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ چار سو شعرا اس کے دربار سے وابستہ تھے ان میں ابوالقاسم[1]
حسن بن احمد عنصری، ابو الحسن علی بن قلوع خرخی، حسن بن اسحٰق فردوسی، ابونصر علی بن
احمد اسدی طوسی، ابو النعیم احمد منوچہر دامغانی کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں، وہ جس
فیاضی سے شعرا پر صرف کرتا تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ چار سو زریں کمر
غلام ملک الشعرا عنصری کے جلو میں چلتے تھے، سفر میں اس کا سامان چار سو اونٹوں پر بار ہوتا تھا،

حمد اللہ مستوفی کا بیان ہے کہ محمود علما اور شعرا کا قدر دان تھا اور ان پر چار لاکھ دینار
سالانہ سے زیادہ صرف کرتا تھا،[2]

اس کی اس قدر دانی اور زر پاشی نے فارسی شاعری کو زمین سے آسمان تک پہنچا دیا
بقول مولانا شبلی فارسی شاعری غزنوی دور میں انتہائی کمال کو پہنچ گئی ۔۔ ۔۔ ۔۔
اور تاریخ و اخلاق کے علاوہ محمودی شعرا نے اصل فن کو ترقی دی اور شاعری کو اس قابل
بنا دیا کہ جس قسم کے مطالب چاہیں ادا کر سکیں،[3] شاہنامہ جیسی زندہ جاوید کتاب جس نے
عجم کی تاریخ کو زندہ کر دیا محمود ہی کی یادگار ہے،

محمود کی علم نوازی محض علما و شعرا کی قدر دانی تک محدود نہ تھی بلکہ اُس نے علم و تعلیم
کی عام اشاعت کے لئے غزنیں میں ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا تھا، جس کے ساتھ ایک
عجائب خانہ بھی تھا، اس میں تمام دنیا کے نوادر موجود تھے،

یہ موقع محمود کے علمی و تمدنی خدمات پر تفصیل سے بحث کرنے کا نہیں ہے، اس کی علم نوازی
اتنا مسلم واقعہ ہے کہ یورپین مورخین بھی جنھیں محمود کو بدنام کرنے میں خاص لطف آتا ہے اسکی

[1] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی ذکر عنصری [2] تاریخ گزیدہ ج اول ص ۳۹۵ [3] شعر العجم
ج اول ص ۵۶ و ۵۹،

علم دوستی کے اعتراف پر مجبور ہو گئے، الفنسٹن صاحب لکھتے ہیں،

محمود کے فخر و اعزاز کا واقعی سبب یہ تھا کہ وہ سپہگری اور بہادرانہ زندگی کے باوجود علوم و فنون کے ترقی دینے میں بڑا سرگرم تھا اور یہ اس کے دور کی عجیب و غریب خوبی تھی اور آج تک کوئی بادشاہ علوم پروری میں اس سے سبقت نہ لے جا سکا، باوجودیکہ محمود نہایت کفایت شعار تھا، مگر علوم و فنون کے باب میں بڑا فیاض واقع ہوا تھا، اس نے خاص غزنین میں ایک بہت بڑا مدرسہ تعمیر کرایا اور مختلف زبانوں کی عجیب و غریب کتابیں جمع کیں اور قدرتی عجائبات کا ایک عجائب خانہ بنایا، اس مدرسہ کے اخراجات کے لئے اس نے بہت سا روپیہ مقرر کیا اور طلبہ اور ارباب کمال کے وظائف کے لئے ایک مستقل فنڈ قائم کیا، ایک لاکھ سالانہ محض علماء کے وظائف مقرر کئے، علماء و مشاہیر کے ساتھ اس احترام سے پیش آتا تھا کہ اس کے دار السلطنت میں اتنے ارباب کمال جمع ہو گئے تھے کہ ایشیا کے کسی بادشاہ کو یہ فخر نہ حاصل ہوا تھا[1]،

ولایت عہد | ۴۲۱ھ میں قادر باللہ بہت سخت بیمار پڑا تھا، زندگی سے مایوسی ہو گئی تھی اسلئے اپنے لڑکے ابو جعفر عبد اللہ کو ولیعہد نامزد کر کے مراسم ولیعہدی ادا کر دیئے،

وفات | اس کے ایک سال بعد ذی الحجہ ۴۲۲ھ میں انتقال کر گیا، اس وقت ۸۰ سال کی عمر تھی، مدت خلافت ۴۱ سال حکومت کا اتنا طویل زمانہ اس کے پیشروؤں میں سے کسی کو نہ ملا تھا،

اوصاف و کمالات | قادر جامع کمالات خلیفہ تھا، مدتوں کے بعد ایسا خلیفہ عباسی تخت پر بیٹھا تھا، اس میں تدبیر و سیاست، فضل و کمال، زہد و تقویٰ تمام اوصاف مجتمع تھے، اگر وہ دور عروج میں پیدا ہوا ہوتا تو ہارون ثانی ہوتا،

---

[1] تاریخ الفنسٹن ترجمہ اردو ص ۱۵۵ و ۱۵۶،

جیسا کہ اوپر کے واقعات سے اندازہ ہوگا قادر کے پیشرو خلفاء کی کوئی حیثیت باقی نہ رہ گئی تھی، خلافت کا سارا نظام دیالمہ کے ہاتھوں میں تھا، وہ جو چاہتے تھے کرتے تھے، خلفاء کو دم مارنے کی مجال نہ تھی، قادر نے اپنی سیاست و تدبیر سے خلافت کا کھویا ہوا وقار دوبارہ قائم کیا، ابن اثیر کا بیان ہے کہ قادر سے پہلے خلافت ترک اور دیالمہ کی حرص و آز کا شکار تھی، قادر نے اس کے وقار و ناموس کو دوبارہ زندہ کیا، خدا نے مخلوق کے دلوں میں اس کی ہیبت ڈال دی تھی اور ان کی گردن اطاعت اس کے سامنے خم رہی،[1]

ابن طقطقی لکھتا ہے کہ قادر کے زمانہ میں عباسی خلافت کا وقار دوبارہ قائم ہوا، اسکی رونق بڑھ گئی اور اس کے پورے نظام میں قوت پیدا ہو گئی،[2] دیالمہ خودسری کے عادی چلے آتے تھے، جسے جو منصب چاہتے تھے دیدیتے تھے، جسے چاہتے تھے معزول کر دیتے تھے، ۳۹۵ھ میں شرف الدولہ نے قاضی القضاۃ، حج کی امارت، مظالم اور طالبین کی نقابت وغیرہ کے بڑے بڑے مذہبی عہدوں پر شریف ابو احمد الحسین کے تقرر کا فرمان جاری کر دیا،[3] یہ تقرر قادر کے خلاف مزاج تھا، اس نے مسترد کر دیا،[4]

دیالمہ کی شیعیت نوازی سے بغداد میں شیعوں کا زور اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ علانیہ سنیوں پر زیادتیاں کرتے تھے صحابہ پر تبرا بھیجتے تھے، لیکن کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی، قادر نے ان کی شیعیت نوازی ختم کر دی سنیوں پر ان کی زیادتیوں کا سد باب کیا اور دیالمہ کے اثر سے سنیوں میں جو غیر اسلامی خیالات پھیل گئے تھے ان کا پورا انسداد کیا،

قیام عدل میں اتنا اہتمام تھا کہ بڑے بڑے ارکان دولت بھی کسی پر زیادتی نہ کر سکتے تھے، قاضی بغداد حسین بن ہارون کا بیان ہے کہ کرخ میں ایک یتیم کی قیمتی جائداد

---

[1] ابن اثیر ج ۹ ص ۱۴۴، [2] الفخری ص ۲۷۰ [3] تاریخ الخلفاء ص ۴۲۴،

محکمۂ قضاء کی تولیت میں تھی، قادر کے حاجب کے بعض احباب اس کو خریدنا چاہتے تھے، حاجب نے مجھ سے کہلا بھیجا کہ میں جائداد کو قضاء کی تولیت سے آزاد کر دوں تاکہ وہ من مانی قیمت پر خرید لیں، میں نے اس کی تعمیل نہیں کی، حاجب نے مجھ کو بلا بھیجا، مجھے بڑا خوف پیدا ہوا اور جانے کا وعدہ کر کے حاجب کے شر سے بچنے کے لئے معروف کرخی کے مزار پر دعا کے لئے چلا گیا، یہاں ایک درویش بیٹھا تھا، اس نے پوچھا کس کے لئے بددعا کرتے ہو، میں نے واقعہ بیان کیا، یہاں سے واپس ہو کر حاجب کے گھر پہنچا، وہ دیکھتے ہی برس پڑا، بڑے نازیبا الفاظ استعمال کئے، اور میرا کوئی عذر نہ سنا، اتنے میں ایک نوجوان نے ایک رقعہ لا کر حاجب کو دیا، اسے پڑھ کر اس کا رنگ اڑ گیا، اس نے مجھ سے معذرت کی اور پوچھا کیا آپ نے خلیفہ کو اس واقعہ کی خبر کر دی تھی، میں نے انکار کیا، بعد میں معلوم ہوا کہ جو درویش معروف کرخی کی قبر پر ملا تھا وہ خود قادر باللہ تھا،[1]

علمی اعتبار سے اس کا شمار اس عہد کے علماء میں تھا، اس زمانہ کے مشہور عالم ابو بشر ہروی شافعی سے فقہ حاصل کی تھی،[2] تقی الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں شافعی علماء کے زمرہ میں اس کے حالات لکھے ہیں، اس نے اصول میں ایک کتاب بھی لکھی تھی،[3]

علم کے ساتھ وہ باعمل بھی تھا، بلکہ اس کا عمل اس کے علم سے زیادہ تھا، خطیب کا بیان ہے کہ اس کی سیادت، دینداری، تہجد گذاری، نیکیاں اور صدقات و خیرات کی کثرت اتنی مشہور باتیں ہیں، جن سے ہر شخص واقف ہے،[4]

ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ حلیم الطبع، کریم النفس تھا، نیکی اور بھلائی اور نیکیوں کو محبوب

---

[1] ابن اثیر ج ۹ ص ۱۴۴، [2] تاریخ الخلفاء ص ۴۲۲ [3] طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۱
[4] خطیب ج ۴ ص ۳۷،

رکھتا تھا، نیکی کا حکم دیتا تھا، شر سے روکتا تھا، اور اہل شر سے بغض رکھتا تھا[۱]

مختلف مذاہب و اقوام کے اثر سے بغداد ہر قسم کے عقائد و خیالات کا مرکز بن گیا تھا

جس سے مسلمان بھی متاثر ہو رہے تھے، قادر نے اس کی اصلاح اور تصحیح عقائد میں سعی بلیغ کی،

اور ۴۰۸ھ میں اس نے محمود غزنوی کو احیاے سنت کا حکم دیا، اس نے نہایت سختی سے

اس حکم کی تعمیل کی[۲]

تصحیح عقائد کے لئے خود ایک کتاب لکھی جس میں محدثین کے مسلک کے مطابق صحابہ کرام

کے فضائل ترتیب کے ساتھ تھے، اس میں اس نے حضرت عمر بن عبد العزیز کو بھی ان کے رتبہ کی بنا پر

شامل کر لیا تھا، اور معتزلہ اور خلق قرآن کا عقیدہ رکھنے والوں کی تکفیر کی تھی، یہ کتاب ہر جمعہ کو جامع صافہ

اور جامع بغداد میں محدثین کے حلقہ میں پڑھی جاتی تھی[۳]

صدقات و خیرات میں اتنا اہتمام تھا کہ اپنے افطار تک کے تین حصے کرتا تھا، ایک

حصہ اپنے لئے رکھتا تھا اور دو حصے جامع رصافہ اور جامع بغداد میں رہنے والے مسکینوں

کے لئے بھیجتا تھا، ایک مرتبہ جامع رصافہ کے ایک نوجوان نے کھانا لینے سے انکار کیا، اور تھوڑی دیر کے بعد مسجد

کے دروازے پر دوسروں سے مانگ کر چند ٹکڑے حاصل کئے، یہ دیکھکر شاہی فراش نے اس سے کہا تجھ کو شرم نہیں معلوم

ہوتی کہ خدا کا خلیفہ تیرے لئے رزق حلال بھیجتا ہے، اسکے لینے سے تو تو نے انکار کیا، اور در در مانگ کر کھاتا ہے

اس نے جواب دیا کہ میں نے اسلئے واپس کیا تھا کہ تم نے مغرب سے پہلے کھانا پیش کیا تھا، جس وقت مجھ کو اسکی ضرورت

نہ تھی، جب اسکی حاجت ہوئی تو مانگ کر کھایا، فراش نے واپس جاکر یہ واقعہ قادر سے بیان کیا، وہ سنکر رو دیا

اور کہا ایسے لوگوں کا لحاظ رکھا کرو اور انکے کھانا قبول کر لینے کو غنیمت سمجھو اور افطار کے وقت تک ٹھہرے رہا کرو[۴]

---

[۱] ابن اثیر ج ۹ ص ۱۳۲، [۲] دول الاسلام ذہبی ج اول ص ۱۸۹ [۳] خطیب ج ۴ ص ۳۷ [۴] ابن اثیر ج ۹ ص ۱۳۲

ابو جعفر عبداللہ بن قادر الملقب بہ قائم بامر اللہ

۴۲۲ھ تا ۴۶۷ھ مطابق ۱۰۳۱ء تا ۱۰۷۴ء

قادر اپنی زندگی میں اپنے لڑکے ابوجعفر کو ولیعہد بنا کر اس کی بیعت لے چکا تھا، اس لئے قادر کی وفات کے بعد ذی الحجہ ۴۲۲ھ میں وہ تخت نشین ہوا اور قائم بامر اللہ لقب اختیار کیا، یہ ایک ارمنی لونڈی بدر الدجیٰ کے بطن سے تھا، تخت نشینی کے وقت ۳۱ سال کی عمر تھی،

قائم کی تخت نشینی کے وقت نظام خلافت جلال الدولہ کے ہاتھوں میں تھا، وہ ایک غافل فرماں روا تھا، حکومت کی آمدنی پر افسران فوج قابض ہو گئے تھے اور عام سپاہیوں خصوصاً ترکوں اور دوسرے عہدہ داروں کو تنخواہیں نہ ملتی تھیں، اس لئے ترکی فوج کی بغاوت کا ایسا سلسلہ شروع ہو گیا کہ جلال الدولہ کا سارا نظام درہم برہم ہو گیا،

جلال الدولہ کے خلاف فوج کی بغاوت

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بار قادر کے عہد ۴۱۹ھ میں بغاوت ہوئی تھی جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، اس کے بعد ۴۲۲ھ میں بغداد کے شیعہ سنیوں میں تصادم ہوا، اور ایک دم شورش برپا ہو گئی، ترکی فوج کو موقع مل گیا، وہ پھر جلال الدولہ کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی، اور قائم سے اس کی معزولی کا مطالبہ کیا، جلال الدولہ نے روپیہ دے کر اس کو خاموش کیا،

فوج خاموش ہوئی تھی کہ غلمان جن کی تنخواہیں رکی ہوئی تھیں اٹھ کھڑے ہوئے اور

جلال الدولہ کا گھر لوٹ لیا اور اسے سارا خدم وحشم الگ کرکے خانہ نشین ہو جانا پڑا،

سنہ ۴۲۳ھ میں پھر فوج میں بغاوت رونما ہوئی، اور اس نے جلال الدولہ کے گھر پر حملہ آور ہوکر اس کے وزیر ابو اسحٰق سہیلی کو حوالہ کرنے کا مطالبہ کیا، جلال الدولہ کو بغداد چھوڑ کر عکبرا میں پناہ لینی پڑی، اس کے فرار کے بعد ترکوں نے اس کے بھتیجے ابو کالیجار کو بلا بھیجا، لیکن اس کے مشیروں نے روک دیا، اس لئے ترک پھر جلال الدولہ کو جاکر واپس لائے، اور عارضی طور سے سکون ہو گیا، لیکن جلال الدولہ کا رعب و دبدبہ اُٹھ چکا تھا، اس کا خزانہ خالی تھا، اس لئے حالات کی اصلاح نہ ہو سکی اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے بغاوت کا سلسلہ قائم رہا، اس سلسلہ میں بڑے بڑے واقعات پیش آئے، جلال الدولہ کو کئی مرتبہ بغداد چھوڑنا پڑا، اس شورش وہنگامہ سے بغداد کا امن وامان رخصت ہو گیا،

سنہ ۴۲۶ھ میں یہانتک نوبت پہنچ گئی کہ کچھ فوجی بغداد کے قریب ایک گاؤں میں گئے، کردوں نے ان کی سواریاں چھین لیں، قریب ہی شاہی باغ تھا، فوجیوں نے اسکے محافظوں پر یہ الزام لگا کر کہ ان کو کردوں کا علم تھا اور انھیں نہیں بتایا شاہی باغ لوٹ لیا، قائم کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس کو ان کی یہ جسارت سخت گراں گذری، جلال الدولہ اتنا بے بس تھا کہ اس کا کوئی تدارک نہ کر سکا، قائم نے حکومت کا تعطل دیکھ کر قضا اور افتا کے محکمے توڑ دئے، اسوقت جلال الدولہ نے فوج کو بارگاہ خلافت تک پہنچانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا، اور فوج نے شورش پسند عوام کے ساتھ مل کر حکومت کے عہدہ داروں کو باہر نکلنے سے روک دیا، اس سے اور ابتری پیدا ہو گئی، دن دھاڑے لوٹ مار ہونے لگی، عرب قبائل نواح بغداد کو لوٹ کر خاص بغداد میں گھس آئے، باغی فوج جلال الدولہ کے نئے وزیر ابو القاسم کو ننگے پاؤں باہر گھسیٹ لے گئی اور سنہ ۴۲۷ھ میں جلال الدولہ کو معزول کرنے کا عزم کر لیا، اور اسے زخمی

کر کے اس کا گھر لوٹ لیا، وہ بغداد چھوڑ کر تکریت بھاگ گیا، قائم نے درمیان میں پڑ کر بڑی مشکلوں سے دونوں میں صلح کرائی، اور جلال الدولہ پھر بغداد واپس آگیا،

لیکن ایک ہی سال کے بعد ۴۲۳ھ میں دولت عباسیہ کے امیر کبیر اور حاجب الحجاب بارسطغان اور جلال الدولہ میں چل گئی ابو کالیجار نے بارسطغان کے اشارہ سے جلال الدولہ کے لڑکے ابو منصور ملک عزیز کو واسط سے اور بغداد کے غلمان نے جلال الدولہ کو بغداد سے نکال دیا، لیکن چند ہی دنوں کے بعد جلال الدولہ نے واپس ہو کر بارسطغان کو قتل کر دیا، اور قاضی ابو الحسن ماوردی قاضی القضاۃ بغداد نے جلال الدولہ اور ابو کالیجار میں صلح کرا دی اور جلال الدولہ نے اپنی لڑکی ابو کالیجار کے لڑکے سے بیاہ دی،

اسی زمانہ میں جلال الدولہ نے اپنی کمزوری کو بڑے بڑے القاب کے پردے میں چھپانے کے لئے قائم سے شہنشاہ کا لقب اختیار کرنے کی درخواست کی، اس نے علماء سے فتویٰ طلب کیا، اکثر جاہ پسند علماء نے جواز کا فتویٰ دیدیا، حضرت قاضی ابو الحسن ماوردی نے جن کے جلال الدولہ سے ذاتی تعلقات بھی تھے مخالفت کی اور جلال الدولہ کے پاس آنا جانا بند کر دیا، اس سے جلال الدولہ کے دل میں ان کی عظمت و وقعت اور بڑھ گئی، اور اس نے ان سے مل کر ان کی صداقت و حق گوئی کا اعتراف کیا، لیکن علماء کی اکثریت جواز کا فتویٰ دے چکی تھی اسلئے قائم نے اجازت دیدی، جلال الدولہ میں کوئی دم باقی نہ رہ گیا تھا، اس لئے یہ لقب اس کا سہارا نہ بن سکا،

اور ۴۳۲ھ میں پھر فوجوں میں بغاوت رونما ہوئی، بغداد میں شورش اور بد امنی پیدا ہو گئی، ان بغاوتوں کا بڑا سبب روپیہ کی قلت تھی، جلال الدولہ نے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ۴۳۴ھ میں جوالی کے محاصل پر جو عباسی خلفاء کا خالصہ تھا ہاتھ بڑھایا، قائم پر یہ جسارت سخت گراں گذری، اس نے قاضی ابو الحسن ماوردی کے ذریعہ جلال الدولہ کو اس سے روکنے کی کوشش کی لیکن

وہ باز نہ آیا، اور قائم نے بغداد چھوڑ دینے کا عزم کر لیا، لیکن عمل میں نہ آسکا، اور اس میں اور جلال الدولہ میں کشمکش پیدا ہو گئی،

شعبان ۴۳۵ھ میں جلال الدولہ کا انتقال ہو گیا، ۵۲ سال کی عمر تھی، مدت حکومت ۱۷ سال گو مدت کے لحاظ سے اتنا زمانہ کچھ کم نہیں، لیکن اس مدت میں جلال الدولہ کو ایک دن کے لئے بھی سکون میسر نہ ہوا، اور ایسے مخالف حالات میں اتنے دنوں تک اس کی حکومت کا قائم رہ جانا ہی تعجب انگیز ہے[۱]،

ابو کالیجار۔ جلال الدولہ کی وفات کے وقت اس کا لڑکا ابو منصور ملک عزیز واسط میں تھا، بغدادی فوجوں نے اس کے پاس تحریری اطاعت نامہ بھیجدیا، اور ساتھ ہی حق بیعت کا بھی مطالبہ کیا، ملک عزیز کے پاس روپیہ نہ تھا، اس لئے وہ اس مطالبہ کو پورا نہ کر سکا، ابو کالیجار عرصہ سے عراق کی حکومت کا متمنی تھا، اس کے پاس دولت بھی تھی، اس کو فوج کے مطالبہ اور ملک عزیز کی معذوری کی خبر ہوئی تو فوج کو روپیہ کا لالچ دے کر اپنی طرف مائل کر لیا، اور ایک بڑی رقم فوج کے لئے اور دس ہزار دینار کی نذر اور بہت سے ہدایا و تحائف قائم کی خدمت میں بھیجے، اور صفر ۴۳۶ھ میں قائم نے بغداد میں اس کے نام کا خطبہ جاری کر دیا، اور محی الدین لقب عطا کیا، اس کے بعد رمضان ۴۳۶ھ میں خود ابو کالیجار بغداد گیا، اسی زمانہ میں ملک عزیز نے بھی بغداد کا قصد کیا تھا، لیکن ابو کالیجار پہنچ چکا تھا، اس لئے ملک عزیز کی فوجوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا، اور وہ ناکام لوٹ گیا، چند دنوں کے بعد اس نے پھر ابو کالیجار کے مقابلہ کی کوشش کی مگر اس مرتبہ بھی ناکام رہا، اور الٹے اس کے مستقر واسط پر ابو کالیجار کا قبضہ ہو گیا، اور ملک عزیز کو میا فارقین جا کر نصر الدولہ کے

---

[۱] یہ تمام حالات ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہیں،

دامن میں پناہ لینی پڑی، اور ۴۴۱ھ میں ناکام و نامراد مر گیا،

سلجوقیوں کا ظہور | سلجوقیوں کی نئی طاقت کا ظہور قادر ہی کے زمانہ میں ہو چکا تھا لیکن اسوقت انکی حیثیت خانہ بدوش قبائل سے زیادہ نہ تھی، قائم کے زمانہ میں ان کی حیثیت ایک منظم طاقت کی ہوگئی، اور انھوں نے ایک عظیم الشان حکومت کی بنیاد رکھی جس نے آگے چل کر بغداد میں دیالمہ کی جگہ لی، ان کی مختصر تاریخ یہ ہے، سلجوقی نسلاً ترک تھے ان کا آبائی وطن ترکستان اور چین کا درمیانی علاقہ تھا، سلجوقی قبائل کی تعداد ہزاروں نفوس پر مشتمل تھی، ترکستان کی غیر مسلم حکومت میں ان کے سردار دقاق یا تقاق کو بڑی قدر و منزلت حاصل تھی، بیغو فرماں روائے ترک اسے بہت مانتا تھا، دقاق کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اُس نے سلجوق رکھا یہ بڑا ہونہار اور جوہر قابل تھا، سن شعور کو پہنچ کر اس کے جوہر چمکنے لگے اور اس نے اپنی صلاحیتوں اور کارناموں سے بیغو کے دل میں بڑا اعتماد حاصل کر لیا، اس نے اس کو اپنا مقرب خاص بنا کر سباشی یعنی سپہ سالاری کا منصب عطا کیا، چند دنوں میں اس نے اتنا اثر پیدا کیا کہ سارے ترک اس کے مطیع ہو گئے، اس کے اثر و اقتدار کو دیکھ کر بیغو کی ملکہ کو خطرہ پیدا ہوا اس نے اپنے شوہر کو اس کے قتل پر آمادہ کرنا شروع کیا، اس زمانہ میں ترکستان کی حکومت کی حالت بگڑ چکی تھی آبادی کی کثرت سے ذرائع معاش بھی تنگ ہو گئے تھے، ملکہ کی مخالفت کو دیکھ کر سلجوق اپنے زیر اثر ترکمان قبائل کو لے کر ترکستان سے ترکِ وطن کر کے اسلامی قلمرو میں چلا آیا اور ماوراء النہر کے علاقہ جند میں قیام پذیر ہوا[۱]،

راوندی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلجوق نے ترک وطن سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا، اور ابن اثیر کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ دارالاسلام میں توطن کے بعد اس شرف

[۱] ابن اثیر ج ۹ ص ۱۶۳،

سے مشرف ہوا،[1]

قبول اسلام کے بعد سلجوقی ایک منظم قوت بن گئے اور ماوراء النہر کے ان سرحدی مقاموں پر جو بیغو کے قبضہ میں تھے اور جہاں کے مسلمانوں سے وہ خراج وصول کرتا تھا قبضہ کرلیا، سلجوق نے اپنی اولاد کو پھولتا پھلتا ہوا چھوڑ کر ۱۰۰ برس کی عمر میں انتقال کیا اور چار نامور لڑکے چھوڑ گیا، ارسلان یا اسرائیل، میکائیل، یونس اور موسیٰ، ان سب کی نسل چلی، میکائیل کی اولاد بہت پھولی پھلی، اور بڑی عظمت و ناموری حاصل کی، ان میں بڑے بڑے نامور سلاطین و فرماں روا پیدا ہوئے، ایران و عراق کے سلجوقی فرماں روا اسی کی نسل سے تھے، میکائیل کی اولاد کے بعد ارسلان کی اولاد نے ترقی کی، انھوں نے ایشیائے کوچک میں اپنی حکومت قائم کی، ترکان عثمانی ان ہی کی یادگار تھے، البتہ یونس اور موسیٰ کی اولاد نے تاریخ میں اپنی کوئی یادگار نہیں چھوڑی،

سلجوق کی مدت کے بعد اس کے چاروں لڑکے ماوراء النہر کے مختلف حصوں میں پھیل گئے، ارسلان اپنے قبیلہ کے ساتھ بخارا کے قریب مقیم ہوا، اور ایلک خانی اور غزنوی حکومت کی سرحدوں پر تاخت شروع کردی، ایلک خاں کا ملک زیادہ قریب تھا، اس لئے وہ بہت گھبرایا، لیکن سلجوقیوں کا روکنا اس کے بس سے باہر تھا، اس لئے خاموش رہا، اتفاق سے اسی زمانہ میں سلطان محمود اپنی اور ایلک خاں کی سرحدوں کی تعیین کے سلسلہ میں ماوراء النہر گیا، غزنوی حدود سے سلجوقیوں کی قربت محمود کے لئے بھی خطرہ سے خالی نہ تھی، اس لئے ایلک خاں نے اس کو بھڑکایا، کہ ترکستان کے جو قبائل ان حدود میں آکر آباد ہوتے ہیں، انھوں نے نور بخارا، سغد اور سمرقند کے مرغزاروں پر قبضہ کرلیا ہے، سلجوق کے چاروں لڑکوں نے بڑی شہرت اور ناموری حاصل کرلی ہے، ان کی قوت بہت زیادہ ہے، اور وہ حکومت

---

۱ راحۃ الصدور ص ۸۶، ۲ ابن اثیر ج ۹ ص ۱۶۳ ۳ ابن اثیر ج ۹ ص ۱۲۳ ۴ ایضاً،

کی داغ بیل ڈالنا چاہتے ہیں، آپ کو اکثر ہندوستان کی مہموں کے سلسلہ میں باہر رہنا پڑتا ہے، اس لئے خطرہ ہے کہ وہ آپ کی عدم موجودگی میں آپکے حدود مملکت میں کوئی فساد نہ برپا کریں، اس لئے ان کا تدارک ضروری ہے[1]،

محمود ان نووارد قبائل کے خطرہ سے بے خبر نہ تھا، اس سفر میں ان کی قوت و کثرت اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرکے ان کی جانب سے بدگمان ہوگیا، اور سلجوقیوں کے پاس دوستانہ پیام بھیج کر عہد مواخاۃ کے بہانہ سے بلا بھیجا[2]،

اسکی دعوت پر ارسلان بن سلجوق جو سب بھائیوں میں بڑا تھا محمود سے ملنے گیا، اس نے اس کا بڑا احترام کیا، اپنے ساتھ تخت شاہی پر بٹھایا، اور باتوں باتوں میں سلجوقیوں کی فوجی قوت کا حال معلوم کرکے ارسلان کو قید کرکے ہندوستان بھیجدیا، اور وہ کالنجر کے قلعہ میں نظر بند کردیا گیا، اور اس کے قبیلہ کو قتل و قید کرکے مختلف سمتوں میں منتشر کردیا، ارسلان سات برس تک محمود کی قید میں رہا، حمد اللہ مستوفی کا بیان ہے کہ قید ہی میں مرگیا[3]، راوندی لکھتا ہے کہ دو ترکمان کالنجر پہنچے اور کسی طرح ارسلان کو قید سے نکالنے میں کامیاب ہوگئے، لیکن راستہ بھول گئے، اور قلعہ کا محافظ جو ان کی تلاش میں تھا پہنچ گیا، ارسلان نے جب دیکھا کہ وہ نہیں بچ سکتا تو اس نے دونوں ترکمانوں سے کہا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور میرے بھائیوں کو جاکر یہ پیام پہنچادو کہ وہ ملک گیری کے لئے پوری کوشش کرتے رہیں، ناکامی سے مایوس نہ ہوں، کوشش جاری رکھیں، محمود غلام زادہ ہے، اس کا کوئی نسب نہیں ہے وہ غدار ہے، اس کے پاس ملک نہیں رہ سکتا، ایک نہ ایک دن ضرور انکے قبضہ میں آئیگا[4]،

ارسلان کی موت کے بعد محمود نے سلجوقیوں کو خراسان کے حدود میں قیام کی

---

[1] راحۃ الصدور صفحہ ۸۸-۸۹ [2] ایضاً [3] تاریخ گزیدہ صفحہ ۴۳۵ [4] راحۃ الصدور صفحہ ۹۳،

اجازت دیدی اس لئے اس کی زندگی بھر وہ خاموش رہے، اور غزنوی حکومت کے ساتھ ان کی کوئی آویزش نہیں ہوئی،

میکائیل نے غیر مسلم ترکوں کے مقابلہ میں شہادت پائی اور تین نامور لڑکے یادگار چھوڑے، طغرل بک محمد، جعفری بک داؤد اور بیغو باپ کی موت کے بعد یہ تینوں بھائی جند سے نور بخارا میں منتقل ہو گئے، امیر بخارا علی تگین ان کی قربت پسند نہ کرتا تھا، وہ ان کے درپے ہو گیا، اسلئے سلجوقی نور بخارا سے بغرا خاں کے حدود سلطنت میں چلے گئے، اس نے بھی انھیں نہ ٹکنے دیا، اور طغرل بک کو گرفتار کرکے داؤد کو بھی پکڑنے کی کوشش کی لیکن سلجوقیوں نے شکست دیکر طغرل بک کو چھڑا لیا اور اپنے پہلے مستقر جند لوٹ گئے،

جند بھی بخارا کے قریب تھا، علی تگین پہلے سے سلجوقیوں کے خلاف تھا اس مرتبہ اس نے ان سے لڑنے کے بجائے طغرل بک کے چچازاد بھائی یوسف بن موسیٰ کو توڑنے کی کوشش کی اور اس کو بخارا بلا کر بخاری ترکوں کا سردار بنایا، اور ینانخ بیغو کا لقب اور جاگیر عطا کی، لیکن یوسف اس کے پھندے میں نہ آیا، اس لئے علی تگین نے اس کو قتل کر دیا، اس کے انتقام میں سلجوقیوں نے حملہ کرکے ایک ہزار بخاری فوج تہ تیغ کر دی، علی تگین نے بھی ان پر فوج کشی کرکے ان کی بڑی تعداد قتل و گرفتار کر لی، اور سلجوقیوں کو جند بخارا سے منتشر کر دیا،

خوارزم کے فرماں روا ہارون بن تونتاش کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے سلجوقیوں کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی، اس دعوت پر وہ ۴۲۶ھ میں خوارزم میں جاکر مقیم ہوئے، کچھ دنوں کے بعد ہارون نے بھی غداری کی اور سلجوقیوں کو قتل و قید کرکے ان کا مال لوٹ لیا، اس لئے یہ لوگ خوارزم چھوڑ کر مرو چلے گئے، اور مسعود غزنوی کے دامن حمایت میں پناہ لینی چاہی، اور اس کے پاس کہلا بھیجا، کہ اگر وہ ان کو خراسان میں قیام کی اجازت دیدے تو یہ لوگ اس کے

دشمنوں کے مقابلہ میں ہمیشہ سینہ سپر رہیں گے، مسعود نے ان کے قاصدوں کو گرفتار کرلیا، اور سلجوقیوں کو خراسان سے نکالنے کے لئے فوج بھیجی اس نے ان کو بڑی فاش شکست دی، اور ان کا سازوسامان لوٹنے میں مشغول ہوگئی، داؤد نے موقع پاکر دفعۃً حملہ کردیا، غزنوی اس کو نہ سنبھال سکے، اور سلجوقیوں نے اپنی شکست کا ان سے پورا بدلہ لے لیا،

اس شکست سے غزنویوں پر سلجوقیوں کی اتنی ہیبت بیٹھ گئی کہ مسعود نے دوبارہ فوج کشی کی ہمت نہ کی، اور طغرل بک اور داؤد کو ایک تہدید آمیز تحریر بھیجی، انھوں نے اس کے جواب میں کلام مجید کی یہ آیت لکھ کر بھیجدی قل اللّٰھم مالک الملک توتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علیٰ کل شیئ قدیر،

یہ جواب پاکر مسعود نے اپنا طرزِ عمل بدل دیا، اور دوستی کے ذریعہ سلجوقیوں کو قابو میں لانے کی کوشش کی ان کے پاس دوستانہ خط لکھا، تینوں بھائیوں کے لئے خلعت بھیجے اور ان کے قیام کے لئے دہستان، نسا، اور فراوہ کے علاقے پیش کئے، لیکن ان کو یقین تھا کہ یہ سب مسعود کا فریب ہے، اس لئے خلعت قبول کرنے سے انکار کردیا، اور قاصد کی تحقیر کی، اس سے پھر دونوں میں مخالفت ہوگئی، سلجوقیوں نے خراسان پر عام یورش کردی، اور غزنوی عمال کو پیہم شکستیں دے کر زچ کرڈالا، وہ برابر مسعود کو اسکی اطلاع دے کر خراسان کی حفاظت کی جانب توجہ دلاتے رہے، لیکن وہ ہندوستان کی مہم میں ایسا مشغول تھا کہ ادھر توجہ نہ کرسکا، آخر میں عمائد بخارا نے متفقہ درخواست بھیجی کہ اگر سلجوقیوں کی یورش کا تدارک نہ کیا گیا تو وہ خراسان پر قابض ہوجائیں گے، اور غزنہ پر حملہ آور ہوں گے، اس وقت ان کا معاملہ قابو سے باہر ہوجائیگا اس درخواست پر مسعود نے سباشی حاجب کو تیس ہزار فوج کے ساتھ خراسان روانہ کیا، سلجوقی اس وقت مرو میں تھے، سباشی فطرۃً بزدل تھا، اس کو مقابلہ کی ہمت نہ پڑتی تھی چند

دنوں تک ہراۃ اور نیشاپور میں ٹھہرا رہا، اور ایک دن دفعۃً مرو پہنچ گیا، سلجوقی تیار نہ تھے، اس لئے شکست کھا گئے، اسی دوران میں والی جوزجان نے ان پر حملہ کر دیا، داؤد نے اس کو شکست دیکر قتل کر دیا، اس سے سباشی کے دل میں بڑا ہراس پیدا ہو گیا، اور اس کی ہمت پست ہو گئی اور داؤد نے رجب ۴۲۸ھ میں مرو میں اپنا خطبہ جاری کر دیا[1]،

سلجوقی حکومت کا قیام

سباشی کی ہمت اتنی پست ہو چکی تھی اور وہ سلجوقیوں سے اتنا خائف تھا کہ پھر اس نے ان کے مقابلہ کی جرأت نہ کی، اور جنگ کو برابر ٹالتا رہا، تاآنکہ اس کا سامان رسد ختم ہو گیا، اور شعبان ۴۲۸ھ میں داؤد نے اس کو شکست دے کر خراسان پر قبضہ کر لیا، اور یہاں کے تمام سابق انتظامات بدستور قائم رکھے،

غزنوی فوج کے شکست اور خراسان پر داؤد کے قبضہ کی خبر مسعود کو ہوئی تو وہ پوری قوت کے ساتھ سلجوقیوں کے مقابلہ کے لئے خراسان پہنچا، سلجوقیوں نے کھل کر مقابلہ کرنے کے بعد اسے چکر دے کر تھکانے کا طریقہ اختیار کیا، جب مسعود ان کی طرف بڑھتا تو وہ کترا کر دوسری طرف نکل جاتے، اس طرح ایک عرصہ تک کاوے دینے کے بعد جب غزنوی فوج گھبرا گئی، تو سلجوقی ایک بے آب و گیاہ میدان کی طرف نکل گئے، غزنوی فوج نے ان کا تعاقب کیا، اور ایک چشمہ یا تالاب پر منزل کی، پانی کم تھا، غزنویوں میں اس کے لئے آپس ہی میں جنگ ہو گئی، اس وقت سلجوقی جو برابر ان کی نگرانی کر رہے تھے، دفعۃً پہنچ گئے، اور غزنوی فوج کو پسپا کر دیا، مسعود نے استقلال دکھایا، لیکن اس کی فوج کی ہمت چھوٹ چکی تھی، اس لئے اسے بھی مجبور ہو کر غزنہ لوٹ جانا پڑا، اس معرکہ نے غزنوی اور سلجوقی کشمکش کا فیصلہ کر دیا اور خراسان پر مستقل سلجوقیوں کا قبضہ ہو گیا،

---

[1] یہ سب واقعات ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہیں،

خراسان پر قبضہ کے بعد سلجوقی ملک گیری کے لئے مختلف ملکوں میں پھیل گئے اور چند دنوں میں بیغو نے ہراۃ، داؤد نے بلخ اور طغرلبک نے جرجان طبرستان اور خوارزم پر قبضہ کر لیا، طغرلبک کے ماں جائے بھائی ابراہیم نیال نے رے کو زیر نگیں کیا، اور طغرلبک نے اہل قزوین، بادشاہ دیلم، سالار طرم، علاء الدولہ دیلمی کے لڑکے فرامرز والی اصفہان اور دوسرے لڑکے گرتاشف والی ہمدان کو مطیع بنایا، اور جابجا اپنے عمال مقرر کئے، ۴۳۶ھ میں گرتاشف نے طغرلبک کے حاکم کو ہمدان سے نکال دیا، اس لئے ابراہیم نیال نے اس پر فوج کشی کرکے ہمدان، دینور کرمان شاہ وغیرہ پورے عراق عجم اور کردستان کو زیر نگیں کر لیا، اور حلوان تک بڑھتا چلا گیا،

یہاں سے عراق کی سرحد شروع ہو جاتی تھی، ابوکالیجار کو اس کی خبر ہوئی تو وہ اس کے تدارک کے لئے خوزستان سے فارس پہنچا، اس میں سلجوقیوں کو روکنے کی طاقت نہ تھی، اس لئے طغرل بک سے صلح کر لی، اس نے ابراہیم کو آگے بڑھنے سے روک دیا، اور دیلمی خاندان سے رشتہ قائم کرنے کے لئے ابوکالیجار کی لڑکی سے خود عقد کر لیا، اور اپنی بھتیجی اس کے لڑکے ابو منصور فلاستون کو بیاہ دی،

اس کے ایک سال بعد ۴۴۰ھ میں ابوکالیجار، والی کرمان کی بغاوت فرو کرنے کے لئے نکلا راستہ میں بیمار پڑا اور جناب پہنچ کر انتقال کر گیا، عراق میں اس کی مدت حکومت چار سال سے کچھ اوپر تھی،

الملک الرحیم | ابوکالیجار کے کئی لڑکے تھے، ایک لڑکا ابو منصور فلاستون اس کی موت کے وقت جناب میں ساتھ تھا، دوسرا ابونصر خرہ فیروز بغداد میں تھا، ابوکالیجار کی وفات کے بعد ابونصر نے قائم سے بغداد کی تولیت اور عراق کی حکومت حاصل کر لی اور الملک الرحیم لقب اختیار کیا،

دوسرے بھائی ابومنصور نے فارس جاکر شیراز پر قبضہ کر لیا، لیکن چند ہی دنوں کے بعد ملک الرحیم نے اپنے بھائی ابوسعد کو بھیج کر ابومنصور کو گرفتار کرا کے شیراز لے لیا، پھر کچھ دنوں کے بعد ابو منصور قید سے چھوٹ گیا، شیراز کی فوج اس کے ساتھ تھی، اس لئے پھر اس نے قبضہ کر لیا، اور ابوکالیجار کے خاص علاقے اہواز پر بھی قابض ہو گیا، اور کئی سال تک دونوں بھائیوں میں فارس اور خوزستان کے لئے جنگ ہوتی رہی، کبھی ایک قابض ہو جاتا تھا، کبھی دوسرا، آخر میں ابومنصور نے شیراز پر مستقل قبضہ کر لیا، اور اہواز ملک الرحیم کے پاس رہا،

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ فرامرز بن علاء الدولہ والی اصفہان نے طغرلبک کی اطاعت قبول کر لی تھی، لیکن بار بار باغی ہو جاتا تھا، اس لئے ۴۴۳ھ میں طغرلبک نے فوج کشی کرکے اصفہان اور رے پر مستقل قبضہ کر لیا، اور فرامرز کے گذارہ کے لئے جاگیر دیدی، اس طرح دیلمی خاندان کی ایک شاخ کا خاتمہ ہو گیا،

خلافت بغداد سے سلجوقی حکومت کی تصدیق

اب سلجوقی حکومت کا رقبہ خراسان سے لیکر ایران و عراق تک پھیل چکا تھا، لیکن ابھی تک خلافت بغداد نے اس کی تصدیق نہیں کی تھی، ۴۴۳ھ میں طغرلبک نے قائم سے فرمان حکومت کی استدعا کی، اس کی استدعا پر قائم نے فرمان حکومت عطا کیا، اسی کے ساتھ خلعت اور رکن الدولہ کے لقب سے بھی سرفراز کیا، اور طغرل کو بغداد آنے کی دعوت دی، طغرلبک نے اس کے جواب میں دس ہزار نقد جواہرات کے قیمتی ہار، بیش قیمت ملبوسات، قائم کی نذر کے لئے، دو ہزار امیر الامرا اور ۵ ہزار دوسرے ارکان دولت کے شکرانہ میں بھیجے، قائم نے سلجوقی سفارت کی پذیرائی کے لئے خاص دربار منعقد کیا، اس طرح خلافت بغداد کے ساتھ سلجوقیوں کے تعلقات کی بنیاد پڑی،[1]

[1] راحۃ الصدور ص۱۰۱ و ابن خلدون ج ۳ ص۴۵۵،

سلجوقی حکومت کی تعمیر و توسیع میں میکائیل کی تمام اولادیں شریک تھیں، اس لئے قیام حکومت اور خلافت بغداد کی تصدیق کے بعد طغرلبک نے اپنے بڑے بھائی داؤد کے ذریعہ مفتوحہ ممالک کو اپنے تمام بھائیوں اور بھتیجوں میں تقسیم کرادیا، خراسان کا بڑا حصہ داؤد نے خود لیا اور بست، ہراۃ اور سیستان بیغو کو ملے، طبس، کرمان داؤد کے لڑکے قاروت کے حصہ میں آیا، اور عراق عجم طغرلبک کے حصہ میں پڑا، اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً بقدر حصہ رسدی تقسیم کا سلسلہ جاری رہا، چنانچہ بعد میں طغرل بک کے دوسرے بھائی ابراہیم نیال کو ہمدان، امیر یاقوتی بن جغری بک کو ابہر، زنگان اور نواح آذربیجان اور قتلمش بن ارسلان کو گرگان اور دامغان ملے[1]،

سنہ ۴۴۶ھ میں تبریز کے حاکم نے طغرلبک کی اطاعت قبول کرکے خراج ادا کیا، اور اپنے ملک میں اس کے نام کا خطبہ جاری کیا، اس کی اطاعت کے بعد اس نواح کے تمام امراء نے طغرلبک کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا، اور اس نے ارمنستان پر فوج کشی کرکے ملاذکرد کا محاصرہ کیا، لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی، اور طغرلبک ارض روم تک جا کر لوٹ آیا، واپسی میں قریش بن بدران والی موصل نے جو دیالمہ کے خلاف تھا طغرلبک کی اطاعت قبول کرکے اس کا خطبہ پڑھا،

بغداد میں جنگ و بدامنی ایک طرف سلجوقیوں کی یہ روز افزوں ترقی تھی، دوسری طرف دیالمہ کی حالت روز بروز گرتی جارہی تھی، ان میں خانہ جنگی برپا تھی، وہ نہ صرف خلافت بغداد بلکہ اپنی اصل حکومت فارس کا نظام سنبھالنے سے بھی عاجز تھے، عین ان حالات میں سنہ ۴۴۷ھ میں بغداد کے شیعہ سنیوں میں جنگ شروع ہوگئی، ملک الرحیم میں اس کے روکنے کی طاقت

---

[1] ملک کی تقسیم راوندی اور حمد اللہ مستوفی کے بیان سے ماخوذ ہے دونوں میں جزوی اختلاف ہے ہم نے انکا قدر مشترک لکھا ہے۔

نہ تھی اس لئے اس کا سلسلہ وقتاً فوقتاً پانچ سال تک قائم رہا، فریقین کے ہزاروں آدمی مقتول ہوئے، قتل و خونریزی اور آتش زنی سے بغداد کے محلے کے محلے ویران ہوگئے اور پانچ سال بغداد میں شورش و بدامنی قائم رہی، بڑی مشکلوں سے ۴۴۵ھ میں اسکا خاتمہ ہوا[1]،

فوج کی بغاوت اور نظام حکومت کی برہمی

شیعہ سنی جنگ ختم ہوئی تھی کہ بغدادی فوج میں بغاوت پھیل گئی، اس کا سبب یہ ہوا کہ ملک الرحیم کے وزیر نے فوج کی تنخواہ روک لی، اس سے وہ بگڑ گئی، وزیر مذکور اس کے خوف سے روپوش ہوگیا، باغی فوج نے گھروں کی تلاشی لی، اور اس سلسلہ میں لوٹ مار شروع کر دی اور بغداد میں پھر بدامنی پھیل گئی، قائم نے ہرچند روکنے کی کوشش کی لیکن باغی فوج باز نہ آئی اور قائم نے مجبور ہو کر بغداد چھوڑنے کا عزم کر لیا، اس وقت وزیر مذکور کو مجبور ہو کر فوج کا مطالبہ پورا کرنا پڑا، لیکن اب اسکی سرکشی اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ مطالبہ پورا ہونے کے بعد بھی وہ شورش سے باز نہ آئی، بغداد کی بدنظمی دیکھ کر اطراف کے کردوں اور عربوں نے الگ لوٹ مار شروع کر دی، اہل بغداد اور قرب و جوار کے لوگ گھر بار چھوڑ کر نکل گئے، اور بغداد کی حکومت کا نظام درہم برہم ہوگیا[2]،

بساسیری کا عروج اور اس کا اور رئیس الرؤساء کا اختلاف

اسی زمانہ میں بغداد میں ایک اور واقعہ پیش آگیا جس نے ایک بڑے انقلاب کا سامان فراہم کر دیا، دیالمہ کے ایک ترکی غلام ارسلان المعروف بہ بساسیری نے ملک الرحیم کے زمانہ میں اتنا عروج اور اقتدار حاصل کیا کہ دولت عباسیہ کا مختار کل بن گیا، سارے امراء اس سے ڈرتے تھے، عراق و خوزستان میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، دولت عباسیہ کے سارے سیر حاصل علاقے اس کے تصرف میں تھے، ان کو لوٹ کر دیہاتوں کو ویران کر دیا تھا، قائم اسکی اجازت کے بغیر کوئی کام انجام نہ دے سکتا تھا[3]،

[1] ابن اثیر وغیرہ میں اسکی بڑی لمبی تفصیل ہے، ہم نے صرف خلاصہ اور نتیجہ لکھا ہے۔ [2] ابن اثیر ج ۹ ص ۲۱۱ [3] تاریخ خطیب ج ۹ ص ۴۰۰

وہ مذہبًا باطنی شیعہ تھا اور بغداد کا رئیس الرؤساسنی تھا، اس لئے دونوں میں دلی مخالفت تھی، بساسیری کو سلجوقیوں کا عروج جو سنی تھے سخت گراں تھا اور رئیس الرؤسا ان کا ہمدرد اور بہی خواہ تھا، بساسیری اور موصل کی عرب حکومت میں بھی مخالفت تھی خصوصًا جب سے قریش ابن بدران نے طغرلبک کی اطاعت قبول کرلی تھی اس وقت سے بساسیری اس کے سخت خلاف ہوگیا تھا، اتفاق سے اسی زمانہ میں قریش بن بدران کے دو خاص آدمی ابو الغنائم اور ابو سعد خفیہ بغداد آئے، بساسیری نے ان کو گرفتار کرنا چاہا، لیکن یہ دونوں نکل گئے، بساسیری نے اس کا الزام رئیس الرؤسا کے سر رکھا کہ وہ دیالمہ کے دشمنوں سے ساز باز رکھتا ہے اور سلجوقیوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور اس غصہ میں قائم، رئیس الرؤسا اور تمام خدام شاہی کے وظائف بند کردئے، اور انبار پر فوج کشی کرکے اس کو قریش کے قبضہ سے چھڑا لیا، اور ابو الغنائم کو گرفتار کرکے سولی پر آویزاں کیا، اس سے بساسیری کے تعلقات قائم اور رئیس الرؤسا دونوں سے اور زیادہ کشیدہ ہوگئے[1]

اس کے بعد ہی ۴۴۶ھ میں پھر بغداد میں شورش پھیل گئی، حکومت قیام امن سے عاجز ہوچکی تھی، اس لئے اس کی اجازت سے سنیوں کی ایک جماعت نے قیام امن کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض اپنے ذمہ لیا، اتفاق سے بساسیری کا ایک عیسائی مصاحب اسکے لئے شراب کے چھ سو خم لئے جارہا تھا وہ پکڑ لئے گئے، اور عمائد بغداد نے ان کو توڑ کر شراب بہادی، بساسیری کو معلوم ہوا تو اس پر سخت گراں گذرا، اس کا الزام بھی اس نے رئیس الرؤسا کے سر رکھا، رئیس الرؤسا نے ترکی فوج کو اس کے خلاف بھڑکا دیا، اس نے بساسیری کو ہر طرح کے الزاموں کا نشانہ بنالیا[2]

---

[1] ابن اثیرج ۹ ص ۲۰۸ و ۲۰۹ [2] ایضاً۔

بساسیری اور قائم میں اختلاف اور بغداد میں علوی حکومت کے قیام کی کوشش

بساسیری نے اس کا بدلہ قائم سے لینا چاہا، اور قصر خلافت کو لوٹنے اور قائم کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا،[1] ترک اس سے برہم ہی تھے، انھوں نے قائم سے خود بساسیری کا گھر لوٹنے کی اجازت چاہی، اس نے دیدی، اور ترکوں نے اسکی ساری املاک لوٹ لی، بساسیری شیعہ تھا، اس لئے دل سے فاطمیہ مصر کا طرفدار تھا، چنانچہ اس نے مستنصر علوی سے سازباز شروع کردیا،[2]

قائم عرصہ سے دیالمہ کے استبداد سے عاجز تھا اور طغرلبک کو فرمان حکومت عطا کرتے وقت بغداد آنے کی دعوت دے چکا تھا، طغرلبک کو بھی بغداد میں دیالمہ کا اقتدار ناپسند تھا، لیکن اس وقت وہ اپنی مہموں میں مشغول تھا، اس لئے بغداد نہ جا سکا تھا، ان سے فراغت کے بعد ۴۴۷ھ میں وہ حج اور فاطمیۂ مصر پر حملہ کے بہانہ سے بغداد روانہ ہوگیا، یہاں اس کی آمد کی خبر سے بڑی بے چینی پیدا ہوگئی، ملک الرحیم اس وقت واسط میں تھا، اسکو خبر ملی تو وہ فوراً بغداد کے لئے روانہ ہوگیا، بساسیری بھی اس کے ساتھ تھا، راستہ میں ملک الرحیم کو قائم کا خط ملا کہ بساسیری نے میرے خلاف میرے دشمن مستنصر فاطمی سے خط وکتابت کی ہے اور میرے اور تمھارے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ وفاداری کا عہد و پیمان ہے، ایسی حالت میں اگر تم نے میرے مقابلہ میں بساسیری کے تعلقات کو ترجیح دی تو گویا مجھ سے تعلق منقطع کرلیا، اور اگر اس کو علحدہ کرکے بغداد آؤگے تو حکومت کا نظام بدستور تمھارے ہاتھوں میں رہے گا، اس لئے ملک الرحیم نے بساسیری کو الگ کردیا،

طغرلبک کی آمد اور ترکوں کی جانب سے اس کی مخالفت

اس دوران میں طغرلبک بغداد کے قریب پہنچ گیا، اور قائم کے پاس اظہار اطاعت و خدمت گذاری کے لئے قاصد بھیجا، اور

[1] تاریخ خطیب ج ۹ صفحہ ۴۰۰ و دول الاسلام ذہبی ج اول صفحہ ۲۳ [2] ایضاً،

بغدادی ترکوں کو انعام واکرام کا لالچ دیکر ملانے کی کوشش کی گو ترک رئیس الرؤسا کے مقابلہ میں بساسیری کے خلاف تھے، لیکن بساسیری ان کا ہم قوم اور طغرلبک ایک غیر شخص تھا، اس لئے وہ طمع میں نہ آئے، اور قائم کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم نے بساسیری کے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہو، لیکن وہ ہمارا محترم ہے اور امیر المومنین کا بنایا ہوا ہمارا سردار ہے، امیر المومنین نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ ہمارے دشمن (طغرلبک) کو آنے نہ دیا جائیگا، لیکن وہ بغداد کے قریب پہنچ گیا ہے اور اس کے روکنے کی اب تک کوئی تدبیر نہیں کی گئی، اسی کے ساتھ بساسیری کو واپس بلانے کی درخواست کی،

طغرلبک کا ورود بغداد اور ملک الرحیم سے مصالحت

اس دوران میں طغرلبک بغداد پہنچ گیا، ملک الرحیم میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لئے اس نے قائم کو مختار بنا دیا، کہ وہ جس طرح مناسب سمجھے اس کے اور طغرلبک کے درمیان مفاہمت و معاملت کرادے قائم نے رائے دی کہ وہ طغرلبک کی اطاعت اور اس کا خطبہ قبول کرلے، ملک الرحیم نے مان لیا، اس کے صلہ میں طغرل نے ملک الرحیم کے ساتھ حسن سلوک کا وعدہ کیا اور رمضان ۴۴۷ھ میں بغداد میں طغرل کا خطبہ جاری ہوگیا،

طغرل اس وقت تک بغداد کے باہر مقیم تھا، خطبہ جاری ہونے کے بعد اس نے قائم سے بغداد میں داخل ہونے کی اجازت چاہی، اس نے اجازت دیدی، بغداد کے عمائد و ارکان سلطنت نے طغرلبک کے قیامگاہ پر اس سے مل کر خلیفہ کی جانب سے ملک الرحیم کے ساتھ حسن سلوک کا دوبارہ عہد لیا اور آخر رمضان ۴۴۷ھ میں طغرل بغداد میں داخل ہوگیا،[1]

اہل بغداد اور سلجوقیوں میں جنگ اور ملک الرحیم کی گرفتاری

اس کا داخلہ بہت پرامن ہوا، کسی قسم کا کوئی ناگوار

---

[1] ابن اثیر ج ۹ ص، ۲۱۱ و ۲۱۲

واقعہ نہیں پیش آیا، سلجوقی فوجوں نے کسی سے کوئی تعرض نہیں کیا، لیکن اس کے دوسرے دن چند سلجوقی سپاہیوں نے کسی کام سے ایک بغدادی کو پکڑا، وہ ان کی زبان نہ سمجھتا تھا، اس نے غلط فہمی میں شور مچا دیا، چند بغدادی اس کی حمایت میں سلجوقیوں پر حملہ آور ہو گئے، یہ دیکھکر عوام سمجھے کہ طغرلبک اور ملک الرحیم میں جنگ چھڑ گئی، وہ سلجوقیوں پر ٹوٹ پڑے، ایک جماعت طغرلبک پر حملہ کے لئے اس کے فرودگاہ کی طرف بڑھی، اہل کرخ اس ہنگامہ سے الگ رہے، بلکہ ان سے جہانتک ہو سکا سلجوقیوں کو بچایا، یہ حالات دیکھکر ملک الرحیم الزام سے بچنے کے لئے اپنے امراء کو ساتھ لیکر قصر خلافت میں چلا گیا، اہل شہر کے ناگہانی حملے میں بہت سے سلجوقی مارے گئے، لیکن پھر انھوں نے سنبھل کر پورا مقابلہ کیا، فریقین میں بڑا کشت و خون ہوا، سلجوقیوں نے بغداد کے کئی محلے لوٹ لئے اور شہر میں سخت بدامنی پھیل گئی،

اس کے دوسرے دن طغرل نے قائم کے پاس کہلا بھیجا کہ یہ ہنگامہ ملک الرحیم اور اس کی فوج کے اشارے سے ہوا ہے، اگر اس کا دامن پاک ہے تو اس کو میرے پاس آکر اس کی صفائی دینی چاہئے ورنہ اس کی ساری ذمہ داری اس کے سر ہے، طغرل کے اس پیام پر قائم نے ملک الرحیم کو اپنے قاصدوں کے ہمراہ طغرل کے پاس صفائی دینے کیلئے بھیجا اور خود بھی اس کی صفائی دی، جب یہ لوگ سلطانی قیام گاہ کے پاس پہنچے تو طغرل کی فوج نے ان کو لوٹ لیا اور طغرل نے ملک الرحیم اور اس کے ہمراہیوں کو گرفتار کر کے شروان بھیجدیا،

قائم کو ملک الرحیم کی گرفتاری سخت ناگوار ہوئی، اس نے طغرل کے پاس کہلا بھیجا کہ ملک الرحیم کو میں نے اپنی امان اور اپنی ذمہ داری پر تمہارے پاس بھیجا تھا، اس لئے اس کو رہا کر دو ورنہ میں بغداد چھوڑ دونگا، میں نے اس یقین و اعتماد پر تم کو بغداد

آنے کی دعوت دی تھی کہ تمہارے ذریعہ شرعی احکام کی عظمت قائم ہوگی اور محرمات کی حرمت بڑھے گی، لیکن معاملہ اس کے برعکس نکلا قائم کا یہ پیام سن کر طغرل بک نے کچھ آدمیوں کو رہا کر دیا لیکن ملک الرحیم بدستور قید رہا، اس کے بعد ملک الرحیم کی فوج کی جاگیریں اور بغدادی ترکوں کا کل مال و متاع ضبط کر لیا اور دار المملکۃ کی عمارت تعمیر کر کے اس میں مقیم ہوا، اور خلافت عباسیہ سے تعلقات استوار کرنے کے لئے ۴۴۸ھ میں قائم کے ساتھ اپنی بھتیجی خدیجہ بنت داؤد کا عقد کر دیا،

بغداد سے طغرل کی واپسی

طغرل بک بغداد میں تیرہ مہینے مقیم رہا اس مدت میں سلجوقی سپاہیوں نے اہل بغداد پر بڑی زیادتیاں کیں، اور ان کے ہاتھوں ان کو بڑی تکلیفیں پہنچیں، قائم نے طغرل کے وزیر عمید الملک کندری سے اس کی شکایت کی، طغرل نے اپنی مجبوری ظاہر کر کے اظہار معذرت کیا، اور فوجوں کو بغداد سے کوچ کا حکم دیدیا،

عرب فرماں رواؤں کی مخالفت اور اطاعت

بساسیری ملک الرحیم سے الگ ہونے کے بعد نور الدولہ دبیس بن مزید والی حلہ کے پاس جو طغرل کے مخالفین میں تھا حلہ چلا گیا تھا ۴۴۸ھ میں ان دونوں نے مل کر موصل پر حملہ کر کے قریش بن بدران کو شکست دی اور وہ زخمی ہو کر نور الدولہ کے پاس لایا گیا، اس نے اس کے سامنے مستنصر علوی کا بھیجا ہوا خلعت پیش کیا، شکست خوردہ قریش نے اس کو قبول کیا اور موصل میں مستنصر کا خطبہ جاری کر دیا تھا، بغداد سے روانگی کے وقت طغرل کو اس کی اطلاع ملی، اس لیے وہ بغداد سے سیدھا موصل روانہ ہو گیا، راستہ میں امیر ہزار سب کو اعراب موصل کے مقابلہ کے لئے بھیجا، اس نے ان کو شکست دیکر ان کی بڑی تعداد قتل و گرفتار کی، اور طغرل نے ان سے پورا انتقام لیا،

اعراب کی شکست کی خبر موصل پہنچی تو قریش اور نور الدولہ کی ہمت چھوٹ گئی، انھوں نے

طغرلبک سے صفائی کرکے اطاعت قبول کرلی، لیکن بساسیری کا معاملہ اس نے قائم پر منحصر رکھا، اس لئے وہ موصل چھوڑ کر رحبہ چلا گیا، اور طغرل نے نور الدولہ اور قریش کو ان کی حکومت کے بعض حصے واپس دیدیئے، اس کے بعد دیار بکر اور جزیرہ ابن عمر کی طرف بڑھا، یہاں کے حاکم ابن مروان نے ہدایا و تحائف پیش کرکے رضامند کرلیا، اس مہم میں طغرل کا چھوٹا بھائی قتلمش ہمراہ تھا، اس نے اہل سنجار کی شکایت کی، اس لئے طغرل نے فوج کشی کرکے سنجار کو بزور شمشیر فتح کیا، اور اس کے والی کو قتل کردیا،

طغرل بک کی بغداد واپسی اور خلافت بغداد کی جانب سے حکومت کے جلیل القدر منصب پر تقرر اور عزت افزائی

ان مہمات سے فراغت کے بعد طغرل ۴۴۹ھ میں دوبارہ بغداد گیا، رئیس الرؤسا نے شہر سے باہر نکل کر اس کا استقبال کیا اور قائم کی جانب سے سلام کے بعد ایک مرصع جام اور خلعت پیش کیا، طغرل بک اس عزت افزائی کے شکرانہ میں زمیں بوس ہوا، بغداد کی پہلی آمد میں قائم سے طغرل کی ملاقات نہیں ہوئی تھی، اس مرتبہ اس نے حضوری کی درخواست کی، قائم نے اجازت دی اور خاصہ کا گھوڑا اس کی سواری کے لئے بھیجا، طغرل اس پر سوار ہوکر بارگاہ خلافت میں حاضر ہوا، قائم نے اس کے اعزاز میں خاص دربار منعقد کرکے باریابی کا شرف بخشا، قائم ایک بلند تخت پر تھا، دوش پر ردائے نبوی اور ہاتھ میں عصائے خلافت تھا، چپ و راست ارکان دولت تھے، طغرل نے تخت شاہی کے سامنے زمیں بوس ہوکر دست بوسی کی عزت حاصل کی، قائم نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اعزاز بخشا اور رئیس الرؤسا نے قائم کی جانب سے اعلان کیا کہ "امیر المومنین تمہاری کوششوں کے مشکور، تمہارے کام کے مداح اور تمہاری قربت سے مسرور ہیں، وہ تم کو ممالک محروسہ کا والی بناتے اور خدا کی مخلوق کی ذمہ داری تمہارے سپرد کرتے ہیں، اس کے پورا کرنے میں ہمیشہ خدا کا خوف پیش نظر رکھو، اپنے اوپر اس کی نعمتوں کا احساس کرو، اور عدل وانصاف کے قیام

اور ظلم و جور کے انسداد اور رعایا کی اصلاح میں پوری کوشش کرو۔ اس جلیل القدر منصب کے شکرانہ میں طغرل بک پھر زمیں بوس ہوا، اور خلیفہ کے حکم سے اس کو خلعت پہنایا گیا، اس نے دوبارہ زمیں بوس ہو کر دست بوسی کی عزت حاصل کی اور خلیفہ کے ہاتھوں کو اپنی آنکھوں سے ملا، اس کے بعد اس کو الملک المشرق والمغرب کے لقب سے لقب اور فرمانِ حکومت عطا کیا گیا، ان مراسم کے بعد طغرل اپنے قیام گاہ پر واپس گیا اور قائم کی خدمت میں پچاس ہزار اشرفیاں نقد، بیش قیمت ہدایا، پچیس ترکی سوار مع اسپ و ساز نذر کیا اور قیمتی کپڑے نذر بھیجا[1]

ابراہیم ینال کی بغاوت اور اس کا قتل

طغرل کے قیام بغداد کے زمانہ میں اس کا بھائی ابراہیم ینال جسے وہ موصل کی نگرانی کے لئے چھوڑ آیا تھا، اس کے خلاف ہو گیا اور موصل چھوڑ کر ہمدان چلا گیا، بساسیری اور قریش بن بدران قریب ہی تھے، میدان خالی پا کر موصل پہنچ گئے طغرل کو اسکی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً بغداد سے موصل روانہ ہو گیا، اس کی آمد کی خبر سن کر دونوں نے موصل چھوڑ دیا، اور طغرل ابراہیم کے مقابلہ کے لئے ہمدان پہنچا، لیکن ابراہیم کی قوت زیادہ تھی اس لئے طغرل رے چلا گیا اور اپنے بھتیجوں الپ ارسلان یاقوتی اور قاروت کو بلا کر انکی مدد سے ابراہیم کو شکست دے کر گرفتار کر لیا، ابراہیم کو کئی مرتبہ طغرل معاف کر چکا تھا لیکن وہ مخالفت سے باز نہ آتا تھا، اس لئے طغرل نے اس کو قتل کرا دیا،

بغداد پر بساسیری کا قبضہ اور قائم کی حدیثہ روانگی

ابراہیم کے مقابلہ میں طغرل کی مشغولیت دیکھ کر قریش بن بدران اور بساسیری بغداد پہنچ گئے، یہاں کوئی روکنے والا نہ تھا، اس لئے ذیقعدہ سنہ ۴۵۰ھ میں بساسیری نے بغداد پر قبضہ کر کے یہاں مستنصر علوی کا خطبہ جاری کر دیا، اتفاق سے بغداد میں اس وقت کوئی تجربہ کار افسر موجود نہ تھا، چند عمائد بغداد نے عوام کو

---

[1] ابن اثیر ج ۹ ص ۲۲۱،

ساتھ لے کر مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن انھوں نے شکست کھائی اور بساسیری نے حریم خلافت کو لوٹ لیا اور باب نوبی تک گھس آیا، عمید عراق کو مجبور ہو کر قریش کے دامن میں پناہ لینی پڑی، قائم نے یہ صورت دیکھی تو سیاہ لباس پہن کر قصر خلافت سے نکل آیا، اس وقت اس کے لئے کوئی جائے پناہ نہ تھی، اس لئے اسے مجبور ہو کر قریش سے جو اگرچہ اس وقت بساسیری کیساتھ تھا لیکن عرب تھا اپنے اور اپنے تمام متعلقین و وابستگان دولت کیلئے پناہ لینی پڑی، بساسیری کو معلوم ہوا تو اس نے کہلا بھیجا کہ یہ معاہدہ کے خلاف ہے، اس لئے قریش کو رئیس الرؤساکو اس کے حوالہ کر دینا پڑا، اور قائم کو اپنے چچیرے بھائی مہارش کی حفاظت میں دیدیا، یہ اپنے ساتھ عزت و حرمت کیساتھ اسکو حدیثہ لے گیا، اور اس کی خدمت گذاری کا پورا حق ادا کیا،

بساسیری نے اہل بغداد میں اثر قائم کرنے کے لئے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا، قائم کی ضعیف والدہ کو ایک علحدہ گھر دیدیا اور اس کی خدمت کے لئے دو کنیزیں مقرر کر کے وظیفہ جاری کر دیا لیکن رئیس الرؤسا اور عمید العراق سے اس کو پرانی عداوت تھی، ان کو اس نے معاف نہیں کیا، اور رئیس الرؤسا کی تشہیر کر کے سولی پر آویزاں کیا، اور عمید عراق کو قتل کر دیا، اور مستنصر علوی کی خوشنودی کے لئے ان کارروائیوں کی اطلاع مصر بھجوائی، لیکن وہاں سے کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں ملا،

بساسیری کا اخراج اور قائم کی واپسی

اس زمانہ میں طغرل ابراہیم نیال کے مقابلہ میں مشغول تھا، اس لئے بغداد کے معاملات کی طرف توجہ نہ کر سکا، اس سے فراغت کے بعد قریش بن بدران اور بساسیری کو لکھ بھیجا کہ اگر وہ خلیفہ کو بحال کر دیں تو وہ بغداد میں صرف اپنے سکہ اور خطبہ پر قناعت کرے گا اور عراق ان کے لئے چھوڑ دیگا، لیکن بساسیری اس پر رضامند نہ ہوا، اس لئے طغرل بک کو فوج کشی کرنی پڑی، بساسیری میں اس کو روکنے کی طاقت نہ تھی، اس لئے ایک

سال کے قیام کے بعد ذیقعدہ ۴۵۰ھ میں اس کو بغداد چھوڑنا پڑا،

طغرل نے راستہ ہی سے قائم کو واپس لانے کیلئے ابن فورک کو قریش بن بدران کے پاس بھیجدیا تھا، قریش کی نیت میں فتور تھا، اس نے اپنے بھائی مہارش کے پاس کہلا بھیجا کہ میں سلجوقیوں سے بچنے کے لئے خلیفہ کو تمہاری امانت میں دیدیا تھا، اب وہ پھر آگئے ہیں، اس لئے تم خلیفہ کو لے کر خشکی کے علاقہ کی طرف نکل جاؤ، جب وہ اسکو ہمارے ساتھ دیکھیں گے تو پھر عراق کا رخ نہ کریں گے، اور ان سے ہم کو آزادی مل جائے گی، لیکن مہارش نے اس کی تعمیل نہیں کی، اور قائم کو لے کر بغداد روانہ ہوگیا، دوسری طرف سے طغرل آرہا تھا، نہروان میں دونوں ملے، طغرل نے قائم کے سامنے زمین بوس ہوکر اس کی سلامتی پر مبارکباد پیش کی اور ابراہیم کی بغاوت کی وجہ سے وقت پر بغداد نہ پہنچنے کی معذرت کی اور وعدہ کیا کہ بساسیری کو بہت جلد اس کے کئے کی سزا کو پہنچائے گا، اور مستنصر علوی سے پورا بدلہ لے گا، اس وفاداری کے صلہ میں قائم نے اپنے دست خاص سے اس کے تلوار باندھی، اور طغرل اس کی پیشوائی کیلئے اس کے ورود سے دو چار دن پہلے بغداد پہنچ گیا، اور ذیقعدہ ۴۵۱ھ میں اپنے ہاتھوں سے قائم کی سواری کی لگام تھام کر قصر خلافت میں لے گیا، اس کی واپسی پر بغداد میں بڑا جشن ہوا شعراء نے قصائد تہنیت پیش کئے،

بساسیری کا قتل بساسیری اس وقت تک عراق میں مقیم تھا، قائم کی واپسی کے بعد طغرل نے اس کے استیصال کے لئے فوجیں روانہ کیں، بساسیری کا ساتھی نور الدولہ تو بطیحہ نکل گیا، لیکن بساسیری خود ٹھہرا رہا، اس دوران میں سلجوقی فوجیں پہنچ گئیں، اس وقت بساسیری نے نکل جانا چاہا، لیکن گھوڑے سے گر پڑا، سلجوقیوں نے پکڑ کر قتل کر دیا اور اس کا سر لیجا کر طغرل کے سامنے پیش کیا، اس نے بغداد میں سر کی تشہیر کرائی، اور جسم کو سولی پر آویزاں کیا،

اور بغداد میں اس کا جس قدر مال و متاع تھا، سب ضبط کر لیا گیا، بساسیری کے قتل سے طغرل اور قائم دونوں کی راہ کا ایک بڑا کانٹا صاف ہوگیا،

طغرل کی واپسی بساسیری کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد طغرل بغداد کا نظام درست کرکے واسط گیا، اور عراق کے امراء کو مختلف حصوں پر مامور کیا، اور ۴۵۲ھ میں امیر عزالدولہ دبیس بن مزید، ابوعلی بن کالیجار وغیرہ کو لے کر بغداد واپس آیا، قائم نے ان کے اعزاز میں دعوت کی، طغرل نے بھی ان سب کو مدعو کیا اور انہیں خلعتیں تقسیم کیں، اور امیر برسق کو بغداد کا شحنہ بنا کر ربیع الاول ۴۵۲ھ میں اپنے مستقر واپس گیا،

قائم کی لڑکی سے طغرل کا نکاح اور اس کا انتقال ۴۵۳ھ میں طغرل بک نے قائم کی لڑکی کے ساتھ شادی کی درخواست کی، یہ جرأت آج تک ترک دیالمہ کسی نے بھی نہ کی تھی، قائم کو اس سے بڑی ناگواری ہوئی اور اس نے سختی کے ساتھ اس رشتہ سے انکار کر دیا، اور معاملہ اتنا طول کھینچ گیا کہ قائم بغداد چھوڑنے پر آمادہ ہوگیا، لیکن پھر آخر میں خیرخواہانِ دولت کے مشورہ سے چار و ناچار منظور کرنا پڑا، اور شعبان ۴۵۴ھ میں تبریز میں عمید الملک کی وکالت میں اس شرط پر کہ یہ رشتہ صرف شرفِ انتساب کے لئے ہے، میاں بیوی میں زن و شوہر کے تعلقات قائم نہ ہو سکیں گے، نکاح ہوگیا، اور دلہن بغداد ہی میں رہی،

۴۵۵ھ میں طغرل بیوی سے ملنے کے لئے بغداد آیا، عمید الملک نے اسے شرط یاد دلائی کہ میاں بیوی خلوت میں نہیں مل سکتے، طغرل نے منظور کیا اور قصر خلافت میں دلہن ایک زریں تخت پر بیٹھی، طغرل نے اس کے سامنے زمین بوسی پر اکتفا کی، اور بہت سا زر و سامان اور بیش قیمت جواہرات جو دلہن کے لئے لایا تھا پیش کئے، اور اہل بغداد کی عام دعوت کی جس کا سلسلہ کئی دن تک جاری رہا، بغداد کے عمائد اور ارکین سلطنت کو خلعتیں تقسیم کیں،

ایک مہینہ قیام کے بعد ربیع الاول ۴۵۵ھ میں اپنے دار السلطنت رے واپس گیا، واپسی کے چھ مہینے کے بعد رمضان ۴۵۵ھ میں انتقال کر گیا، اس وقت ستر سال کی عمر تھی، مدت حکومت ۲۶ سال اور خلافت بغداد کی تولیت کی مدت آٹھ سال تھی،

اوصاف طغرل کے کمالات اور اوصاف جہانبانی خود اس کی زندگی کے واقعات سے ظاہر ہیں، اس نے اپنی قوت بازو سے ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی اور مخالف طاقتوں کو مغلوب کر کے اسکو اس قدر مضبوط کر گیا کہ اس کے جانشینوں نے اسکی بنیاد پر سلجوقی حکومت کا عظیم الشان قصر تعمیر کیا، خلافت بغداد کو دیالمہ کے پنجہ سے آزاد کرایا، اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے تمام مفتوحہ ملکوں کو اپنے بھائی بھتیجوں میں تقسیم کر دیا،

وہ ایک راسخ العقیدہ اور دیندار مسلمان اور پاکباز متقی فرماں روا تھا، نماز پنجگانہ با جماعت ادا کرتا تھا تہجد کبھی ناغہ نہ ہوتی تھی، ہر جمعہ، دوشنبہ کو روزہ رکھتا تھا، صدقات و خیرات کرتا تھا مسجدوں کے بنوانے سے شغف رکھتا تھا، کہا کرتا تھا کہ مجھے خدا سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ کوئی عمارت بنواؤں اور اس کے پہلو میں مسجد نہ ہو، (اختصار دولت آل سلجوق عماد الدین اصفہانی ص۲۶)

الپ ارسلان طغرل خود لاولد تھا، اپنے بھتیجے سلیمان بن داؤد کو اپنا جانشین بنا گیا تھا، چنانچہ اس کی وفات کے بعد رمضان ۴۵۵ھ میں وہ تخت نشین ہوا، قتلمش بن اسرائیل والی قونیہ نے اس کو تسلیم نہیں کیا، اور اس کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، بعض اور امرا نے بھی سلیمان کی مخالفت کی، اور اس کے بجائے طغرل کے دوسرے بھتیجے الپ ارسلان کا خطبہ جاری کر دیا، یہ صورت دیکھ کر طغرل کا وزیر عمید الملک کندری بھی الپ ارسلان کے ساتھ ہو گیا، قتلمش نے اس کی بادشاہت بھی تسلیم نہیں کی، لیکن الپ ارسلان نے اسکو مغلوب کر لیا، ایک روایت یہ ہے کہ وہ جنگ میں مارا گیا، دوسری یہ کہ گھوڑے سے گر کر مر گیا،

قتلمش کے بعد الپ ارسلان کی جانشینی مسلم ہوگئی اور اس نے اپنے کاتب نظام الملک طوسی کو وزیر بنایا، عمید الملک کندری کا درخور بھی قائم رہا، ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتی تھیں، اس لئے اس میں اور نظام الملک میں اختلاف شروع ہوگیا، نظام الملک نے الپ ارسلان کو بھڑکا کر عمید الملک کو قید کرا دیا اور چند دنوں کے بعد وہ قتل کر دیا گیا، قتل کے وقت اس نے الپ ارسلان کے پاس یہ پیام کہلا بھیجا کہ "حضور کے خانوادہ کی خدمت میرے لئے مبارک تھی، اس کے طفیل میں مجھے دونوں جہان کی نعمتیں ملیں، حضور کے چچا نے وزیر بنا کر دنیا کا حاکم بنایا، اور حضور نے درجۂ شہادت پر سرفراز کر کے دوسرے جہان میں امتیاز بخشا" اور نظام الملک سے کہلا بھیجا کہ تم نے بادشاہ کو وزیر کشی کی تعلیم دے کر ایک بری رسم قائم کی ہے، عجیب کیا ہے کہ ایک دن تم کو یا تمہاری اولاد کو بھی یہ دن دیکھنا پڑے[1]،

۴۵۶ھ میں الپ ارسلان نے قائم کی لڑکی اور طغرل کی بیوی کو جو رے میں تھی، بڑے تزک و احتشام سے بغداد واپس کیا اور قائم سے خطاب و خلعت کی درخواست کی، اس نے ضیاء الدین عضد الدولہ کا لقب اور خلعت عطا کیا اور قاصد بھیج کر الپ ارسلان سے اپنی بیعت لی[2]،

خلافت بغداد کی تصدیق کے بعد الپ ارسلان نے توسیع حکومت کی جانب توجہ کی، وہ بڑا اولو العزم، حوصلہ مند اور شجاع و بہادر تھا، فتح و نصرت اس کے ہمرکاب تھی، کسی مہم میں ناکام نہیں رہا، اپنے زمانہ میں اس نے ایران کی سلجوقی حکومت کو مشرق کا امپائر بنا دیا، اس کے کارناموں کی تفصیل بہت طویل ہے، اس کا پورا تذکرہ انشاء اللہ سلجوقیوں کی تاریخ میں آئیگا اس سلسلہ میں الپ ارسلان کے دو کارنامے زیادہ اہم اور قابل ذکر ہیں، ایک حکومت قسطنطنیہ کے خطرہ کا انسداد، دوسرے حرمین میں فاطمیوں کے بجائے عباسی خطبہ کا اجراء،

گرجستان کی فتح | خلافت بغداد کے زوال کے بعد اس میں اور رومیوں میں معرکہ آرائی کا سلسلہ

۱؎ راحۃ الصدور ص۱۰۱ و تاریخ گزیدہ ص۴۳۹، ۲؎ ابن اثیر ج۱۰، ص۱۱،

قریب قریب بند ہوچکا تھا اس کے متولی دیالمہ میں کوئی جوش و ولولہ نہ تھا، وہ ایران کی حکومت پر قانع تھے، ان کے برعکس سلجوقیوں کے حوصلہ کے سامنے تنہا وسط ایشیا کا میدان تنگ تھا اس لئے وہ ابتداہی سے قسمت آزمائی کے لئے مختلف ملکوں میں پھیل گئے تھے، اور قتلمش ابن ارسلان نے ایشیائے کوچک کو اپنے حوصلہ کا آماج گاہ بنایا تھا اور اس کا بڑا حصہ فتح کرکے اپنی حکومت قائم کرلی تھی جو ڈھائی صدیوں تک قائم رہی اُسکے حالات ہمارے موضوع سے خارج ہیں،

خود طغرل بک کی سلطنت کے حدود ارمنستان تک پہنچ گئے تھے، جہاں سے قسطنطنیہ کی حکومت یا اس کے ماتحت حکمرانوں کے حدود شروع ہوجاتے تھے، اس لئے دونوں میں تصادم ناگزیر تھا، چنانچہ ۴۵۶ھ میں الپ ارسلان نے اران اور گرجستان کے صوبوں پر فوج کشی کی، اور اس کے لڑکے ملک شاہ اور وزیر نظام الملک نے رومیوں کے متعدد قلعے فتح کئے اور شہر مریم نشین کا محاصرہ کیا، یہ عیسائیوں کا بڑا مقدس شہر تھا، پوری عیسائی دنیا اسکی تعظیم کرتی تھی، اس کے گرد سنگین شہر پناہ اور چاروں طرف نہر رواں تھی، عیسائیوں نے مدافعت میں پوری قوت صرف کردی، لیکن سلجوقی شہر پناہ تک پہنچ کر کمند کے ذریعہ فصیل پر چڑھ گئے اہل شہر نے جو مدافعت کرتے کرتے تھک چکے تھے سپر ڈال دی اور شہر پر قبضہ ہوگیا،[1]

الپ ارسلان دوسری سمت مصروف پیکار تھا اُسے مریم نشین کی فتح سے بڑی مسرت ہوئی، اور وہ ملک شاہ اور نظام الملک کو واپس بلاکر سپید شہر کی طرف بڑھا، اور اسے فتح کرکے اعال لال کے قلعہ کا رخ کیا، یہ بڑا سنگین اور مستحکم شہر تھا، اس کے مشرق و مغرب میں پہاڑ کی قدرتی دیوار اور متعدد مستحکم قلعے تھے، دوسری سمت نہر حائل تھی، الپ ارسلان نے اس پر پل تعمیر کرکے شہر پر حملہ کیا، اہل شہر نے ہر چند مدافعت کی، لیکن روکنے میں کامیاب نہ ہوسکے، اور سلجوقیوں

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۳،

نے اُنھیں شکست دیکر شہر پر قبضہ کر لیا،

اعال لال کی تسخیر کے بعد شہر آنی کا رخ کیا اور راستہ کی عیسائی آبادیوں کو مطیع کرتے ہوئے آنی پہنچا، یہ اتنا بڑا شہر تھا کہ اسمیں پانسو گرجے تھے، اس کے تین طرف دریائے ارس تھا اور چوتھی سمت نہر تھی، شہر تک پہنچنے کے لئے تھوڑا سا خشکی کا راستہ تھا، الپ ارسلان نے لکڑی کا برج بنا کر سنگباری اور تیر اندازی کے ذریعہ اہل شہر کو فصیل سے ہٹا دیا، اور حملہ کرکے شہر پناہ کی دیوار تک پہنچ گیا، عین اس وقت اس کا ایک حصہ جو سنگباری سے کمزور ہو چکا تھا، گر گیا اور سلجوقی اس کے راستہ سے داخل ہو کر شہر پر قابض ہو گئے، گرجستان کے فرمانروا نے جب دیکھا کہ سلجوقیوں کا روکنا اس کے بس سے باہر ہے تو اس نے جزیہ دے کر صلح کر لی اور الپ ارسلان مفتوحہ علاقوں کی حفاظت کے لئے فوج چھوڑ کر مرو واپس گیا، ان فتوحات سے اسلامی دنیا کو بڑی شادمانی و مسرت ہوئی، قائم نے خاص طور سے خوشنودی کا اظہار اور الپ ارسلان کے لئے دعا کی،[1]

قیصر ارمانوس کی شکست اور گرفتاری | ان فتوحات کا تعلق اگرچہ براہ راست قسطنطنیہ کی حکومت سے نہ تھا، لیکن یہ صوبے رومی حکومت کے ہم سرحد اور اس کے باجگذار تھے، اس لئے بالواسطہ رومی حکومت پر ان کا اثر پڑنا ناگزیر تھا، اس لئے قیصر ارمانوس دیوجانس نے ۴۶۳ھ میں سلجوقیوں کی یورش کو روکنے کے لئے رومی، روسی، عربی، قفجاقی، گرجی، خزر اور ارمنی قوموں کا تین لاکھ کا لشکر جرار لے کر اسلامی حدود کی طرف بڑھا، الپ ارسلان کو آذربیجان میں اس کی اطلاع ملی، ارمانوس ملاذکرد تک پہنچ چکا تھا، الپ ارسلان کے لئے تیاری کا موقع نہ تھا، اس لئے اس نے اپنی بیوی کو نظام الملک کے ہمراہ ہمدان بھیجدیا، اور خود کل پندرہ ہزار فوج لیکر ارمانوس کے مقابلہ کے لئے نکل کھڑا ہوا، خلاط کے قریب دونوں کے مقدمۃ الجیش کا سامنا

[1] ابن اثیر ج ۱۰، ص ۱۳ و ۱۴،

ہوا، گو رومی مقدمۃ الجیش کی تعداد پوری سلجوقی فوج سے بھی زیادہ تھی، لیکن اس کے باوجود سلجوقیوں نے اس کو شکست دے کر اس کے سپہ سالار کو گرفتار کر لیا، اور ان کی مقدس صلیب کو چھین کر نشان فتح کے طور پر بغداد بھیجا،

اس دوران میں اصل رومی لشکر نے خلاط کا محاصرہ کر لیا، یہاں کے مسلمانوں کے پاس کوئی قوت نہ تھی، اس لئے تھوڑی مدافعت کے بعد انھوں نے شہر رومیوں کے حوالہ کر دیا، انھوں نے سارے اہل شہر کو قیدی بنا لیا، اس کے دوسرے دن سلجوقی فوج پہنچی، اس نے رومیوں کو ہٹا کر مسلمانوں کو ان سے چھڑایا، اس کے بعد الپ ارسلان پہنچا اور رومیوں کے قریب ہی خیمہ زن ہوا، پہلے اس نے مصالحت کی کوشش کی، لیکن ارمانوس نے جواب دیا کہ "صلح تمہارے پایہ تخت رے پہنچ کر ہوگی"، اس جواب کے بعد جنگ ناگزیر ہوگئی، لیکن دونوں کی قوتیں کوئی تناسب نہ تھا، امام ابو نصر محمد بن عبد الملک حنفی نے جو الپ ارسلان کے ساتھ تھے، اس کا حوصلہ بڑھایا، کہ "تم خدا کے دین کی حمایت میں لڑ رہے ہو جس کی امداد اور غلبہ کا اس نے وعدہ کیا ہے، اس لئے خدا تم کو ضرور کامیاب کریگا"، اور دوسرے دن نماز جمعہ کے بعد آغاز جنگ کا مشورہ دیا،

الپ ارسلان نے دوسرے دن مجاہدین کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی، اس پر ایسی خشیت اور رقت طاری ہوگئی، اس کے ساتھ سارے نمازی رونے لگے، اور اسی حالت میں سب نے بارگاہ ایزدی میں فتح و نصرت کی دعا کی، اور الپ ارسلان لباس بدل کر گھوڑے پر میدان جنگ پہنچا، اور پندرہ ہزار سلجوقی لاتعداد رومیوں کی صف میں گھس گئے، اور اس شدت کا معرکہ ہوا کہ میدان جنگ میں خون کا دریا بہنے لگا، ہر طرف کشتوں کے انبار لگ گئے، یہ معرکہ سلجوقیوں کی شجاعت کی حیرت انگیز مثال ہے، ان کی جانبازی نے کئی لاکھ رومیوں کو بڑی

فاش شکست دی، قیصر ارمانوس گرفتار ہوکر الپ ارسلان کے حضور میں پیش کیا گیا، اس نے طنزاً پوچھا تم ہی نے میرے پیام صلح کو ٹھکرایا تھا، ارمانوس نے جواب دیا جو تمھارے دل میں آئے فیصلہ کردو، لیکن مجھے جھڑکو مت، الپ ارسلان نے پوچھا اگر تم مجھے گرفتار کرلیتے تو میرے ساتھ کیا سلوک کرتے، ارمانوس نے کہا بہت برا، الپ ارسلان نے کہا میرے متعلق کیا خیال ہے میں تمھارے ساتھ کیسا سلوک کرونگا، ارمانوس نے کہا یا قتل کردگے یا تشہیر کردگے تیسری صورت یعنی فدیہ لے کر چھوڑنے کی امید نہیں، الپ ارسلان نے کہا میں یہی تیسری صورت اختیار کرونگا چنانچہ کئی کرور فدیہ کے وعدہ پر اس کو رہا کردیا، اور یہ شرط قرار پائی کہ الپ ارسلان کو جس وقت فوجی مدد کی ضرورت پیش آیا کرے گی ارمانوس مدد کیا کریگا، اور اس کے یہاں جس قدر مسلمان قید ہیں، سب کو رہا کردے گا،

صلح کے بعد الپ ارسلان نے ارمانوس کو شاہی خیمہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا، دس ہزار اشرفیاں زادراہ کے لئے دیں، اور اس کی مشایعت کے لئے بطریقوں کی ایک جماعت کو جو جنگ میں قید ہوئے تھے، رہا کرکے سب کو خلعتیں دیں، ارمانوس اس شریفانہ سلوک سے اتنا متاثر ہوا کہ دوبارہ الپ ارسلان کے پاس جاکر اظہار اطاعت کیا اور دونوں میں پچاس سال کے لئے تحریری معاہدہ ہوگیا، سلطان نے خاص اپنی فوج حفاظت کے لئے ساتھ کی اور ایک فرسخ تک خود رخصت کرنے کے لئے گیا،

اس دوران میں قسطنطنیہ میں انقلاب ہوگیا، ارمانوس کی گرفتاری کے بعد میخائیل نے قسطنطنیہ کے تخت پر قبضہ کرلیا، راستہ میں ارمانوس کو اس کی اطلاع ملی، وہ اپنی شکست سے بہت متاثر تھا، اس خبر نے اس کا دل توڑ دیا، اور اس نے راہبانہ زندگی اختیار کرلی اور میخائیل کے پاس کہلا بھیجا کہ میں نے رومی حکومت کی جانب سے الپ ارسلان سے جو معاہدہ کیا تھا

اس کے رد و قبول کا تم کو اختیار ہے، میخائیل نے زر فدیہ کی ادائگی کے علاوہ معاہدہ کے اور تمام شرائط قبول کر لئے، ارمانوس کو سب سے زیادہ اسی شرط کے ایفاء کا خیال تھا، اس نے اپنا کل اندوختہ جو اس کے پاس بچ رہا تھا اور جس کی تعداد دو لاکھ تھی اور نوے لاکھ کے قیمتی جواہرات اس معذرت کے ساتھ الپ ارسلان کے پاس بھجوائے کہ تاج و تخت سے محرومی کے بعد اس سے زیادہ رقم کی ادائیگی میرے امکان سے باہر ہے، الپ ارسلان نے اسکو قبول کر لیا[1]،

حرمین میں عباسی خطبہ کا اجراء

مصر کے فاطمی خلفاء عباسیوں کے حریف مقابل تھے، دیالمہ نے بھی ہم مذہبی کی بنا پر ان سے کبھی کوئی تعرض نہیں کیا تھا، اس لئے ان کا اثر و اقتدار برابر بڑھتا گیا، اور حرمین تک میں ان کا خطبہ جاری ہو گیا تھا، سلجوقی سنی تھے، جب انھوں نے دیالمہ کی جگہ لی تو فاطمیوں کی قوت توڑنے کی کوشش کی، چنانچہ طغرل بک نے مصر پر حملہ کا ارادہ کیا تھا، لیکن اس کا موقع نہ مل سکا الپ ارسلان کے زمانہ میں اس کے قدرتی اسباب پیدا ہو گئے،

اتفاق سے سلجوقیوں کے زمانہ میں فاطمیوں کا نظام بگڑ چکا تھا، اور مصر میں سخت ابتری پھیل گئی تھی، مقریزی کا بیان ہے کہ عوام کے ساتھ مستنصر فاطمی کے اختلاط اور اسکی سفلہ پروری سے معاملات و مقدمات کی تعداد اتنی بڑھ گئی تھی کہ ایک ایک دن میں آٹھ آٹھ سو استغاثوں کی نوبت آجاتی تھی، اس لئے قدرۃً وزراء اور قضاۃ کے مصارف بہت زیادہ بڑھ گئے تھے، عمید الدولہ اور وزراء میں اختلاف کی وجہ سے وزراء کی قوت کمزور پڑ گئی تھی، اور حکومت کا نظام بگڑ گیا تھا، صوبوں پر خود سر امراء کے قبضہ کی وجہ سے حکومت کے محاصل گھٹ گئے تھے، امراء کی خود سری کے ساتھ حکومت کا مالی نظام ابتر ہو گیا تھا[2]،

اس کے مقابلہ میں سلجوقیوں کی طاقت روز افزوں ترقی پذیر تھی، ان کے تسنن کی وجہ سے

[1] یہ حالات زیادہ تر ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۲ و ۲۳ اور دولت آل سلجوق ص ۳۷ تا ۴۲ سے ماخوذ ہیں [2] مقریزی ج ۲ ص ۱۷۲

ملک کا عام رجحان بھی ان کی طرف تھا اسلئے خود بخود لوگ ان کی طرف مائل ہونے لگے چنانچہ ۴۶۲ھ میں محمد بن ابی ہاشم امیر مکہ نے فاطمیہ سے تعلق منقطع کرکے الپ ارسلان کی اطاعت قبول کرلی اور مکہ میں اس کے نام کا خطبہ جاری کردیا، الپ ارسلان نے اس کے صلہ میں خلعت اور تیس ہزار نقد نذرانہ بھیجا، اور دس ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کیا[1]،

والی حلب کی اطاعت اسی زمانہ میں ناصر الدولہ حمدانی نے جو مستنصر علوی کے امراء میں تھا اور اس کے خلاف ہوگیا تھا، ابو جعفر محمد بن احمد بخاری کے ذریعہ الپ ارسلان کو مصر پر حملہ کی دعوت دی، اس دعوت پر وہ شام کی طرف بڑھا، راستہ میں محمود بن صالح والی حلب نے جو فاطمی حکومت کے ماتحت تھا، الپ ارسلان کی اطاعت قبول کرکے حلب میں اس کا خطبہ جاری کیا، قائم نے اس کے صلہ میں محمود کے لئے خلعت بھجوائی، لیکن محمود شیعوں کی اذان چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا، اس لئے الپ ارسلان نے حلب کا محاصرہ کرلیا، چند دنوں کے بعد محمود محاصرہ کی سختی سے گھبرا کر اپنی ضعیفہ ماں کو لے کر الپ ارسلان کی خدمت میں حاضر ہوگیا اس نے اس ضعیفہ کی سفارش پر محمود کی حکومت بحال رکھی، اور خلعت بھی عطا کیا[2]،

فلسطین پر قبضہ حلب کے بعد آگے بڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ خراسان پر رومیوں کی فوج کشی کی خبر ملی، اس لئے شام کی مہم ترکوں کے ہاتھوں میں چھوڑ کر خراسان چلا گیا، اس کی واپسی کے بعد اتسز ترکی نے ۴۶۳ھ میں عسقلان کے علاوہ پورے فلسطین پر قبضہ کرلیا، اور دمشق پر حملہ آور ہوا لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اس لئے لوٹ گیا،

ملک شاہ کی ولیعہدی ۴۶۴ھ میں الپ ارسلان نے قائم کی اجازت سے اپنے لڑکے ملکشاہ کو باقاعدہ ولیعہد بنایا، قائم نے اس کے لئے خلعت بھیجا، اور الپ ارسلان کی لڑکی سفریہ خاتون

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۱ [2] ایضاً ص ۲۲،

کیسا اپنے ولیعہد مقتدی کے عقد کا پیام بھیجا، الپ ارسلان نے بڑی مسرت سے اس اعزاز کو قبول کیا، اور عمید الملک اور نظام الملک کی وکالت میں نیشاپور میں غائبانہ عقد ہوا، عقد کے بعد عمید الملک نے اصفہان جاکر ملک شاہ کو قائم کا عطا کردہ خلعت پہنایا،

ترکستان پر فوج کشی اور الپ ارسلان کی وفات

مغرب کے بعد الپ ارسلان نے مشرق کی جانب توجہ کی اور ۴۶۵ھ میں ماوراء النہر کے علاقہ پر فوج کشی کی، جیحون کے پار چند سلجوقی سپاہی ایک قلعدار یوسف خوارزمی کو پکڑ کر الپ ارسلان کے پاس لائے، اس نے اس سے کچھ باتیں دریافت کیں، یوسف نے گستاخانہ جواب دیا، الپ ارسلان نے اس کو سزا دینے کا حکم دیا، یوسف بگڑ کر الپ ارسلان پر حملہ کے قصد سے بڑھا، خدام نے روکنا چاہا، لیکن سلطان نے ان کو منع کر دیا، اور یوسف پر خود تیر چلایا، اتفاق سے نشانہ خطا کر گیا، اور یوسف نے الپ ارسلان کو زخمی کر دیا، وہ خود تو مارا گیا، لیکن سلطان کا زخم کاری تھا، وہ اس سے جانبر نہ ہو سکا اور اس کے صدمہ سے ربیع الاول ۴۶۵ھ میں انتقال کر گیا، لاش مرو لیجا کر باپ کے پہلو میں دفن کی گئی، انتقال کے وقت کل چالیس سال کی عمر تھی، مدت حکومت نو سال چھ مہینے،[1]

اوصاف و کمالات

الپ ارسلان اوصاف جہانبانی میں طغرل کا صحیح جانشین اور بعض دوسرے اوصاف و خصوصیات میں اس سے بڑھا ہوا تھا، اس نے سیاسی اور تمدنی دونوں حیثیتوں سے سلجوقی حکومت کو بڑی ترقی دی، اس کا رقبہ اتنا وسیع کر دیا کہ اس کا ایک سرا ترکستان سے ملتا تھا اور دوسرا شام سے، ابن خلکان کا بیان ہے کہ قتلمش کے مقابلہ میں کامیابی کے بعد الپ ارسلان ملکوں پر چھا گیا، اسکی سلطنت کے حدود بہت بڑھ گئے، اس کی سطوت و ہیبت دلوں پر بیٹھ گئی، اس کی فتوحات کا دائرہ اور سلطنت کا رقبہ طغرل کی سلطنت سے

[1] راحۃ الصدور ص ۱۲۰ و تاریخ گزیدہ ص ۴۴۳، عربی مورخین کا بیان اس سے کسی قدر مختلف ہے؛

زیادہ بڑھ گیا، مغرب میں وہ شام تک پہنچ گیا اور حلب میں محمود بن صالح کو مطیع بنایا، اسلام کی تاریخ میں وہ پہلا ترک فرماں روا ہے جس نے فرات کو عبور کر کے سرزمین شام میں قدم رکھا، اور ترکستان میں جیحوں پار تک پہنچ گیا،[1]

ابن اثیر اس کے اوصاف کے ذکر میں لکھتا ہے، الپ ارسلان فیاض، عادل، عاقل، وفرزانہ تھا، اس کی حکومت کے حدود بہت وسیع ہو گئے تھے، ایک عالم اس کے سامنے جھک گیا تھا، اور اس کو سلطان العالم بالکل بجا کہا جاتا ہے،[2]

سلطنت کی توسیع کے ساتھ اس نے اسکو انتظامی اور تمدنی حیثیت سے بھی ترقی دی، ملک کے امن و امان کا یہ حال تھا کہ اس کے حدود حکومت میں جرائم مفقود ہو گئے تھے، رعایا کا مال اتنا محفوظ تھا کہ حکومت کے اصل محاصل کے سوا ناجائز آمدنی کا ایک حبہ نہ لیا جاتا تھا، بڑے سے بڑا عہدہ دار ادنیٰ سے ادنی شخص کے مال کی جانب نگاہ اٹھانے کی جرأت نہ کر سکتا تھا، ایک مرتبہ الپ ارسلان کو اطلاع ملی کہ اس کے ایک غلام نے ایک دیہاتی کا تہ بند چھین لیا ہے، اس جرم میں اس نے اس غلام کو سولی پر چڑھا دیا، گو جرم کے مقابلہ میں یہ سزا نہایت سنگین ہے، لیکن اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کسی شخص کو دوسرے کے مال پر دست درازی کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی، ایک مرتبہ ایک شخص نے الپ ارسلان کو لکھا کہ نظام الملک ناجائز روپیہ حاصل کر کے جمع کرتا ہے، نظام الملک کو اس کے مزاج میں جو رسوخ حاصل تھا وہ محتاج بیان نہیں، اس کے باوجود الپ ارسلان نے یہ تحریر اُن کے حوالہ کر کے کہا اگر یہ تحریر صحیح ہے تو تم کو اپنی اصلاح اور اپنے اخلاق درست کرنے چاہئیں، اور اگر غلط ہے تو لکھنے والے کو معاف کر دو،[3]

---

[1] ابن خلکان ج ۲ ص ۴۶ [2] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۶ [3] ایضاً،

وہ طبعاً نہایت رقیق القلب اور غریب پرور تھا، کان رحیم القلب رفیقا بالغربا[۱]
غربا پر بکثرت خیرات کرتا تھا، رمضان میں پندرہ ہزار اشرفیاں تقسیم کرتا تھا، سارے ملک کے
فقرا، و مساکین کے نام درج رجسٹر تھے اور حکومت ان سب کی کفالت کرتی تھی،[۱] خاص پایہ تخت
کے محتاجوں کے لئے مطبخ شاہی میں روزانہ پچاس بکرے ذبح ہوتے تھے،[۲]

علم وفن کا قدر دان اور سرپرست تھا، بغداد میں بصرف کثیر ایک عظیم الشان مدرسہ
قائم کیا تھا، یہ مدرسہ مشہور مدرسۂ نظامیہ کے علاوہ تھا،[۳]

الپ ارسلان کے اوصاف و محاسن بے شمار ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں،

ملک شاہ

الپ ارسلان اپنی زندگی ہی میں ملک شاہ کو ولیعہد بنا گیا تھا، چنانچہ اس کی وفات
کے بعد ربیع الاول ۴۶۵ھ میں وہ تخت نشین ہوا، قائم نے بھی اس کی تصدیق کر دی اور بغداد
اور سلجوقی حکومت کے تمام مقبوضات اور اس کے ماتحت ملکوں میں ملک شاہ کا خطبہ جاری ہو گیا

تخت نشینی کے بعد اس نے نظام الملک کو اتابک اور عماد الدولہ کا لقب عطا کر کے
سلطنت کا مختار کل بنا دیا، اس نے بھی وفاداری کا پورا حق ادا کیا، اور ملک شاہ کی ہر مشکل اور
دشواری میں سینہ سپر رہا، ملک شاہ کی کامیابیاں بیشتر نظام الملک ہی کے حسن تدبیر کا نتیجہ تھیں،

قاروت بک کی مخالفت اور اسکا قتل

الپ ارسلان اپنی وفات کے وقت اپنے لڑکے ایاز ارسلان کے لئے پانچ لاکھ
نقد اور اپنے بھائی قاروت بک والی کرمان کے لئے فارس اور کرمان کی حکومت
کی وصیت کرتا گیا تھا، ملک شاہ نے اپنے بھائی کی وصیت کی تعمیل فوراً کر دی، چچا کے متعلق
وصیت بھی پوری کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، لیکن وہ الپ ارسلان کی وفات کے بعد ملک شاہ
کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، ملک شاہ نے اسے شکست دیکر قتل کر دیا، اور کرمان و

---

[۱] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۶ [۲] دولت آل سلجوق ص ۴۵ [۳] ابن خلکان ج ۲ ص ۴۶،

فارس اس کے لڑکوں کو دے کر باپ کی وصیت پوری کی[۱]،

۴۶۶ھ میں ملک شاہ کی درخواست پر قائم نے اس کو حکومت کا فرمان اور لوا عطا کیا[۲]، الپ ارسلان کی وفات کے بعد خاقان تگین والی سمرقند نے ترمذ پر قبضہ کر لیا تھا، ملک شاہ نے ترمذ پر فوج کشی کر کے اس کو خاقان تگین کے بھائی کے ہاتھوں سے چھڑایا، اور اس کو خلعت عطا کی اور سمرقند پر فوج کشی کر کے خاقان تگین کو مطیع بنایا،

خلعت ۴۶۶ھ میں

ولایت عہد قائم کے صرف ایک لڑکا محمد تھا جو اس کی زندگی ہی میں مر گیا تھا، اس کی موت کے چھ مہینے بعد اس کی لونڈی ارجوان کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا، یہ نومولود قائم کی ضعیفی کا تنہا سہارا تھا، اس لئے اس کی ولادت پر اس کو بڑی مسرت ہوئی اور بڑے ناز و نعم سے اس کی پرورش کی اور اپنی زندگی میں اس کو ولیعہد نامزد کر کے مقتدی بامر اللہ کا لقب عطا کیا،

قائم کی وفات شعبان ۴۶۷ھ میں قائم نے ۷۶ سال کی عمر میں انتقال کیا، اس کی مدت حکومت ۴۴ سال آٹھ مہینے تھی،

اوصاف قائم اوصاف جہانبانی میں اپنے باپ کا صحیح جانشین تھا، اس نے بھی خلافت کے وقار کو قائم رکھنے کی کوشش کی، ابن طقطقی کا بیان ہے کہ وہ فاضل اور صالح خلیفہ تھا، اس نے عباسی خلافت کے وقار و قوت میں اضافہ کیا[۳]، سلجوقیوں کے ذریعہ خلافت کو دیالمہ کے پنجۂ استبداد سے چھڑایا گو اس کے بعد خود سلجوقی اس پر حاوی ہو گئے، لیکن وہ سنی تھے، اس لئے انھوں نے اس کے ظاہری احترام کو قائم رکھا،

ذاتی حیثیت سے وہ بڑا دیندار متقی اور زاہد تھا[۱]، حافظ ذہبی کا بیان ہے، کہ وہ

---

[۱] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۲ [۲] ایضاً [۳] الفخری ص ۲۶۰،

شب بیدار تھا، رات بھر سجادۂ عبادت پر بسر کرتا تھا، اور اکثر روزہ رکھتا تھا،[۱]

علمی حیثیت سے بھی ممتاز تھا، ادب اور خط طلی سے خاص دلچسپی تھی، اور ان کا بڑا ذوق رکھتا تھا
مذاق رکھتا تھا، اسے دفتری تحریریں پسند نہ آتی تھیں، ان میں اصلاح دیا کرتا تھا، قیام عدل[۲]
میں خاص اہتمام رکھتا تھا، اہل حاجت کی حاجت برآری میں بڑا مستعد تھا، کوئی حاجت مند
اس کے در سے مایوس واپس نہ ہوتا تھا، اسکی فیاضی کے بہت سے واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں[۳]

---

۱ ابن اثیر ج ۱۰ ص ۳۳ ۲ دول الاسلام ج اول ص ۲۱۳ ۳ ابن اثیر ج ۱۰ ص ۳۳،

ابو القاسم عبداللہ بن محمد بن قائم الملقب بہ مقتدی بامر اللہ

۴۶۷ھ تا ۴۸۷ھ مطابق ۱۰۷۴ء تا ۱۰۹۴ء

قائم کے بعد شعبان ۴۶۷ھ میں اس کا پوتا عبداللہ بن محمد الملقب بہ مقتدی بامر اللہ جسے وہ اپنی زندگی میں ولیعہد بنا گیا تھا تخت نشین ہوا، اس وقت اس کا بیسواں سال تھا، مقتدی کے زمانہ میں سلجوقیوں کو تاج و تخت حاصل کئے ہوئے تین پشتیں ہو چکی تھیں، اس لئے ان میں خلافت بغداد کے ساتھ عقیدت اور اس کی خدمت گذاری کا جذبہ ختم ہو گیا، اور ملک شاہ نے مقتدی کو اپنا محکوم و تابع فرمان بنانے کی کوشش کی لیکن مقتدی حوصلہ و ہمت کا خلیفہ تھا، اس نے اس کے استبداد کو قبول نہ کیا اور بڑی حد تک خلافت کے وقار کو قائم رکھنے کی کوشش کی گو وہ پوری طرح اس میں کامیاب نہ ہو سکا، تاہم بڑی حد تک اپنا وقار قائم رکھا،

اشاعرہ اور حنابلہ کی جنگ ۴۶۹ھ میں ذات باری کی تنزیہ و تجسم کے مسئلہ میں بغداد کے حنابلہ اور اشاعرہ کے درمیان سخت فساد ہو گیا، اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ امام ابو نصر شافعی نے مدرسۂ نظامیہ میں وعظ کہا اور اشاعرہ کی حمایت میں حنابلہ کے عقائد پر کچھ طعن و طنز کیا،[۱] اس پر وہ بگڑ گئے اور مدرسۂ نظامیہ کے بازار پر حملہ کر کے اپنے بعض مخالفین کو قتل کر دیا،[۲] اس پر

---

[۱] ذات باری تعالیٰ کی تنزیہ اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے لیکن کلام مجید اور احادیث نبوی میں باری تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی تعبیر کے سلسلہ میں اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ جن اعضاء کا ذکر آیا ہے، حنابلہ بغیر کسی تاویل کے اسکو مانتے ہیں جس سے تجسم کا شائبہ پیدا ہوتا ہے۔ [۲] تاریخ آل سلجوق ص ۵۵،

دونوں میں فساد ہوگیا اور فریقین کے بہت سے آدمی مارے گئے،[۱] اس وقت تو یہ ہنگامہ فرو ہوگیا، لیکن اس کے دو سال بعد پھر تصادم ہوگیا، نظام الملک نے اس ہنگامہ کا بانی مقتدی کے وزیر فخر الدولہ کو قرار دیا اور مقتدی سے اسکی معزولی کا مطالبہ کیا،[۲] اسکو اس کے ماننے میں تامل ہوا لیکن فخر الدولہ حالات کی نزاکت کا اندازہ کرکے خود مستعفی ہوگیا، اور اس کے لڑکے عمید الملک نے نظام الملک کو رضامند کرکے باپ کی جگہ حاصل کر لی[۳]

امام ابو نصر بڑے جلیل القدر عالم تھے، ان سے نظام الملک نے کوئی تعرض نہیں کیا، اور انھیں عزت و احترام کے ساتھ نیشاپور بھیج دیا، جہاں وہ آخر عمر تک درس و افتا میں مشغول رہے،[۴] مقتدی کے زمانہ میں بھی اس کے اور ملک شاہ کے اختلافی معاملات کے سوا خلافت بغداد کے اور کوئی قابل ذکر واقعات نہیں ہیں، اس کی تفصیل آخر میں آئے گی، البتہ خود ملک شاہ نے بڑے کارنامے انجام دیئے اور سلجوقی حکومت کا رقبہ شام سے لے کر چین کی سرحد تک وسیع کر دیا، اس کا اجمالی حال یہ ہے،

دمشق پر سلجوقیوں کا قبضہ اوپر الپ ارسلان کے دور میں معلوم ہو چکا ہے کہ اس کے ترکی افسر اتسز نے فلسطین پر قبضہ کر لیا تھا، دمشق لینے کی بھی کوشش کی تھی، لیکن کامیاب نہ ہوا تھا، ۴۶۸ھ میں دمشق میں سخت قحط پڑا، ہزاروں آدمی لقمۂ اجل ہو گئے، اس کے علاوہ یہاں کی پولیس اور مصمودی قبائل میں جنگ ہو گئی، اس نے دمشق کی حالت اور زیادہ ابتر کر دی، امیر اتسز نے موقع پاکر حملہ کر دیا، اہل دمشق میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی، انھوں نے شہر حوالہ کر دیا، اور ذیقعدہ ۴۶۸ھ میں دمشق فاطمیہ کی سیادت سے نکل کر سلجوقیوں کے قبضہ میں آگیا، اور یہاں

۱؎ ابن خلکان ج ۲ ص ۳۰ ۲؎ ابن اثیر ج ۱۰ ص ۳۸ ۳؎ ایضاً و تاریخ آل سلجوق ص ۵۰،
۴؎ ابن خلکان ج ۲ ص ۳۰،

یہاں مقتدی کا خطبہ جاری ہوگیا[1]، اور اتسز نے شام میں شیعی اذان ختم کرکے سنی اذان جاری کردی سلجوقیوں کا اصل مقصد فاطمی حکومت کا استیصال تھا، اتفاق سے اسی زمانہ میں اس کا ایک ممتاز فوجی افسر ابن یلد کوز اس کے خلاف ہوگیا اور شام جاکر اتسز کی خدمت میں ہدایا پیش کرکے اس کو مصر پر حملہ کے لئے آمادہ کیا، اس نے فوج کشی کردی، دولت فاطمیہ کا مختار کل بدر الجمالی تیس ہزار فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ میں آیا، اتسز کے پاس کل پانچ ہزار سپاہ تھی، اپنے بھائی مامون کے اصرار سے اس نے اتنی ہی فوج سے مقابلہ کیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتسز نے شکست کھائی اور مامون جنگ میں مارا گیا[2]،

دوسری طرف اتسز کی عدم موجودگی میں شام میں بغاوت ہوگئی صرف دمشق کے باشندے اس سے الگ رہے بیت المقدس میں بغاوت زیادہ سخت تھی، اس لئے اتسز واپسی کے بعد دمشق ہوتا ہوا قدس گیا اور یہاں کے باشندوں کو بے دریغ قتل کیا صرف ان لوگوں کو چھوڑا جنھوں نے صخرہ میں پناہ لی تھی،

شام میں سلجوقی حکومت کا قیام

بدر الجمال کو اس بغاوت کا حال معلوم ہوا تو اس نے نصیر الدولہ کو فوجیں دیکر شام روانہ کیا، اس نے دمشق میں اتسز کا محاصرہ کرلیا، اسی دوران میں ملک شاہ کا بھائی تتش ارسلان جس کو ملک شاہ نے شامی مقبوضات کا حاکم بناکر بھیجا تھا، پہنچ گیا نصیر الدولہ میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں تھی، اس لئے محاصرہ اٹھاکر چلا گیا، اور اتسز نے دمشق تتش ارسلان کے حوالہ کردیا، اتسز کا رویہ سلجوقی حکومت کے ساتھ مشتبہ تھا، اس لئے تتش نے اس کو قتل کرادیا، اور چند دنوں میں فلسطین وغیرہ پر قبضہ کرکے شام میں مستقل حکومت قائم کرلی، جو دولت توریہ شام کے نام سے موسوم تھی[3]،

---

[1] تاریخ ذیل دمشق ابن القلانسی ص ۱۰۸ و ۱۰۹ [2] تاریخ مصر ابن میسر ص ۲۵ [3] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۳۸،

ملک شاہ کے زمانہ میں، شام اور اس کے آس پاس حلب، دیار بکر اور موصل میں عرب حکومتیں قائم تھیں اور علی الترتیب سابق بن محمود، منصور بن نصر مروانی اور شرف الدولہ بن مسلم ان کے حکمراں تھے، یہ تینوں سلجوقیوں کی جانب سے غیر مطمئن تھے، اور بعضوں سے ان کا تصادم بھی ہو چکا تھا، اس لئے ملک شاہ کے مقابلہ کے لئے تینوں متحد ہو گئے،

حلب شام ہی کا حصہ تھا، اور الپ ارسلان کے زمانہ میں یہاں کا فرماں روا محمود بن صالح مرداسی الپ ارسلان کی اطاعت قبول کر چکا تھا، لیکن اس کا لڑکا سابق پھر فاطمیہ سے مل گیا تھا، تتش ارسلان برابر حلب پر قبضہ کرنے کی کوشش میں لگا رہا، لیکن شرف الدولہ والی موصل کی مزاحمت کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکا، مگر خود سابق میں کوئی صلاحیت نہ تھی، اس لئے حلب کے ایک امیر ابن الحیتی نے حلب کی حکومت حاصل کر لی، اور چند دنوں کے بعد ۴۷۳ھ میں شرف الدولہ کے حوالہ کر دی، سابق نے بھی اسکی اطاعت قبول کر لی اور حلب کی مرداسی حکومت کا خاتمہ ہو گیا،

حلب پر قبضہ کے بعد شرف الدولہ کو پورے شام کی طمع دامنگیر ہوئی، اس نے حکومت مصر کی مدد کے اعتماد پر دمشق پر حملہ کر دیا، لیکن وہاں سے کوئی مدد نہ ملی اور شرف الدولہ شکست کھا کر موصل لوٹ گیا،

۴۷۶ھ میں ملک شاہ نے فخر الدولہ کو دیار بکر کی مہم پر مامور کیا، اس کے فرماں روا منصور بن نصر اور شرف الدولہ نے مل کر اس کا مقابلہ کیا، لیکن شکست کھائی، ملک شاہ نے اہل موصل کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر وہ اس کی اطاعت قبول کر لیں، تو فبہا ورنہ بزور شمشیر موصل پر قبضہ کیا جائیگا، شرف الدولہ کے بعد خود ان میں مقابلہ کی قوت نہ تھی، اس لئے انھوں نے شہر حوالہ کر دیا، اس کے بعد خود ملک شاہ نے موصل جا کر شرف الدولہ کو جو رحبہ میں مقیم تھا، اطمینان دلا کر بلا بھیجا، اور اس سے اپنی اطاعت قبول کرا کے موصل کی حکومت پر بحال کر دیا، اس طرح یہ

حکومت سلجوقیوں کے زیر اثر آگئی، ۴۷۸ھ میں سلیمان بن قتلمش سلجوقی والی قونیہ نے ایک اختلاف کی بنا پر شرف الدولہ پر فوج کشی کر کے اس کو قتل کر دیا، اس کے بعد اس کا بھائی ابراہیم اس کا جانشین ہوا،

حلب پر شرف الدولہ کی جانب ابن الحتیتی حکمراں تھا، شرف الدولہ کو قتل کرنے کے بعد سلیمان نے اس پر فوج کشی کر دی، ابن الحتیتی نے اس کے پاس کہلا بھیجا کہ حلب کی حکومت کا فیصلہ ملک شاہ پر منحصر کر دیا جائے، اور دوسری طرف خفیہ تتش ارسلان سلجوقی فرماں روائے شام کو حلب حوالہ کرنے کے لئے بلا بھیجا، اس دعوت پر اس نے ۴۷۹ھ میں حلب پر فوج کشی کی، سلیمان کو اس کی خبر ہوگئی، اس نے آگے بڑھ کر روکنے کی کوشش کی لیکن شکست کھا کر خودکشی کر لی، اور تتش ارسلان نے ابن الحتیتی سے حلب حوالہ کرنے کا مطالبہ کیا، اس نے اسے بھی ملک شاہ سے استصواب کے بہانہ سے ٹالنا چاہا، لیکن تتش نے حلب بزور قبضہ کر لیا، ابن الحتیتی کا بھائی قلعہ بند ہوگیا، اور تتش کو اس کا محاصرہ کرنا پڑا، اسی دوران میں ملک شاہ جسے ابن الحتیتی نے بلا بھیجا تھا، جمادی الثانی ۴۷۹ھ میں حلب پہنچ گیا، اسے دیکھ کر تتش محاصرہ اٹھا کر دمشق لوٹ گیا، اور ابن الحتیتی نے حلب ملک شاہ کے حوالہ کر دیا، اس سفر میں اس نے حران اور رہا وغیرہ پر بھی قبضہ کیا، اور نصر بن علی والی شیزر کو مطیع بنایا، اور قسیم الدولہ کو حلب میں چھوڑ کر اصفہان واپس گیا،[1]

ترکستان پر قبضہ مشرق میں اس کی فتوحات کا دائرہ چین تک پہنچ گیا، یاد ہوگا کہ الپ ارسلان نے ترکستان پر فوج کشی کی تھی، اور اسی سفر میں ایک قلعدار کے ہاتھوں زخمی ہو کر انتقال کر گیا تھا، ترکستان پر ملک شاہ کے قبضہ کے قدرتی اسباب پیدا ہوگئے، اس کے

[1] یہ حالات تاریخ مصر ابن میسرو تاریخ ذیل دمشق ابن القلانسی اور ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہیں،

زمانہ میں احمد خاں بن خضر خاں ترکستان کے تخت پر تھا، یہ بڑا ظالم و جابر تھا، اس کی رعایا نے اس کے مظالم سے نجات حاصل کرنے کے لئے ملک شاہ کو حملے کی دعوت دی، اس دعوت پر اس نے ۴۸۲ھ میں فوج کشی کرکے بخارا و سمرقند کو فتح کرلیا، احمد خاں گرفتار کرکے اس کے سامنے پیش کیا گیا، ملک شاہ نے چند دنوں عزت و احترام کے ساتھ اپنا مہمان رکھ کر اصفہان بھجوادیا، عماد الدین اصفہانی کا بیان ہے، کہ اس کو رہا کرکے اس کا ملک اسے واپس کردیا،

ترکستان پر قبضہ کے بعد چین کا رخ کیا اور یوزکند جاکر خاقان چین کو اپنی اطاعت کا پیام بھیجا اور سکہ و خطبہ میں اپنا نام داخل کرنے کا مطالبہ کیا، خاقان میں اس کے رد کرنے کی جرأت نہ تھی، اس نے خود حاضر ہوکر اظہار اطاعت کیا، اور بہت سے ہدایا و تحائف پیش کئے،[۱]

اس سلسلہ میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ ترکستان پر فوج کشی کی تیاری کے زمانہ میں روم کے سفرا خراج لے کر ملک شاہ کے پاس خراسان آئے ہوئے تھے، ملک شاہ انھیں بھی اپنے ساتھ ترکستان لیتا گیا، اور کہا میں چاہتا ہوں کہ آنے والے مورخ لکھیں کہ روم کے شہنشاہ نے کاشغر کے پھاٹک پر مجھے خراج پہنچایا، چنانچہ آج نو صدیوں کے بعد ایک مورخ اس واقعہ کو قلمبند کررہا ہے، ان فتوحات کے علاوہ ملک شاہ نے اور بھی بہت سی فتوحات حاصل کیں، اور قرب و جوار کے تمام امرار اور فرماں رواؤں کو مطیع بنایا، جن کی تفصیل قلم انداز کیجاتی ہے،

عماد الدین اصفہانی کا بیان ہے کہ فتح و ظفر اس کے ہمرکاب تھی، سلطان العرب مسلم بن قریش نے اس کے گھوڑے کے سم کو بوسہ دیا، روم، غزنہ اور ماوراء النہر کے فرماں روا اس کے ظل عاطفت میں تھے، آس پاس کے تمام حکمراں اس کا احترام کرتے تھے، اس کے عطا کردہ خلعت کو اپنے لئے فخر و اعزاز کا باعث سمجھتے تھے،[۲]

۱؎ ابن اثیر ج ۱۰ ص۵۵ و دولت آل سلجوق ص۵۲ ۲؎ دولت آل سلجوق ص۵۳،

مقتدی اور ملک شاہ کے تعلقات | مقتدی کے زمانہ میں خلافت بغداد کے ساتھ سلجوقیوں کی خدمتگذاری کا دور ختم ہو گیا تھا اور دیالمہ کی طرح ان کی حیثیت بھی حاکمانہ ہو گئی تھی، خلافت کا سارا نظام ملک شاہ کے ہاتھوں میں تھا، مقتدی کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا لیکن ملک شاہ اپنے پایہ تخت میں رہتا تھا، اور اپنی گوناگوں مصروفیتوں کی وجہ سے بذات خود اس کو خلافت بغداد کے نظام کی نگرانی کی فرصت نہ تھی، اس کی جانب سے اس کا ایک نائب بغداد میں رہتا تھا، جو عمید العراق کہلاتا تھا، وہی خلافت کے جملہ انتظام و انصرام کا ذمہ دار ہوتا تھا،

مقتدی کے زمانہ میں ابو الفتح بن ابی اللیث لیثی اس عہدہ پر تھا، وہ بدخلق شخص تھا اس لئے مقتدی کے تعلقات اس سے ہمیشہ کشیدہ رہے، اس کا اثر ملک شاہ اور مقتدی کے تعلقات پر بھی پڑا، اور دونوں میں ناخوشگواری پیدا ہو گئی، مقتدی نے تعلقات کو سلجھانے اور اس کو استوار کرنے کے لئے ۴۷۴ھ میں ملک شاہ کی لڑکی کے ساتھ اپنی شادی کا پیام بھیجا، لڑکی کی ماں ترکان خاتون نے اس شرط پر کہ مقتدی اسکی لڑکی کے علاوہ اور کسی حرم یا کنیز سے تعلقات نہ رکھیگا پچاس ہزار مہر معجل پر رشتہ منظور کر لیا، اور ۴۷۴ھ میں دونوں کا عقد ہو گیا، لیکن رخصتی چھ سال بعد ۴۸۰ھ میں عمل میں آئی،

مگر اس رشتہ کے بعد بھی عمید العراق کی روش میں کوئی فرق نہ آیا، اور مقتدی کی شکایات بدستور قائم رہیں، ۴۷۵ھ میں مقتدی نے شیخ ابو اسحاق شیرازی شافعی کو جو اس زمانہ کے بڑے جلیل القدر عالم اور شیخ وقت تھے، ملک شاہ اور نظام الملک کے پاس اپنی شکایتیں پیش کرنے کے لئے بھیجا، شیخ اس پایہ کے بزرگ تھے کہ بغداد سے لیکر خراسان تک جن جن مقامات سے گذرے ان کی پابوسی کے لئے مخلوق ٹوٹ پڑتی تھی، بڑے بڑے علماء اور صوفیہ اپنی مسندوں اور حجروں کو چھوڑ کر زیارت کے لئے نکل آتے تھے، شیخ اسی شان سے بغداد سے خراسان

پہنچے اور ملک شاہ اور نظام الملک سے مل کر ان کے سامنے عمید العراق کی شکایات بیان کیں، شیخ کی گفتگو کے بعد ان دونوں کے لئے کسی عذر کی گنجائش نہ تھی، چنانچہ ان کے تمام مطالبات منظور کئے اور مقتدی اور اس کے وابستگانِ دولت کے معاملات میں عمید العراق کا کوئی اختیار باقی نہ رہا اور ان کو اس کی زیادتیوں سے نجات مل گئی۔[۱]

ملک شاہ کو اپنی مہمات میں مشغولیت کی بنا پر اب تک بارگاہ خلافت میں حاضری کا اتفاق نہ ہوا تھا، ۴۷۹ھ میں اس نے پہلی مرتبہ بغداد کا سفر کیا اور مقتدی کے حضور میں بیش قیمت ہدایا و تحائف پیش کئے، اس نے باریابی کا شرف عطا کرکے خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا، نظام الملک نے ملک شاہ کے ہمراہی سلجوقی امراء کو مقتدی کے حضور میں پیش کرکے، ان کا تعارف کرایا، ان مراسم کے بعد مقتدی نے ملک شاہ کو ملک و رعایا کی نگرانی کا ذمہ دار بنایا اور اسے عدل و انصاف کی نصیحت کی، ملک شاہ نے اسکی شکر گذاری میں دست بوسی کی درخواست کی، جو منظور نہ ہوئی اور ملک شاہ کو صرف خاتم خلافت کے بوسہ پر اکتفا کرنی پڑی، نظام الملک کو بھی خلعت عطا ہوا۔[۲]

ملک شاہ کے قیام بغداد کے دوران محرم ۴۸۰ھ میں اسکی لڑکی پہلی مرتبہ رخصت ہو کر بغداد آئی، اسکی بارات کا جلوس اس شکوہ و تجمل کا تھا کہ اہل بغداد نے اس سے پہلے کبھی ایسا منظر نہ دیکھا تھا، ۱۳۰ اونٹوں اور ۷۴ خچروں پر جہیز کا طلائی و نقرئی سامان بار تھا، اونٹوں اور خچروں کی جھولیں دیبائے رومی کی اور ان کی گھنٹیاں سونے اور چاندی کی تھیں، خالص چاندی کے بارہ صندوقوں میں دلہن کے زیورات، جواہرات اور ملبوسات تھے، خچروں کے آگے ۳۳ طلائی ساز کے اعلیٰ نسل کے گھوڑے تھے، ایک خالص سونے کا گہوارہ تھا، تمام سلجوقی

---

[۱] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۴۳ و طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۹۱-۹۲ میں اسکی بڑی تفصیل ہے [۲] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۵۳

امراء جلوس کے ہمرکاب تھے، سب کے علیحدہ علیحدہ شمع و مشعل بردار تھے، اسی شان کا جلوس امراء کی بیویوں کا تھا، سب سے آخر میں دلہن کی سواری تھی، اس کے محفہ پر سونے اور جواہرات کا مرصع پردہ آویزاں تھا، اس کے گرد دو سو حسین ترکی کنیزوں کا گارنگ دستہ تھا، یہ جلوس نہر معلیٰ پر پہنچا تو یہاں کے باشندوں نے اشرفیاں اور کپڑے پنچھاور کئے، مقتدی نے وزیر دولت ابو شجاع کو تین سو سواروں کے ساتھ دلہن کے استقبال کے لئے بھیجا، اور اس کے لئے ایک نادر لوجود محفہ بھیجا، اس شان سے یہ جلوس قصر خلافت تک آیا، اس شب کو بغداد کے گلی کوچوں میں اتنی روشنی تھی کہ پورا شہر بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔[1]

مقتدی نے یہ رشتہ ملک شاہ سے تعلقات کی خوشگواری کے لئے قائم کیا تھا لیکن اسکا نتیجہ الٹا نکلا اور یہ شادی اس کے لئے اور وبال بن گئی، اس کا آغاز اسطرح ہوا کہ ملک شاہ کی لڑکی کے ساتھ جو ترکی خدام آئے تھے، ان میں سے ایک خادم نے ایک میوہ فروش سے میوہ خریدا اور اس کی قیمت ادا کرنے میں کچھ پس و پیش کیا، میوہ فروش نے اسے گالی دی اس نے اس کے ترازو سے اس کے سر کو زخمی کر دیا، خادم کی اس زیادتی پر عوام میوہ فروش کی حمایت پر آمادہ ہوگئے اور مقتدی سے اسکی شکایت کی، اس نے تمام ترکی خدام کو ذلت کیساتھ نکلوا دیا، اس کی نازک مزاج بیوی کو یہ بہت ناگوار ہوا،

دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ مقتدی کی ساس نے اس شرط پر شادی کی تھی کہ مقتدی اس کی لڑکی کے علاوہ کسی دوسری بیوی یا باندی سے تعلق نہ رکھے گا، مقتدی یہ شرط پوری نہ کر سکا اس سے میاں بیوی کے تعلقات خراب ہوگئے، ملک شاہ کی لڑکی نے باپ کو شکایت لکھ بھیجی کہ مقتدی اس کی جانب التفات نہیں کرتا، اس شکایت پر ملک شاہ برہم ہو گیا اور مقتدی

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۵۵،

کو لکھ کر فوراً لڑکی کو بغداد سے واپس بلا لیا، باپ کے گھر آنے کے بعد چند ہی دنوں کے بعد وہ مرگئی اور اپنی یادگار ایک لڑکا جعفر چھوڑ گئی، جو آگے چل کر باپ کے لئے مصیبت کا سامان بنا، اسکی تفصیل آگے آئے گی،

سنہ ۴۸۴ھ میں ملک شاہ نے بغداد کا دوسرا سفر کیا، اس سفر میں اس نے بغداد میں "جامع سلطانی" کی تعمیر کا حکم دیا، اور نظام الملک و تاج الدولہ تتش ارسلان وغیرہ سلجوقی امرا نے بغداد میں اپنے اپنے مکانات بنوائے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان میں سے کسی کو ان گھروں میں رہنے کا موقع نہ ملا، اور چند دنوں میں سب یکے بعد دیگرے ختم ہو گئے،

نظام الملک کی معزولی سنہ ۴۹۵ھ میں نظام الملک کی معزولی کا واقعہ پیش آیا، یہ افسوسناک واقعہ بھی برامکہ کے اسباب زوال کی طرح حکومت پر نظام الملک کے بیجا تسلط و استیلا، اس کی خود رائی و خود سری اور اس کے لواحقین کی بے عنوانیوں کا نتیجہ تھا،

یہ معلوم ہوگا کہ ملک شاہ نے نظام الملک کو سلطنت کا مختار کل بنا دیا تھا، وہ خود زیادہ تر سیر و شکار میں مشغول رہتا تھا، اور حکومت کا سارا نظام نظام الملک کے ہاتھوں میں تھا، نظام الملک اپنی دانش مندی اور ہوا خواہی دولت کے باوجود جادۂ اعتدال پر قائم نہ رہ سکا اور اس میں استبداد اور جاہ پسندی پیدا ہو گئی، حکومت کے تمام بڑے بڑے عہدوں پر اپنے اعزہ اور لواحقین کو بھر دیا، وہ نظام الملک کے بل پر بڑی بے عنوانیاں کرتے، کسی کو ان کے مقابلہ میں بولنے کی مجال نہ تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سلجوقی امرا جن کی حق تلفی ہوتی تھی یا جو نظام الملک کے جاہ و اقتدار کو پسند نہ کرتے تھے اس کے خلاف ہو گئے اور چونکہ تمام شعبوں میں نظام الملک کے لواحقین بھرے ہوئے تھے، اس لئے ان کو گرفت کا موقع مل گیا، اور انھوں نے اس کے خلاف ملک شاہ کے کان بھرنا شروع کر دیئے،

چنانچہ سب سے اول ۴۷۶ھ میں سید الرؤسا ابو المحاسن بن کمال الملک نے جو ایک جلیل القدر سلجوقی امیر اور نظام الملک کا عزیز بھی تھا ملک شاہ سے شکایت کی کہ نظام الملک اور اس کے لواحقین حکومت کی ساری آمدنی کھائے جاتے ہیں، صوبوں کو اپنی جاگیر بنا لیا ہے اور ان کو لوٹ لوٹ کر دولت سے اپنا گھر بھر لیا ہے، اگر آپ نظام الملک کو میرے حوالہ کر دیجئے تو میں ان سے ایک لاکھ اشرفی وصول کر دوں، نظام الملک کو اس شکایت کی خبر ہو گئی، اس نے سلطان کی دعوت کی اور اپنے تمام خدم وحشم کو سلطان کے ملاحظہ میں پیش کر کے عرض کیا کہ غلام تین پشتوں سے اس دودمان عالی کی خدمت کرتا چلا آتا ہے، اس لئے اس پر غلام کا حق ہے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضور کو سلطنت کی آمدنی میں میرے تصرفات بیجا کی خبر پہنچائی گئی ہے، یہ خبر صحیح ہے لیکن یہ مال میری ذات پر نہیں بلکہ ان خدام اور غلاموں پر جو حضور کی خدمت کے لئے جمع کئے گئے ہیں اور انعام واکرام اور صدقات واوقاف میں خرچ ہوتا ہے جس سے آپ کا نام بلند ہوتا ہے، دنیا آپ کی ممنون ہوتی ہے، اور اس کا اجر بھی آپ ہی کو ملے گا، میری ساری املاک آپ کے لئے حاضر ہے، میرے واسطے روٹی کا ایک ٹکڑا اور ایک گوشۂ عافیت کافی ہے' یہ نظام الملک کے اقبال کا زمانہ تھا، اس لئے اس کی یہ تدبیر کارگر ہو گئی اور ملک شاہ نے الٹے امیر ابو المحاسن کو اس کے حوالہ کر دیا، اور اس کو آخر میں نظام الملک کے دامن میں پناہ لینی پڑی[1]،

لیکن نظام الملک اور اس کے لواحقین کی روش میں کوئی فرق نہ آیا تا آنکہ سلطان نے ان کے استبداد اور بے عنوانیوں سے تنگ آکر نظام الملک کو ۴۸۵ھ میں عہدہ وزارت سے معزول کر دینا چاہا،

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۴۲؛

معزولی کے اصل سبب یعنی نظام الملک کے استبداد اور اس کے اعزہ کی بے عنوانیوں پر تمام مورخین کا اتفاق ہے، لیکن آخری واقعہ کے بارہ میں جس کے بعد معزولی عمل میں آئی، عربی اور فارسی مورخین کے بیانات مختلف ہیں،

راوندی کے بیان کے مطابق[1] آخری سبب نظام الملک کے ساتھ ملک شاہ کی بیوی ترکان خاتون کی مخالفت تھی، اس کا سبب یہ تھا کہ نظام الملک ملک شاہ کے بڑے لڑکے برکیارق کو جو زبیدہ خاتون کے بطن سے تھا اور حکومت کا اہل بھی تھا ولیعہد بنوانا چاہتا تھا، برکیارق کے اوصاف کی وجہ سے سلطان بھی اسی کو پسند کرتا تھا، لیکن ترکان خاتون اپنے صغیر السن لڑکے محمود کو ولیعہد بنانے کی فکر میں تھی، اس لئے وہ نظام الملک کے خلاف ہوگئی، اور ملک شاہ کو اسکے خلاف بھڑکانا شروع کردیا، نظام الملک کے لڑکے اور پوتے حکومت پر چھائے ہوئے تھے، اور ایران و توران کی حکومت اس کے بارہ[12] لڑکوں نے آپس میں تقسیم کرلی تھی[2]، یہ چیز خود سلطان کو بھی کھٹکتی تھی، اس لئے ترکان خاتون کی مخالفت کارگر ہوگئی، راوندی اور حمد اللہ مستوفی دونوں کا بیان ہے کہ سلطان نے ترکان خاتون کے بھڑکانے سے متاثر ہو کر نظام الملک کے پاس کہلا بھیجا کہ معلوم ہوتا ہے تم حکومت میں میرے شریک وسہیم ہو، میرے مشورہ کے بغیر جو چاہتے ہو کرتے ہو، ساری ولایت اور جاگیریں اپنے لڑکوں کو دے رکھی ہیں، اگر اس سے باز نہ آئے تو تمھارے سر سے دستار وزارت اتر جائے گی، نظام الملک نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ آپ کا تاج میری دستار سے وابستہ ہے[3]، اس جواب پر ترکان خاتون کو اور زیادہ بھڑکانے کا موقع مل گیا، اور بالآخر سلطان نے نظام الملک کو وزارت سے معزول

---

[1] راحۃ الصدور ص ۱۳۳ و ۱۳۴ [2] تاریخ گزیدہ جلد اول ص ۴۴۷ [3] راحۃ الصدور ص ۱۳۴ و تاریخ گزیدہ ج اول ص ۴۴۷،

کرکے تاج الدین ابو القاسم کو وزیر بنایا،[1]

ابن اثیر نے معزولی کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، البتہ نظام الملک کے قتل کے سلسلہ میں یہ واقعہ لکھا ہے، کہ اس نے اپنے پوتے عثمان بن جمال الدین کو مرو کا والی بنایا تھا، اس میں اور یہاں کے کوتوال قودن میں کچھ اختلاف ہو گیا، عثمان نے ناتجربہ کاری سے اس کو گرفتار کر لیا، پھر چند دنوں کے بعد رہا کر دیا، قودن ملک شاہ کا خاص اور مقرب غلام تھا، اس نے ملک شاہ سے شکایت کی، وہ نظام الملک کے استبداد اور استیلا سے پہلے سے بھرا ہوا تھا، اس لئے عثمان کی یہ نازیبا حرکت بہت ناگوار ہوئی اور نظام الملک کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر تم حکومت و سلطنت میں میرے شریک سہیم بھی ہو تو بھی تم کو کسی نہ کسی اصول کا پابند ہونا پڑیگا، اور اگر میرے ماتحت ہو تو ماتحتی کے حدود کا لحاظ رکھنا چاہئے، تمہاری اولادوں نے بڑی بڑی ولایتوں پر قبضہ کر رکھا ہے، اور سیاست ملکی کے حدود کو توڑ کر خودسری اور مطلق العنانی کرنا چاہتے ہیں، نظام الملک نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر سلطان کو اب تک نہیں معلوم تھا تو اب معلوم ہونا چاہئے کہ میں بے شک حکومت میں اس کا شریک ہوں، اسکو میری ہی تدبیروں سے تاج و تخت ملا، کیا وہ بھول گیا کہ اس کے والد کے بعد میں ہی نے مخالف قوتوں کو زیر کرکے ملک کو صاف کیا تھا، اس وقت اس نے میرے کسی کام کی مخالفت نہیں کی اور مجھ سے چمٹا رہا، اب جبکہ جملہ امور مملکت اس کے قبضۂ اقتدار میں آگئے، اس کا کوئی مخالف باقی نہیں رہا، دور و قریب کے ملک زیر نگیں اور فرماں روا اس کے زیر فرمان ہو گئے، اس وقت وہ میرے گناہ گناتا ہے، اور دوسروں سے میری چغلی سنتا ہے، اس سے جاکر کہدو کہ اس کا تاج سلطنت میرے قلمدان وزارت سے وابستہ ہے، جب یہ اٹھے گا تو تاج بھی باقی نہ رہیگا،

---

[1] تاریخ گزیدہ ج اول ص ۴۴۸،

اس بارہ میں اس کو سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیے، نظام الملک غصہ میں یہ نازیبا کلمات کہہ تو گیا لیکن بعد میں اسکو اپنی غلطی کا احساس ہوا، لیکن زبان سے کہہ چکا تھا، اس لئے شاہی سفیروں سے کہا کہ سلطان کی توبیخ سے مجھکو جو تکلیف پہنچی ہے اس کے اثر سے غم و غصہ کی حالت میں یہ باتیں زبان سے نکل گئیں تمکو اختیار ہے جیسا مناسب سمجھو جاکر سلطان سے کہدو، یہ سفراء نظام الملک کے احسان مند تھے، اس لئے رفع شر کے خیال سے واپس جاکر ملک شاہ سے اصل جواب بیان کرنے کے بجائے نظام الملک کی جانب سے معذرت کرکے وفاداری اور عبودیت کا اظہار کیا، لیکن ایک سفیر یلبرد نے اصل واقعہ بیان کر دیا[1]،

ابن اثیر نے اس سلسلہ میں معزولی کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ صرف یہ لکھا ہے، کہ اس کے چند دنوں کے بعد نظام الملک کے قتل کا واقعہ پیش آیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام الملک کی معزولی کے اسباب کے سلسلہ کا یہ آخری واقعہ ہے، ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف و تضاد نہیں ہے، بلکہ یہ سب واقعات یکے بادیگرے پیش آتے رہے جس کا نتیجہ معزولی کی شکل میں ظاہر ہوا، معزولی کے چند ہی مہینوں کے بعد رمضان ۴۸۵ھ میں ایک اسمٰعیلی باطنی کے ہاتھ سے نظام الملک کے قتل کا واقعہ پیش آیا، اس کی تفصیل آگے آتی ہے،

باطنی تحریک | باطنی تحریک کے ابتدائی حالات اوپر گذر چکے ہیں، مقتدی کے زمانہ میں عجم میں اس تحریک نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ باطنی حکومت کے مقابلہ میں آگئے،

اسمٰعیلی یا باطنی فرقہ شیعی فرقہ کی ایک شاخ اور امام جعفر صادق کے صاجزادے امام اسمٰعیل کی طرف منسوب ہے، امام جعفر صادق تک اثنا عشری اور اسمٰعیلی دونوں متحد ہیں، ان کے بعد دونوں شاخیں الگ ہو جاتی ہیں، امام جعفر صادق کے دو صاجزادے تھے، بڑے

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۷۰،

اسمٰعیل اور چھوٹے موسیٰ کاظم اسمٰعیل باپ کے جانشین تھے، لیکن ان کا انتقال جعفر صادق کی زندگی میں ہوگیا تھا، شیعوں کے نزدیک چونکہ امامت من جانب اللہ ہے، اس لئے اسمٰعیلی کہتے ہیں، کہ ایک مرتبہ کسی امام کی نامزدگی کے بعد پھر اس کا اخراج نہیں کرسکتا ہے، اسلئے وہ اسمٰعیل ہی کو امام مانتے ہیں، لیکن اثنا عشری کے نزدیک متوفی امام نہیں ہوسکتا اور وہ بدا کے قائل ہیں، اس لئے وہ جعفر صادق کے بعد موسیٰ کاظم کو مانتے ہیں، بعض اسمٰعیلی یہ بھی کہتے ہیں کہ امام اسمٰعیل نے وفات نہیں پائی، بلکہ روپوش ہوگئے تھے، ان کے نزدیک ائمہ کی دو قسمیں ہیں، ظاہر اور مستور، اور ان میں ہر ایک کا سات سات کا دور ہوتا ہے، اس لحاظ سے اسمٰعیل ساتویں امام ہیں، (علیؓ، حسنؓ، حسینؓ، زین العابدینؒ، باقرؒ، صادقؒ، اسمٰعیل) اس لئے ان پر ائمۂ ظاہر کا دور ختم کردیتے ہیں، اور ان کے لڑکے محمد سے ائمۂ مستور کا دور شروع ہوتا ہے یہ ائمہ گو خود مخفی رہتے ہیں، لیکن ان کے دعاۃ علانیہ ان کی دعوت کرتے ہیں، عبید اللہ المہدی مغربی بانی دولت فاطمیہ سے پھر ائمۂ ظاہر کا دور شروع کرتے ہیں، اس فرقہ کے نزدیک ہر ظاہر کا ایک باطن ہے، اس لئے اس کو باطنی کہتے ہیں[1]،

فاطمی خلفاء نہ صرف حکومت و سلطنت بلکہ خاندان اور دعوائے خلافت میں بھی وہ بنی عباس کے حریف مقابل تھے لیکن دینی مرکزیت خلافت بغداد ہی کو حاصل رہی، اور دنیائے اسلام انہی کو خلیفہ مانتی تھی، ان کی اس مرکزیت کو توڑنے کیلئے فاطمیہ کی کوششیں عرصہ سے جاری تھیں، لیکن ان کا اثر زیادہ تر مغرب کے علاقوں تک محدود رہا، اور مشرقی ممالک میں عباسی ہی خلافت مانی جاتی تھی، اس لئے مستنصر علوی کے زمانہ میں باطنیوں نے مشرقی ملکوں میں فاطمی دعوت کا نظام قائم کیا، لیکن سلجوقیوں کے ابتدائی دور تک

---

[1] کتاب الملل والنحل شہرستانی ج ۲ ص ۲۷ و ۲۹،

خلافت بغداد کا نظام جاسوسی بہت مکمل تھا، اس لئے باطنی دعوت کو فروغ نہ ہو سکا الپ ارسلان نے اپنے دور میں اس نظام کو توڑ دیا، اس سے باطنیوں کو اپنی دعوت کی تبلیغ و اشاعت کا پورا موقع مل گیا[1]، اس دعوت کی تبلیغ و اشاعت کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے، مختصر واقعات یہ ہیں کہ مقتدی کے زمانہ میں عجم میں یہ دعوت کافی پھیل گئی اور باطنیوں نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ اصفہان کے ایک قلعہ پر قبضہ کر کے اپنا مستقل مرکز قائم کر لیا، اور مسلمانوں پر دست درازی شروع کر دی،

اتفاق سے مستنصر علوی کو حسن بن صباح جیسا عالی دماغ شخص مل گیا، جس نے سارے مشرق میں اس دعوت کو پھیلا دیا، یہ رے کا باشندہ تھا، امام موفق کے حلقۂ درس میں تعلیم حاصل کی تھی، ہندسہ، حساب، نجوم وغیرہ علوم ریاضیہ میں مہارت رکھتا تھا، وہ ایک فاطمی داعی احمد بن عطاش کے اثر سے فاطمی تحریک میں شامل ہوا، اور اس کے یہاں فاطمی دعاۃ کی آمد و رفت شروع ہو گئی، نظام الملک کے خسر ابو مسلم نے جو رے کے رئیس تھے، اسکی گرفت کی، حسن بن صباح اس کے خوف سے بھاگ گیا، اور پھرتا پھراتا ہوا، مصر پہنچا، مستنصر علوی نے اسے اپنے گوں کا آدمی دیکھ کر اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور مشرق میں فاطمی دعوت کی تبلیغ پر مامور کر دیا، اس نے شام، جزیرہ، دیار بکر، خراسان، کاشغر اور ماوراء النہر کا دورہ کر کے پوری مستعدی سے اس فرض کو انجام دیا، قزوین کے قریب دیالمہ کا بنایا ہوا ایک سنگین قلعہ الموت حسن بن صباح کے مقصد کے لئے نہایت موزوں و مناسب تھا، یہ ایک علوی کی ملکیت میں تھا، ابن صباح نے یہاں قیام کیا، اور اپنے ظاہری زہد و ورع سے چند دنوں میں اس نواح میں کافی اثر پیدا کر لیا، اور ایک جماعت اس کی دعوت میں شامل ہو گئی، الموت کا علوی بھی اس کے ظاہری زہد سے متاثر ہوا، جب حسن بن صباح

[1] دولت آل سلجوق ص ۶۲

کی قوت مضبوط ہوگئی تو اس نے علوی کو نکال کر الموت پر قبضہ کرلیا[1]،

اس وقت تک حسن بن صباح کا کاروبار مخفی تھا، قلعہ پر قبضہ کے بعد وہ کھل کر میدان میں آگیا، اور دلیرانہ قتل و غارتگری شروع کردی، اس کے داعیوں کے لئے کسی کی جان لے لینا اور اپنی جان دیدینا معمولی بات تھی، جس کو قتل کرنا مقصود ہوتا، اسکو مار کر خود قتل ہوجاتے، بڑے بڑے لوگ دن دھاڑے قتل کئے جانے لگے اور ان کے ہاتھوں بادشاہوں تک کی جان محفوظ نہ تھی[2]،

نظام الملک کا قتل جب باطنیوں کے مظالم حد سے بڑھ گئے، اس وقت ملک شاہ کو انکی جانب توجہ کرنا پڑی، نظام الملک نے پہلے حسن بن صباح کے پاس سفارت بھیج کر افہام وتفہیم کے ذریعہ اسے روکنے کی کوشش کی لیکن جب وہ باز نہ آیا تو پھر الموت پر فوج کشی کرکے اس کا نہایت سخت محاصرہ کرادیا، سلجوقی فوجوں کا مقابلہ اس کے بس سے باہر تھا جب اس نے دیکھا کہ اس کے لئے مفر کی کوئی صورت باقی نہیں ہے تو ایک فدائی کو بھیج کر نظام الملک کو قتل کرادیا،

اس حادثہ کی تفصیل یہ ہے کہ رمضان ۴۸۵ھ میں ایک سفر میں نظام الملک سلطان کے ہمرکاب تھا، نہاوند کے قریب منزل ہوئی نظام الملک افطار کے بعد سواری پر اپنے حرم کے خیمہ میں جارہا تھا کہ راستہ میں ایک باطنی نوجوان فریادی کی صورت میں اس کے پاس آیا، نظام الملک نے اس کی درخواست سننے کے لئے قریب بلالیا، باطنی نے آگے بڑھ کر خنجر سے ایسا کاری وار کیا کہ ایک ہی وار میں نظام الملک کا کام تمام ہوگیا، اس کی فوج اور خدم وحشم ہمرکاب تھے، ان میں بڑی بے چینی پیدا ہوگئی، سلطان نے فوراً جاکر سکون پیدا کیا،

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۱۰ [2] تاریخ دولت آل سلجوق ص ۶۳،

قتل کے وقت نظام الملک کی عمر ۷۰ سال تھی، مدت وزارت تیس سال،

اتنا مسلّم ہے کہ یہ قتل ایک باطنی کے ہاتھوں ہوا، لیکن خود باطنی نے کیوں قتل کیا، اس بارہ میں بیانات مختلف ہیں، عام خیال یہ ہے کہ حسن بن صباح نے اپنی راہ میں نظام الملک کو حائل دیکھ کر قتل کرادیا، راوندی کا بیان ہے کہ ایک سلجوقی امیر تاج الملک کی تحریک سے قتل ہوا، بعض روایتوں سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے، کہ خود سلطان کا اشارہ شامل تھا[۱]، لیکن اس قیاس کے علاوہ اس روایت کی اور کوئی سند نہیں، ہے کہ سلطان نظام الملک کے استبداد سے تنگ تھا، لیکن معزولی کے بعد استبداد سے نجات مل گئی تھی، پھر قتل کی کیا ضرورت باقی رہ گئی تھی، درحقیقت اس شبہہ کا سبب یہ ہے کہ معزولی اور قتل کے درمیان اتنا کم وقفہ تھا کہ بعض مورخین کو معزولی کا پتہ بھی نہ چل سکا، چنانچہ ابن اثیر نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، اور قتل کا واقعہ ایسا اہم تھا کہ ہر مورخ کی نگاہ میں آیا اور جن کو معزولی کا علم نہ تھا، اُنھوں نے اس کو ملک شاہ کے عتاب کا نتیجہ قرار دیدیا، دوسری روایت البتہ قرین قیاس ہے، اس لئے کہ تاج الملک ترکان خاتون کا وزیر اور ملک شاہی دور کا بڑا ممتاز امیر تھا، شاہزادوں کی وزارت، خزانہ اور محلات سلطانی کی داروغگی، دیوانِ طغرا و انشا کی افسری جیسے جلیل القدر عہدے اسی سے متعلق تھے، اور سلطان کے مزاج میں اسکو بڑا درخور حاصل تھا[۲]، نظام الملک کی وزارت ہی کے زمانہ سے ترکان خاتون، تاج الملک کو اس کا منصب دلوانے کی فکر میں تھی[۳]، لیکن اسکے سامنے تاج الملک کا چراغ جلنا مشکل تھا، اس لئے وہ اسی زمانہ سے اس کے خلاف ہوگیا تھا، اور امیر مجد الملک مستوفی اور امیر ابو المعالی سدید الملک وغیرہ کو ساتھ ملا کر نظام الملک

---

۱ راحۃ الصدور ص ۱۳۵ ۲ تاریخ دولت آل سلجوق ص ۵۸ و ۵۹ ۳ راحۃ الصدور ص ۱۳۳ و دولت آل سلجوق ص ۵۹،

کے خلاف سازش کرتا تھا اور اس کو سلطان کی نگاہ سے گرانے کی کوششیں میں تھا، ترکان خاتون کی کوشش سے تاج الملک کی آرزو پوری ہوئی، اور نظام الملک کی معزولی کے بعد سلطان نے اسے وزیر بنا لیا، ممکن ہے وہ اس کے بعد بھی نظام الملک کو اپنے لئے خطرہ سمجھتا رہا ہو اور اسکی جانب سے پورا اطمینان حاصل کرنے کے لئے اس کی زندگی ہی کا خاتمہ کرا دیا ہو،

نظام الملک کے مختصر حالات اور کارنامے

نظام الملک جس پایہ کا وزیر تھا، تاریخ اسلام میں، برامکہ کے علاوہ اسکی دوسری مثال نہیں ملتی، اس کے اوصاف و کمالات فضائل و مناقب اور کارنامے اتنے گوناگوں ہیں، کہ ان کی تفصیل کے لئے مستقل کتاب چاہئے، اس نے تیس سال تک اس شان و شکوہ کی وزارت کی اور ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے کہ اس کے سامنے برامکہ کی داستانیں ماند پڑ گئیں، ملک شاہی دور کے ساری درخشانی جو سلجوقیوں کا دور زریں شمار کیا جاتا ہے، نظام الملک ہی کی ضو پاشیوں کا نتیجہ تھی،

نظام الملک کا پورا نام و لقب ابو علی حسن بن علی الملقب بہ اتابک نظام الملک رضی امیر المومنین ہے، اس کا باپ علی طوس کا معمولی زمیندار تھا ۴۰۸ھ میں نظام الملک کی ولادت ہوئی، وہ بچپن ہی سے نہایت ذکی و ذہین تھا، سات برس کی عمر میں کلام مجید حفظ کیا اور نوعمری ہی میں فقہ حدیث، ریاضی جملہ مروجہ علوم میں کامل ہو گیا،[1]

ابتدا میں مختلف چھوٹی چھوٹی خدمتیں انجام دیں، پھر ابو علی بن شاذان والی بلخ کے زمرۂ ملازمت میں داخل ہو گیا، ابو علی کا طرز عمل پسندیدہ نہ تھا، اس لئے نظام الملک برداشتہ خاطر ہو کر الپ ارسلان کے والد جعفری بک داؤد کے پاس مرو چلا گیا، اسکو نظام الملک کی گفتگو اور اس کے اطوار بہت پسند آئے، اسکی سفارش سے الپ ارسلان نے اس کو اپنا

---

[1] طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۱۳۶ و ابن خلکان ج اول ص ۱۴۳ [2] ایضاً،

کاتب بنا لیا،[1]

نظام الملک جوہر قابل تھا ہی ترقی کا میدان پاکر جوہر چمکنے لگے اور اپنی کارگذاری اور حسن خدمات سے الپ ارسلان کے دل میں اتنی وقعت اور اس کے مزاج میں اتنا رسوخ واعتماد حاصل کر لیا، کہ تخت نشینی کے بعد اس نے قلمدان وزارت اس کے سپرد کیا، اس وقت سے اس کے عروج کا آغاز ہوا، اور الپ ارسلان کی وفات تک برابر اس منصب پر رہا، اور اپنے زمانۂ وزارت میں بڑے بڑے کارنامے انجام دئے جن کا مختصر تذکرہ ابھی آتا ہی الپ ارسلان کی وفات کے بعد جب اس کے بھائی قاروت بک نے ملک شاہ کی بادشاہت ماننے سے انکار کیا اور اس کے مقابلہ میں کھڑا ہوا، اس وقت نظام الملک ہی کی تدبیروں سے اس کو شکست ہوئی، اور ملک شاہ کو تاج و تخت ملا، اس صلہ میں اس نے نظام الملک کو نہ صرف منصب وزارت عطا کیا، بلکہ سلطنت کا مختار کل بنا دیا، اس کے زمانہ میں نظام الملک کا آفتاب اقبال نصف النہار پر پہنچ گیا اور اپنے درخشاں کارناموں سے ملک شاہی عہد کو سلجوقی حکومت کا دور زریں بنا دیا،

خلافت بغداد سے بھی اس کے تعلقات نہایت خوش گوار تھے اور وہ خلفاء کا دل سے احترام کرتا تھا، مقتدی بھی اسکی بڑی عزت کرتا تھا، مقتدی کی شادی کے جلوس میں تمام امرائے دولت کو جلوس کے ہمراہ پیادہ پا چلنے کا حکم تھا، صرف نظام الملک کو سواری پر چلنے کی اجازت ملی تھی، قصر خلافت میں سب سے نمایاں اور ممتاز جگہ اس کی تھی دوسرے تمام امرا اس کے چپ و راست بیٹھے تھے، شادی کی تقریب میں نظام الملک کو مقتدی کی جانب سے جو خلعت ملا تھا، اس پر "وزیر عالم عادل نظام الملک رضی امیر المومنین" کا طغرا کڑھا

---

[1] طبقات الشافعیہ ج ۳ تذکرہ نظام الملک و ابن خلکان ج اول ص ۱۴۳ و ۱۴۴،

ہوا تھا، یہ وہ اعزاز تھا، جو اس کے سوا اور کسی وزیر کو نصیب نہ ہوا تھا[1]،

نظام الملک اپنے دور کا بڑا فاضل تھا، دینی اور دنیاوی دونوں علوم میں پوری دستگاہ حاصل تھی، سبکی نے شافعی علماء کے زمرہ میں اس کے حالات لکھے ہیں[2]، عربی و فارسی دونوں زبانوں کا انشا پرداز تھا، شاعر بھی تھا، اس نے سیاسیات اور قانون مملکت پر جو کتاب سیاست نامہ کے نام سے لکھی ہے، وہ نہ صرف اس دور کی بہترین سیاسی کتابوں میں ہے بلکہ آج بھی اس سے ملکی انتظام میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، اس کا ترجمہ یورپ کی بہت سی زبانوں میں ہو چکا ہے،

ذاتی فضل و کمال کے ساتھ وہ بڑا علم پرور اور علماء نواز تھا، اس کا دربار علماء و مشائخ کا مرجع تھا، ابن اثیر کا بیان ہے کہ نظام الملک کی مجلس فقہا و ائمہ اور اصحاب خیر و صلاح سے معمور رہتی تھی[3]، ان میں امام الحرمین، شیخ ابو اسحٰق شیرازی، ابو القاسم قشیری اور ابو علی فارمدی خاص طور سے قابل ذکر ہیں، ان کی بڑی عزت و تکریم کرتا تھا، وہ ان کی خیر و برکت سے مستفید ہوتا تھا، امام الحرمین اور ابو القاسم قشیری کے لئے اپنی مسند خالی کر دیتا تھا[4]، ابو علی فارمدی کے سامنے دو زانو بیٹھتا تھا، اور کہتا تھا جو علماء آتے ہیں وہ میرے سامنے میری جھوٹی تعریفیں کرتے ہیں، جس سے میرا عجب و غرور بڑھتا ہے اور شیخ ابو علی فارمدی میرے عیوب اور مظالم گناتے ہیں جس سے مجھ میں فروتنی پیدا ہوتی ہے، اور میں اپنی اصلاح کی کوشش کرتا ہوں[5]،

اپنے زمانہ میں اس نے علم و فن کی بڑی خدمت اور تعلیم کی اشاعت کی بڑی کوشش

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۔ [2] تفصیل کے لئے دیکھو طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۳۵ و ما بعد [3] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۔ [4] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۴ [5] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۷۲،

کی، بلخ، نیشاپور، ہرات، اصفہان، بصرہ، مرو، موصل، آمل اور عراق کے تمام شہروں میں مدرسے قائم کئے[1] عماد الدین اصفہانی کا بیان ہے کہ جس بستی میں کوئی بڑا عالم موجود تھا، وہاں نظام الملک نے ایک مدرسہ اور ایک کتب خانہ قائم کیا[2]، ان میں سب سے بڑا مدرسہ نظامیۂ بغداد تھا، اسے بڑے اہتمام سے تعمیر کرایا تھا، اسکی تعمیر پر دو لاکھ دینار یعنی تقریباً دس لاکھ روپیہ صرف ہوا، دو سال میں اس کی عمارت تیار ہوئی، ذیقعدہ ۴۵۹ھ میں بڑے اہتمام سے اس کا افتتاح ہوا، کئی لاکھ روپیے سالانہ اس کا خرچ تھا، اس کے متعلق دار الاقامہ بھی تھا، تمام طلبہ کو وظائف ملتے تھے، اس دور کے منتخب علمار درس کے لئے فراہم کئے تھے، امام ابو اسحٰق شیرازی، ابو نصر صباغ، ابن الخطیب شارح حماسہ، ابو الحسن فصیحی، قطب الدین شافعی اور امام غزالی جیسے یگانۂ عصر علمار مختلف اوقات میں اس مدرسہ کی تعلیم و تدریس کی مسند پر بیٹھے، مدرسۂ نظامیہ کے تفصیلی حالات آیندہ کسی جلد میں آئیں گے،

ان مدارس کے اخراجات کا معتدبہ حصہ نظام الملک اپنی جیب خاص سے دیتا تھا اور حکومت کی جانب سے بھی امداد مقرر کی تھی، ابن اثیر کا بیان ہے کہ نظام الملک نے ممالک محروسہ کے سارے شہروں میں مدارس قائم کئے اور ان کے مصارف کے لئے بڑی بڑی رقمیں مقرر کیں[3]،

قزوینی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام الملک اپنی آمدنی کا جو کروروں سالانہ کی تھی دسواں حصہ مدارس کے لئے نکالتا تھا، اور چھ لاکھ دینار سالانہ تقریباً تیس لاکھ روپیے حکومت کی جانب سے ملتے تھے[4]،

---

[1] طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۱۳۷، [2] دولت آل سلجوق ص ۵۸ [3] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۸۲
[4] آثار البلاد قزوینی ذکر طوس،

نظام الملک کی اس توجہ اور دلچسپی کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں میں مدارس قائم کرنے کا عام ذوق پیدا ہوگیا، اور جگہ جگہ مدرسے قائم ہونے لگے[1]،

مذہبی خدمات | مدارس کے قیام کے ساتھ اس نے ملک بھر میں بکثرت مسجدیں بنوائیں[2]، حج کے قافلوں کا راستہ درست کرایا، اور جا بجا ان کی سہولت کے لئے منزل گاہوں پر عمارتیں تعمیر کرائیں، پانی کے ذخیرے کے لئے حوض اور تالاب بنوائے[3]، لاوارث حاجیوں کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا[4]، خالص رفاہ عام کے جو کام انجام دیئے، ان کا ذکر ملک شاہ کے کارناموں میں آئے گا،

قیام عدل | قیام عدل میں بڑا اہتمام تھا، اس کی معدلت گستری پر مورخین کا اتفاق ہے، سبکی کا بیان ہے کہ اس کا دور تمامتر فضل و عدل کا دور تھا، اسکی عدل پروری سے مخلوق آرام کی نیند سوتی تھی کسی کے لئے کوئی روک ٹوک نہ تھی، اسکے پاس ہر شخص ہر وقت آسانی کے ساتھ پہنچ سکتا تھا، ایک مرتبہ ایک عورت استغاثہ لے کر آئی، نظام الملک اس وقت دسترخوان پر تھا، حاجبوں نے روک دیا، نظام الملک کو خبر ہوگئی، اس نے حاجبوں کو تنبیہ کی اور کہا میں نے تم کو غریب فریادیوں ہی کی خدمت کے لئے رکھا ہے، معززین تو خود پہنچ جاتے ہیں[5]،

دستور الوزراء میں اس نے عدل و انصاف پر بڑا زور دیا ہے، اس سلسلہ میں لکھتا ہے کہ "وزیر کو بلا ناغہ صبح سے شام تک لوگوں کے معاملات و مقدمات میں مختلف قسم کے احکام صادر کرنا پڑتے ہیں، اس بارہ میں خدا کا حکم ہے کہ "لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرو"، اس لئے اگر ایک فیصلہ بھی احکام خداوندی کے خلاف ہو جائے تو سو برس کی حکومت سے بھی اس کی

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۱۴۳ [2] ایضاً [3] طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۱۴۱ و ابو الفداء ج ۲ ص ۲۰۳، [4] طبقات الشافعیہ حوالہ مذکور [5] ایضاً،

تلافی نہیں ہو سکتی،[1]

اس عدل گستری کی وجہ سے اس کے دور میں اتنا امن و امان تھا کہ کسی کو جان و مال کا کوئی کھٹکا نہ رہتا تھا، اور ہر شخص آرام کی نیند سوتا تھا[2]،

غربا پروری، غربا پروری اس کا خاص وصف تھا، غریبوں کو بہت دوست رکھتا تھا، ان سے لطف و مدارات کے ساتھ پیش آتا تھا، انھیں روزانہ اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا کر کھلاتا تھا[3]، تاریخوں میں اس کی غربا پروری کے بہت سے واقعات مذکور ہیں،

دینداری، دنیاوی وجاہت اور جلالت شان کے باوجود وہ بڑا دیندار اور عابد و زاہد تھا، سبکی کا بیان ہے کہ وہ ہر وقت باوضو رہتا تھا، ہر وضو کے بعد نفل پڑھتا تھا، اور قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا، کلام مجید ہر وقت ساتھ رکھتا تھا، اذان سنتے ہی سارے کام بند کر دیتا تھا، جمعہ، دوشنبہ کو پابندی کے ساتھ روزہ رکھتا تھا[4]،

ابن اثیر کا بیان ہے کہ اذان سنتے ہی سارا کام بند کر دیتا تھا، اور پھر نماز ادا کرنے سے پہلے کوئی کام شروع نہیں کرتا تھا، اگر نماز کا وقت آجاتا اور موذن کی آواز نہ سنائی دیتی تو خود اذان دینے کا حکم دیتا اور یہ عبادت گذاروں کے حفظ اوقات اور پابندی کی ایک بڑی مثال ہے[5]،

آخر زمانہ میں وہ کہا کرتا تھا کہ میری آرزو ہے کہ مجھے شکم پری کے لئے روٹی کا ایک ٹکڑا اور ایک مسجد مل جاتی، جس میں خدا کی عبادت کرتا[6]، نظام الملک کے فضائل بے شمار ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے،

ملکشاہ کا آخری سفر بغداد اور وفات، مقتدی نے اپنے بڑے لڑکے مستظہر کو ولیعہد بنایا تھا اور ملکشاہ

---

[1] سیاست نامہ۔ [2] طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۱۳۳ [3] ابن اثیر ج ۳ ص ۶۲ [4] طبقات ج ۳ ص ۱۳۳، [5] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۶۲ [6] ایضاً،

اپنے صغیر السن نواسہ جعفر بن مقتدی کو ولیعہد بنوانا چاہتا تھا، اس کے لئے مقتدی آمادہ نہ ہوتا تھا، اور اس مسئلہ میں عرصہ سے دونوں میں کشمکش جاری تھی، لیکن ملک شاہ نے یہ طے کر لیا تھا، کہ اگر مقتدی جعفر کی ولیعہدی پر راضی نہ ہوا تو وہ اس کی زندگی میں جعفر کو اصفہان میں تخت نشین کر دے گا[1]،

اس مسئلہ کو طے کرنے کے لئے رمضان ۴۸۵ھ میں اس نے بغداد کا سفر کیا اور مقتدی پر زور ڈالا کہ وہ مستظہر کو ولیعہدی سے خارج کر کے جعفر کو ولیعہد بنا دے، اس کے لئے وہ مطلق آمادہ نہ تھا، لیکن ملک شاہ کے جبر و استبداد کے سامنے انکار بھی مشکل تھا، اس نے اس پر غور کرنے کے لئے دس دن کی مہلت مانگی، ملک شاہ اجازت دے کر شکار کے لئے بغداد کے باہر چلا گیا، اور مقتدی کی خوش قسمتی سے دوران شکار ہی میں بیمار پڑ گیا، اور بغداد واپس آکر ۶ شوال ۴۸۵ھ کو انتقال کیا[2]، انتقال کے وقت کل ۳۸ سال کی عمر تھی، مدت حکومت ۲۰ سال،

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سلطان کی بیوی ترکان خاتون اپنے صغیر السن لڑکے محمود کو ملک شاہ کا ولیعہد بنانا چاہتی تھی، سلطان کا انتقال غیر متوقع طور پر پایہ تخت سے دور بغداد میں ہوا، اس کا ولیعہد برکیارق اصفہان میں موجود تھا، اس لئے ترکان خاتون کو خطرہ پیدا ہوا کہ اگر سلطان کی موت کی خبر مشہور ہو گئی تو برکیارق دار السلطنت پر قبضہ کر لے گا، اس لئے اس نے شوہر کی موت کو بالکل مخفی رکھا، اور جو امراء سلطان کے ہمرکاب تھے، انھیں بڑی بڑی رقمیں دے کر اور آئندہ کے لئے وعدہ کر کے اپنا حامی بنا لیا، اور امیر قوام الدولہ کو ملک شاہ کی انگوٹھی دے کر اصفہان بھیجدیا، کہ وہ اسے قلعدار کو دکھا کر قلعہ پر قبضہ کر لے، شاہی انگشتری

۱؎ راحۃ الصدور ص ۱۴۱، راوندی نے جعفر کو ملک شاہ کا بھانجا لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے، مقتدی کے ساتھ ملک شاہ کی بہن کی نہیں بلکہ لڑکی کی شادی ہوئی تھی جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے ۲؎ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۲۵،

فرمان کا حکم رکھتی تھی، اس لئے قلعہ والے نے قلعہ قوام الدولہ کے حوالہ کردیا، اور برکیارق گرفتار کرلیا گیا، (ابن اثیر ج ۱۰ ص۸۷)

ترکان خاتون نے بغداد سے روانگی کے پہلے مقتدی سے درخواست کی کہ وہ محمود کو ملک شاہ کا ولیعہد مان کر اس کے نام کے خطبہ کی اجازت دیدے، محمود کی عمر کل چار سال تھی، اس لئے مقتدی کو تامل تھا، لیکن ترکان خاتون نے بے دریغ روپیہ صرف کیا اور آخر میں اپنے نواسہ اور مقتدی کے لڑکے جعفر کو اس کے پاس سفارشی بنا کر بھیجا،

مقتدی کو ملک شاہ کے استبداد کا پورا تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے سیاسی نقطۂ نظر سے اسکو محمود کی جانشینی میں امن نظر آیا، اولاً وہ ۴ سالہ بچہ تھا، پھر اس کا سالا تھا، اسکی بادشاہت میں اس کو ترکان خاتون کی شر سے بھی نجات مل جاتی تھی، اس لئے اس نے محمود کو ولیعہد مان کر خطبہ کی اجازت دیدی اور تاج الدولہ کو مشیر سلطنت اور محاصل حکومت اور عمال کے عزل و نصب کا منتظم اور امیر انز کو فوج اور پایہ تخت کا نگراں مقرر کیا،[۲]

ان انتظامات سے فراغت کے بعد ترکان خاتون شوہر کی لاش لے کر اصفہان پہنچی اور ایک مدرسہ کی عمارت میں سپرد خاک کیا،

اوصاف و کمالات ملک شاہ اپنے اوصاف و خصوصیات اور ملک گیری و ملک داری میں نہ صرف سلجوقی سلاطین بلکہ دنیا کے ممتاز ترین حکمرانوں میں تھا، ابن خلکان کا بیان ہے کہ وہ اپنی سیرت کے لحاظ سے دنیا کے بہترین سلاطین میں تھا، اور "سلطان عادل" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا،[۳]

عماد الدین اصفہانی لکھتا ہے کہ ملک شاہ عادل، شجاع، حوصلہ مند، نڈر، صائب الرائے

۱؎ ابن اثیر ج ۱۰ ص۸۷ ۲؎ ایضاً ص۸۴ و راحۃ الصدور ص۱۳۹ ۳؎ ابن خلکان ج اول ص۱۲۳،

باتدبیر اور تاج و تخت کا حقیقی مستحق فرماں روا تھا، سلجوقی سلاطین میں اس کا زمانہ ہار کے درمیانی بڑے موتی کی طرح ممتاز و نمایاں تھا، اس کے آغاز اور انجام دونوں میں ایک تناسب تھا، جس اقلیم کا رخ کیا، اس کو تسخیر اور جس دشمن کا قصد کیا اسے زیر کیا، وہ شام اور انطاکیہ سے قسطنطنیہ کی سرحد تک پہنچ گیا، اور رومی ملکوں سے ایک ہزار دینار سرخ وصول کئے، اور یہاں پچاس اسلامی منبر نصب کئے،[1]

اس نے اتنے ملک زیر نگیں کئے اور سلجوقی حکومت کا رقبہ اتنا وسیع کر دیا کہ خلفائے متقدمین کے سوا بعد کے کسی دور میں اس کی مثال نہیں ملتی، اس کی سلطنت کا رقبہ طول میں چین سے بیت المقدس تک اور عرض میں قسطنطنیہ سے بلاد خزر تک تھا،[2]

سلطنت کی توسیع کے ساتھ اس کو علمی و تمدنی حیثیت سے بھی ذروۂ کمال تک پہنچا دیا، راوندی کا بیان ہے کہ ملک شاہ کے اسلاف نے جہانگیری کی اور اس نے جہانداری، انھوں نے حکومت کا پودا نصب کیا، اس نے پھل کھایا، انھوں نے تخت سلطنت بچھایا، اس کے زمانہ میں برگ و بار لایا، اس کا دور سلجوقی سلطنت کے شباب، ملک کی بہار اور لباس شاہی کی زیب و زینت کا زمانہ تھا، اس نے جس سمت رخ کیا اس کو زیر نگیں کرکے چھوڑا،[3]

وہ عادل تھا اور اسکا زمانہ عہد معدلت تھا، چنانچہ اسکا لقب ہی الملک العادل ہو گیا، راوندی لکھتا ہے کہ قیام عدل میں اسکو اتنا اہتمام تھا کہ اس کے زمانہ میں ظلم مفقود ہو گیا تھا، اگر شاذ و نادر کسی پر ظلم ہو جاتا تو مظلوم براہ راست ملک شاہ سے فریاد کر سکتا تھا،[4]

اس کی عدل پروری کی بہت سی مثالیں تاریخوں میں مذکور ہیں،[5]

---

[1] دولت آل سلجوق ص۵۲ [2] ابن خلکان ج ۲ ص۱۲۳ [3] راحۃ الصدور ص۱۲۶ [4] ایضاً ص۱۳۱، [5] تفصیل کے لئے دیکھو ابن اثیر ج ۱۰ ص۳۳،

سب سے زیادہ ظلم و زیادتی عموماً فوج اور اسکے افسروں کی جانب سے ہوتی ہے، لیکن ملکشاہ کے خوف سے سلجوقی فوجوں کی بھی اس کی جرأت نہ ہوتی تھی، عوام بے خوف و خطر اس کی فوج میں گھومتے پھرتے تھے، اور کسی فوجی کو ان پر زیادتی کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی[1]،

رعایا کی آسایش و سہولت اور رفاہ عام کے بہت سے کام انجام دئے، اپنے حدود سلطنت میں ہر قسم کے تجارتی ٹیکس موقوف کر دیئے، سارے ممالک محروسہ میں سڑکیں نکلوائیں گذر گاہوں پر سرائیں اور دریاؤں پر پل تعمیر کرائے،

مکہ معظمہ کے راستہ میں جا بجا پانی کے ذخیرے کے لئے حوض و تالاب بنوائے[2]، بدوں اور حرم کے خدام کے وظائف و عطایا مقرر کئے، اس کے زمانہ میں شیخ الحرم کی جانب سے ہر حاجی سے سات دینار سرخ ٹیکس لیا جاتا تھا، ملک شاہ نے اس کے معاوضہ میں جاگیر مقرر کرکے ٹیکس بند کرادیا[3]،

اس کے دور کی علمی ترقیوں کا حال اوپر نظام الملک کے حالات میں گذر چکا ہے، ملک شاہ خود بھی صاحب علم اور اس سے زیادہ علم و فن اور اہل علم و ارباب کمال کا قدردان تھا، اس نے سلجوقی حکومت کے جغرافیہ پر خود ایک رسالہ لکھا تھا[4]، اس کے دور کے علمی خدمات کے سلسلہ میں سب سے اہم اور قابل ذکر زیج ملک شاہی ہے، جسے اس کے نام پر حکیم عمر خیام نے ترتیب دیا تھا، یہ زیج چھپ کر شائع ہو چکی ہے،

عمارتوں کا بڑا شائق تھا، اپنے دار السلطنت اصفہان میں شہر اور بیرون شہر بکثرت عمارتیں بنوائیں اور باغات لگوائے[5]،

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۴۷ [2] ایضاً [3] راحۃ الصدور ص ۱۳۱ [4] کشف الظنون ج اول ص [5] راحۃ الصدور ص ۱۳۲،

نغمہ وسرود سے بھی ذوق رکھتا تھا، اس سلسلہ میں ایک سبق آموز واقعہ قابل ذکر ہے، ایک مرتبہ ایک حسین اور خوش گلو مغنیہ کا گانا سن رہا تھا، اسکی آواز اور صورت بہت بھائی، سلطان کی نیت میں فتور پیدا ہوا، یہ دیکھ کر مغنیہ نے کہا شاہا یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ یہ حسین وجمیل چہرہ آتش دوزخ کا ایندھن بنے، حلال وحرام کے درمیان صرف ایک بول کا فاصلہ ہے، سلطان کے دل پر یہ بات اثر کر گئی، اس نے کہا تم سچ کہتی ہو اور اسی وقت قاضی کو بلاکر اس سے نکاح کر لیا[۱]،

سیر وشکار کا بڑا شائق بلکہ فریفتہ تھا، اس کے اوقات کا بڑا حصہ اس شغل میں صرف ہوتا تھا، قادر انداز ایسا تھا کہ ایک مرتبہ ایک دن میں ستر ہرن شکار کئے، ہر شکار کے کفارہ میں ایک دینار خیرات کرتا تھا،

اس کے شکاروں کی مجموعی تعداد دس ہزار جانوروں تک پہنچ جاتی ہے، اس کا مستقل شکار نامہ لکھا جاتا تھا جو کتابی شکل میں بعد میں بھی موجود تھا، عرب، عراق، خراسان، ماوراء النہر، خوزستان اور اصفہان وغیرہ میں جہاں بڑی شکار گاہیں تھیں، وہاں اس نے شکار کی یادگاریں قائم کی تھیں[۲]،

محمود بن ملک شاہ | ملک شاہ کے بڑے لڑکے برکیارق کو جس طرح ترکان خاتون نے اس کے حق سے محروم کر کے اپنے صغیر السن بچہ محمود کو ملک شاہ کا جانشین بنانے کی کوشش کی تھی، اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے،

ترکان خاتون نے گو سلجوقی امراء کو اپنی دولت کے زور سے حامی بنا لیا تھا لیکن نظامی[۳] ممالیک جن کی تعداد ہزاروں پر مشتمل تھی برکیارق کے ساتھ تھے اور ترکان خاتون کے اہتمام

[۱] ابن خلکان ج ۲ ص ۱۲۴ [۲] راحۃ الصدور ص ۱۳۲ و ابن اثیر ج ۱۰ ص ۴۲ [۳] نظام الملک کے غلاموں کا دستہ،

کے باوجود ملک شاہ کی خبر وفات مخفی نہ رہ سکی، اور جیسے ہی اصفہان پہنچی، نظامی غلاموں سے برکیارق کو قید سے چھڑا کر تخت نشین کر دیا، اس دوران میں ترکان خاتون اصفہان کے قریب پہنچ گئی، چونکہ سلجوقی امراء اس کے ساتھ تھے اور پایہ تخت میں ان کا مقابلہ مشکل تھا، [۱] نظامی غلام برکیارق کو رے لیجا کر اس کی تخت نشینی کے مراسم ادا کئے [۲]، یہاں دس ہزار آدمی اور برکیارق کے ساتھ ہو گئے،

اصفہان پہنچنے کے بعد ترکان خاتون نے برکیارق کے مقابلہ کے لئے فوجیں روانہ کیں اس کی فوج کے بعض افسر برکیارق سے مل گئے، اس لئے اصفہانی فوج کو شکست ہوئی اور برکیارق نے اصفہان پر فوج کشی کر کے اس کا محاصرہ کر لیا،

ابھی یہ مہم جاری تھی کہ برکیارق اور ترکان خاتون کا اختلاف دیکھ کر ملک شاہ کے بھائی تتش ارسلان والی دمشق کو اس کے تاج و تخت پر قبضہ کرنے کی طمع دامنگیر ہوئی، اور اس نے برکیارق پر فوج کشی کر دی، اس سے فراغت ملی تھی کہ برکیارق کا سوتیلا بھائی سلطان محمد اٹھ کھڑا ہوا، اور برسوں دونوں میں جنگ جاری رہی، اور ایک دن کے لئے بھی برکیارق کو اطمینان و سکون کے ساتھ حکومت کا موقع نہ مل سکا، اس کی تفصیل آئندہ آئے گی،

مقتدی کی وفات

۱۵ محرم ۴۸۷ھ کو کھانا کھانے کے بعد دفعۃً مقتدی کی طبیعت بگڑ گئی، اور چند لمحوں میں انتقال ہو گیا عمائد سلطنت نے اسی وقت مستظہر باللہ کی بیعت لی، اس سے فراغت کے بعد تجہیز و تکفین عمل میں آئی، وفات کے وقت کل ۳۹ سال کی عمر تھی، مدت خلافت ۱۹ سال ۸ مہینے تھی،

اوصاف

مقتدی جامع اوصاف فرماں روا تھا، اس میں دین و سیاست دونوں جمع تھے،

---

[۱] راحۃ الصدور ص ۱۴۰ و ۱۴۲، [۲] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۴ و راحۃ الصدور ص ۱۴۰ و ۱۴۲،

گو اس کے زمانہ میں سلجوقیوں کی قوت بہت بڑھ گئی تھی، اور ملک شاہ نے خلافت بغداد پر حاوی ہونے کی بڑی کوشش کی اور کسی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوا لیکن مقتدی نے حتی الامکان خلافت کے وقار کو قائم رکھا اس دور زوال میں ہر اعتبار سے مقتدی کا زمانہ ممتاز تھا، ابن اثیر کا بیان ہے کہ مقتدی قوی دل اور عالی ہمت خلیفہ تھا، اس کا عہد بڑی خیر و برکت کا زمانہ تھا، خیر کی کثرت اور رزق میں کشادگی و وسعت تھی، خلافت کا وقار پہلے سے زیادہ قائم ہوا، بغداد کی آبادی میں اضافہ ہوا، بصلیہ، قطیعیہ، حلبیہ، مقتدیہ، اجمہ، درب القیار، خرابہ ابن جردہ خرابہ ابن ہراس، خاتونیتین بہت سے نئے محلے آباد ہوئے[1]،

سیوطی کا بیان ہے کہ وہ نجبائے بنی عباس میں تھا، اس کے زمانہ میں قوانین خلافت کا نفاذ ہوا اور انکی حرمت قائم ہوئی،[2]

اس سیاسی قوت کے ساتھ اس نے دین و مذہب کا بھی احترام قائم کیا اور بہت سی دینی و اخلاقی اصلاحیں کیں، گانے ناچنے والی بد اخلاق عورتوں کو بغداد سے نکال دیا، بغیر ازار کے حمام میں جانے اور ملاحوں کو کشتیوں پر ایک ساتھ عورتوں اور مردوں کو لیجانے کی ممانعت کردی، کبوتر بازی کے برجوں اور چھتریوں کو جن سے گھروں کی بے پردگی ہوتی تھی اکھڑوا دیا،[3]

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۶۹ و ۸۰ [2] تاریخ الخلفاء ص ۴۳۳ [3] ایضاً و تاریخ الخلفاء ص ۴۳۳،

ابو العباس احمد بن مقتدی الملقب بہ مستظہر باللہ

سنہ ۴۸۷ھ تا سنہ ۵۱۵ھ مطابق سنہ ۱۰۹۴ء تا سنہ ۱۱۱۸ء

مقتدی کی وفات کے بعد محرم سنہ ۴۸۷ھ میں اس کا لڑکا ابو العباس احمد الملقب بہ مستظہر باللہ تخت نشین ہوا، اس وقت برکیارق بغداد میں موجود تھا، اس نے اور تمام سلجوقی امراء نے مستظہر کی بیعت کی، اس وقت اس کا سولھواں سال تھا، اس کے زمانہ میں سلجوقیوں کی خانہ جنگی کے سوا خاص خلافت بغداد کے حالات بہت کم ہیں،

آذربیجان پر تتش ارسلان کی فوج کشی اور ناکامی

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ملک شاہ کی وفات کے بعد اس کا بھائی تاج الدولہ تتش ارسلان والی دمشق اس کے تاج و تخت پر قبضہ کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا، ملک شاہ کے اصل وارث خانہ جنگی میں مبتلا تھے، اور ملک شاہ کی جانشینی کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تھا، اس لئے امیر اقسنقر والی حلب اور امیر بوزان والی رہا وغیرہ تتش ارسلان کے ساتھ ہو گئے تھے، ان کی مدد سے اس نے سنہ ۴۸۶ھ میں بنی مروان کے علاقہ موصل اور دیار بکر وغیرہ پر قبضہ کر لیا تھا، اور آذربیجان پر فوج کشی کی، اس وقت برکیارق اس کے مقابلہ میں نکلا، اسے دیکھ کر امیر اقسنقر اور بوزان تتش کا ساتھ چھوڑ کر اس کے ساتھ ہو گئے، اور تتش کو ناکام دمشق واپس جانا پڑا،[1]

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۸۲،

امیر اسمٰعیل کی مخالفت اور اس کا قتل

اس دوران میں ترکان خاتون نے اپنے اور ملک شاہ کے چچیرے بھائی امیر اسمٰعیل کو جو برکیارق کا حقیقی ماموں تھا اپنے ساتھ شادی کی طمع دلاکر ملالیا، اس نے برکیارق پر فوج کشی کردی لیکن شکست کھائی، ترکان خاتون کا کارپرداز سلطنت امیر انر امیر اسمٰعیل کے خلاف تھا، اس لئے وہ بددل ہوکر برکیارق کے قتل کے منصوبہ سے رَے چلا گیا، لیکن راز فاش ہوگیا اور وہ خود قتل کردیا گیا، اسکے چند دنوں کے بعد ترکان خاتون کا بھی انتقال ہوگیا،[1]

برکیارق کی شکست اور بغداد میں تتش کا خطبہ

تتش ارسلاں کو اقسنقر کی وجہ سے آذربیجان میں ناکامی ہوئی تھی، اس لئے اس نے شام واپس جانے کے بعد خود اس کے علاقہ حلب پر فوج کشی کردی، اور اقسنقر کو شکست دے کر قتل کردیا، اس کے دوسرے ساتھی بوزان نے حلب کو بچانے کی کوشش کی لیکن وہ بھی مارا گیا اور تتش ارسلان پھر آذربیجان پہنچا اور برکیارق کو شکست دے کر بغداد میں اپنے نام کا خطبہ جاری کرادیا،[2]

سلطان محمود کی موت اور برکیارق کی تخت نشینی

گو ترکان خاتون کا انتقال ہوچکا تھا لیکن امیر انر اور دوسرے سلجوقی امرا سلطان محمود کے ساتھ تھے اور برکیارق کے لئے بہ یک وقت انکا اور تتش کا مقابلہ مشکل تھا، اس لئے اس نے اصفہان جاکر محمود سے صلح کرلی، اس صلح کے چند ہی دنوں بعد چیچک میں محمود کا انتقال ہوگیا، اس کی موت کے بعد سلجوقی امرا نے برکیارق کو تخت نشین کردیا، اور عراق و خراسان کے تمام امرا اس کے ساتھ ہوگئے،[3]

تخت نشینی کے بعد ہی برکیارق بھی چیچک میں مبتلا ہوگیا، تتش اس وقت ہمدان میں موجود تھا، اس نے سلجوقی امرا کو ملانے کی کوشش کی، برکیارق کی حالت امید وبیم کی تھی اس لئے امرا نے

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۸۱ [2] ایضاً ص ۸۱ [3] راحۃ الصدور ص ۱۴۳،

تتش کو امید افزا جواب دیا، لیکن برکیارق خلاف امید شفایاب ہوگیا، اور تتش کو شکست دیکر قتل کرادیا[1]

خراسان پر ارسلان ارغون کا قبضہ اور اس کا قتل

ان لڑائیوں کے دوران میں برکیارق کے دوسرے چچا ارسلان ارغون نے خراسان پر قبضہ کرلیا تھا، تتش سے فراغت کے بعد برکیارق نے اپنے تیسرے چچا بوربرس کو ارسلان ارغون کے مقابلہ کے لئے بھیجا، لیکن ارسلان نے اسے قتل کرادیا، اس کے قتل کے بعد برکیارق نے اپنے سوتیلے بھائی سنجر کو اس مہم پر مامور کیا، ابھی یہ راستہ میں تھا کہ ارسلان کو اس کے غلاموں نے قتل کردیا، اس کے امراء نے اس کے ۷ سالہ بچہ کو جانشین بنایا، لیکن سنجر کے خراسان پہنچنے کے بعد بچہ کو اس کے حوالہ کردیا، سنجر نے اسکی موروثی جائداد جو ملک شاہ نے ارسلان کو دی تھی، اس کے اخراجات کے لئے رہنے دی، اور برکیارق کی ماں نے اس بچہ کو اپنے پاس بلاکر پرورش کیا، ارسلان کے قتل کے بعد برکیارق خود خراسان گیا، اور ماوراء النہر وغیرہ میں بھی اس کے نام کا خطبہ جاری ہوگیا، اور اس نے سنجر کو خراسان کا والی بنایا،

دوسری طرف سلطان برکیارق کی عدم موجودگی میں اس کے سابق وزیر موئد الملک نے جس کو اس نے معزول کردیا تھا، اس کی مخالفت میں امیر انز کو جسے سلطان اپنی غیر حاضری میں اپنا نائب بنا گیا تھا، اس کے خلاف کھڑا کردیا، لیکن اس کو ایک باطنی نے قتل کردیا، اور اس کا فتنہ بڑھنے نہ پایا،

سلطان محمد کی مخالفت اور ملک کی تقسیم

اس تدبیر میں ناکامی کے بعد موئد الملک نے برکیارق کے دوسرے سوتیلے بھائی سلطان محمد کو جو تمام بھائیوں میں بڑا شجاع اور حوصلہ مند تھا، برکیارق کے مقابلہ میں کھڑا کردیا، اسکی مخالفت کی خبر پاکر برکیارق فوراً خراسان سے واپس آیا،

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۸۵ [2] ایضاً ص ۹۰ و ۹۱

بغداد میں محمد کا خطبہ | لیکن اس کے پہنچتے پہنچتے سلطان محمد نے رے پر قبضہ کر لیا، اور اس کے وزیر موید الملک نے برکیارق کی ماں زبیدہ خاتون کو جو رے میں تھی گرفتار کرکے مروا ڈالا اور بغداد کے شحنہ سعد الدولہ گوہر آئین نے کوشش کرکے ۴۹۲ھ میں بغداد میں سلطان محمد کا خطبہ جاری کرا دیا اور مستظہر نے اسے "غیاث الدنیا والدین" کا معزز لقب عطا کیا،[1]

سلطان محمد اور برکیارق میں ۴۹۲ھ سے لیکر ۴۹۷ھ تک پانچ لڑائیاں ہوئیں جو فریق غالب ہوتا تھا وہ بغداد میں اپنے نام کا خطبہ جاری کرا دیتا تھا، اس مسلسل جنگ و خونریزی سے ملک میں بڑی ابتری پھیل گئی، امن و امان مفقود اور ملک ویران ہوگیا، دوسری حکومتیں سلجوقیوں کے مقابلہ میں دلیر ہوگئیں، یہ صورت حال دیکھ کر برکیارق نے قاضی ابو المظفر جرجانی حنفی اور ابو الفرج احمد بن عبد الغفار ہمدانی کے ذریعہ محمد کے پاس صلح کا پیام بھیجا، ملک کی ویرانی اس کی نگاہ میں بھی تھی، اسلئے ربیع الاول ۴۹۷ھ میں دونوں میں صلح ہوگئی، اس صلح کی رو سے نہر سپید سے لیکر باب الابواب تک کا علاقہ موصل، جزیرہ، دیار بکر اور شام و عراق کا فراتی علاقہ سلطان محمد کے حصہ میں آیا اور باقی ملک برکیارق کے قبضہ میں رہا، اور طے پایا کہ دونوں اپنے اپنے ملک کے خود مختار فرماں روا ہوں گے، ہر ایک کے ملک میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جائیگا، سلطان محمد شاہی نوبت بجانے کا مجاز ہوگا،

اس مصالحت کے بعد سلطان محمد نے برکیارق کے پایہ تخت کو جس پر اس نے قبضہ کر لیا تھا برکیارق کے حوالہ کر دیا، سلطان محمد کی بیوی اور بچے اصفہان ہی میں تھے، برکیارق نے انھیں ہدایا و تحائف کے ساتھ اپنی فوج کی حفاظت میں محمد کے پاس بھجوا دیا، اور مسلسل کئی سال کی بد امنی اور خونریزی کے بعد ملک میں امن و امان قائم ہوا اور مستظہر نے بغداد میں برکیارق

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۰۰

کے نام کا خطبہ جاری کر کے اسکو اور اس کے وزیر کو خلعت سے نوازا[5]،

اس صلح کے بعد جب برکیارق کو اطمینان و سکون حاصل ہوا، تو خود اس کا وقت آخر ہوگیا، اس کو عرصہ سے سل اور بواسیر کی شکایت تھی، شراب کی کثرت نے اسکی صحت اور برباد کردی، ربیع الاول ۴۹۸ھ میں اس نے بغداد کا سفر کیا، راستہ میں طبیعت زیادہ بگڑ گئی، اور امید زیست باقی نہ رہی، امرا ہمرکاب تھے، اسی وقت اپنے صغیر السن بچے ملک شاہ کو ولیعہد بناکر امیر ایاز کو اس کا اتابک مقرر کیا، اور ۲ ربیع الثانی ۴۹۸ھ میں انتقال کر گیا، لاش اصفہان لیجاکر سپرد خاک کی گئی، انتقال کے وقت کل ۲۵ سال کی عمر تھی، مدت حکومت بارہ سال[1]

برکیارق عاقل و دانش مند فرماں روا تھا، حلم و عفو اور ضبط و تحمل اس کے امتیازی اوصاف تھے، عموماً عفو و درگذر سے کام لیتا تھا،

تخت نشینی سے لے کر وفات سے کچھ دنوں پہلے تک وہ مسلسل مخالف حالات میں مبتلا رہا اور اسکو ایسی ایسی مشکلات اور ہمت شکن واقعات کا سامنا رہا کہ کسی دوسرے فرمانروا کیلئے انکا مقابلہ مشکل تھا، اس نے محض اپنی ہمت و استقلال سے ان کا مقابلہ کیا اور گو اس کی سلطنت تقسیم ہو گئی لیکن اس کی حکومت قائم رہی،

ملک شاہ ثانی بن برکیارق برکیارق کی موت کے بعد ربیع الثانی ۴۹۸ھ میں اس کا صغیر السن بچہ ملک شاہ ثانی تخت نشین ہوا، مستظہر نے اس کی حکومت کی تصدیق کر کے بغداد میں اس کا خطبہ جاری کر دیا، اور ملک شاہ اول کے تمام خطابات اس کو عطا کیے[2]، اس کی تخت نشینی کے بعد ہی اس کے اتابک امیر ایاز نے سلطان محمد کی مخالفت شروع کر دی[3]،

سلطان محمد الپ ارسلان اور ملک شاہ کے اوصاف و کمالات کا وارث تھا، اس لئے بعض

۱؎ ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۲۹ ۲؎ ایضاً ۳؎ راحۃ الصدور ص ۱۵۳،

اکابر امرا برکیارق ہی کے زمانہ سے اس کی حمایت میں تھے، چنانچہ امیر سیف الدولہ صدقہ ابن منصور والی حلہ شروع سے اس کا معاون ومددگار تھا، اس نے سلطان محمد کو بغداد بلا بھیجا، ملک شاہ ۵ سالہ بچہ تھا اصل حکومت امیر ایاز کے ہاتھوں میں تھی، اس لئے سلطان محمد سیف الدولہ کی دعوت پر بغداد پہنچا، سلطان محمد کا مقابلہ ایاز کے لئے دشوار تھا، اس نے اپنے امرار سے مشورہ کیا، سب نے مقابلہ کی رائے دی، لیکن ایک تجربہ کار امیر ابو المحاسن نے کہا کہ ان سب امرار کا مشورہ خود غرضی پر مبنی ہے، وہ اپنے ذاتی فائدہ کے لئے جنگ چاہتے ہیں، میری رائے میں سلطان محمد کی اطاعت زیادہ مفید ہے، اس صورت میں وہ ہمارے حقوق کا زیادہ لحاظ رکھے گا، ایاز نے بھی اس رائے کو پسند کیا، اور سلطان محمد سے ملکشاہ و اسکے تمام امرائے دولت کی جان ومال کی حفاظت کا وعدہ لے کر جمادی الاول ۴۹۸ھ میں حکومت اسکے حوالہ کر دی، لیکن سلطان کو ایاز کی جانب سے اطمینان نہ تھا بعض واقعات بھی ایسے پیش آئے جس سے اسکی بدگمانی اور بڑھ گئی اور اس نے ایاز کو بہانہ سے بلا کر قتل کرا دیا، وہ ملک شاہ سلجوقی کے لائق ترین غلاموں میں تھا، [1]

راوندی اور حمد اللہ مستوفی کا بیان اس سے مختلف ہے، انھوں نے اس سلسلہ میں یہ افسانہ لکھا ہے، کہ ایاز نے سلطان محمد کا مقابلہ کیا، لیکن میدان جنگ میں ایاز کی فوج کو سلطان محمد کی فوج کی سمت فضائے آسمانی پر ایسی خوفناک شکلیں نظر آئیں کہ ان کی ہیبت سے ہتھیار ڈالدیئے، اور ایاز زندہ گرفتار ہوا، اور سلطان نے اسے قتل کرا دیا، [2]

سلطان محمد بن ملک شاہ

ایاز کے قتل کے بعد سلطان محمد مستظہر کے حضور میں حاضر ہوا، وہ بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ پیش آیا اور غیاث الدین محمد قسیم امیر المومنین کا لقب عطا کیا، اور اس کی حکومت مسلّم ہو گئی،

۱؎ ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۳۴ ۲؎ راحۃ الصدور ص ۱۵۴ و تاریخ گزیدہ ج اول ص ۴۵۴

سلطان محمد اپنے نامور اسلاف کی خصوصیات کا حامل اور ان کا صحیح جانشین تھا، اپنے زمانہ میں اس نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے، اور سلجوقی حکومت کو پھر ایک طاقتور سلطنت بنا دیا، اس کی بادشاہت مسلّم ہونے کے ایک ہی سال بعد ۴۹۹ھ میں اس کے چچیرے بھائی امیر منکبرس نے علم بغاوت بلند کرکے نہاوند پر مخالفانہ قبضہ کر لیا، اسی زمانہ میں بنی برستق پر عتاب سلطانی نازل ہوا تھا، انکی جاگیر ضبط ہو گئی تھی اور زنگی بن برستق قید کر دیا گیا تھا، منکبرس نے زنگی کے بھائیوں کو ساتھ ملانے کی کوشش کی، زنگی کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے بھائیوں سے کہلا بھیجا کہ اگر تم نے منکبرس کا ساتھ دیا، تو میری خیر نہیں، اگر مجھے بچانا چاہتے ہو تو منکبرس کو گرفتار کرکے سلطان کے حوالہ کر دو، چنانچہ ان لوگوں نے مدد کے بہانہ سے اس کو بلا کر سلطان کے پاس بھجوا دیا، سلطان نے اس خدمت کے صلہ میں زنگی کو رہا کرکے بنی برستق کی جاگیر واگذار کر دی۔[1]

صدقہ بن مزید کا قتل ۵۰۱ھ میں سلطان محمد نے اپنے پرانے وفادار امیر سیف الدولہ صدقہ ابن منصور اسدی والی حلہ کو قتل کرا دیا، وہ سلطان کی وفاداری پر اب تک قائم تھا لیکن اس کے تقرب اور اسکی شوکت و عظمت کی وجہ سے اسکے حاسدوں نے سلطان کو اس کے خلاف بہت بھڑکایا، سیف الدولہ میں ایک وصف یہ تھا کہ وہ ہر طاقتور کے مقابلہ میں کمزوروں کی پشت پناہی کرتا تھا اور اس بارہ میں وہ سلطان محمد کی بھی پرواہ نہ کرتا تھا اتفاق سے ابو دلف سرخاب بن کیخسرو والی ساوہ پر عتاب سلطانی نازل ہوا، صدقہ نے اسے بھی پناہ دی،

سلطان نے اس کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ سرخاب کو اس کے حوالہ کر دے، اس نے انکار کیا، اور سلطان کے مقابلہ میں اس کی پوری امداد و حمایت کے لئے آمادہ ہو گیا، اس قسم کے بعض واقعات اور پیش آئے، اس لئے سلطان نے اس پر فوج کشی کر دی، سیف الدولہ نے اسکا

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۳۹،

مقابلہ کیا اور بہادری کے ساتھ لڑ کر جان دی[1]،

والی موصل کی سرکشی اور موصل پر سلطانی قبضہ موصل کے والی جاؤلی سقاؤ کارو یہ سلطان کے ساتھ باغیانہ تھا اس نے خراج دینا بند کر دیا تھا، اور سیف الدولہ اور سلطان کی جنگ میں اس نے سیف الدولہ کی حمایت کی تھی، اس لئے اس سے فراغت کے بعد سلطان نے جاؤلی کے مقابلہ میں فوجیں بھیجیں، وہ مقابلہ کے انتظام کے لئے موصل کے باہر چلا گیا، اور سلطانی فوجوں نے موصل کا محاصرہ کر لیا، جاؤلی کے بال بچے اور کچھ فوج موصل کے قلعہ میں تھی، ان لوگوں نے اہل موصل پر زیادتی کی، اس لئے وہ سب اس کے خلاف ہو گئے، اور سلطانی فوجوں نے آسانی کے ساتھ شہر پر قبضہ کر لیا، جاؤلی کی بیوی امیر مودود کی اجازت سے اپنا مال و متاع لے کر اپنے بھائی امیر برسق بن برسق کے پاس چلی گئی، اور موصل کا علاقہ سلطانی قبضہ میں آگیا،

باطنیوں کی مصیبت سرزمین عجم میں باطنیوں کی تبلیغ و اشاعت کا مختصر حال ملک شاہ کے زمانہ میں گذر چکا ہے، ملک شاہ کی وفات کے بعد اس کے جانشینوں کی خانہ جنگی کے زمانہ میں باطنیوں کی قوت بہت بڑھ گئی اور انھوں نے عجم کے بہت سے قلعوں اور قہستان کے پورے علاقہ پر قبضہ کر لیا[2]،

ملک شاہ کے زمانہ ہی سے ان کی تاخت و تاراج اور قتل و غارت کی وارداتیں شروع ہو گئی تھیں قلعوں پر قبضہ کے بعد ان کی جسارت اور بڑھ گئی اور انھوں نے بیدریغ خونریزی شروع کر دی اور چند دنوں کے اندر ہزاروں مسلمانوں کو جن میں بہت سے اکابر علماء و فضلاء اور امراء تھے قتل کر ڈالا،

قتل کی وارداتیں اتنی عام ہو گئی تھیں اور لوگوں پر اتنا خوف و ہراس طاری ہو گیا تھا کہ کوئی شخص تنہا گھر سے نکلنے کی ہمت نہ کرتا تھا، اگر باہر جانے والے مقررہ وقت پر

[1] ابوالفداء ج ۲ ص ۲۲۲ [2] ابن اثیر نے ان قلعوں کی پوری تفصیل لکھی ہے، دیکھو ج ۱۰ صفحہ ۱۱۱،

گھر نہ واپس آجاتے تو گھر والوں کو ان کی موت کا یقین ہو جاتا اور وہ عزاداری کے مراسم ادا کرنا شروع کر دیتے[1]:

خاص اصفہان کا علاقہ بھی محفوظ نہ تھا، ایک باطنی رئیس احمد بن عطاش نے اصفہان کے قریب ایک قلعہ سیاہ در پر قبضہ کر لیا تھا[2]، شہر اصفہان تک میں ان کا ایک مخفی مرکز قائم تھا، روزانہ قتل کی وارداتیں ہوتی تھیں اور پتہ نہ چلتا تھا، باطنی مختلف بھیسوں میں پھیلے ہوئے تھے، اصفہان میں ایک اندھا باطنی روزانہ ایک تاریک اور پُر پیچ گلی کے سرے پر کھڑا ہو جاتا اور جو راہ گیر نکلتا اس سے کہتا بابا خدا بھلا کرے، اندھے کو اس کے گھر تک پہنچا دو، لوگ رحم کھا کر ساتھ ہو جاتے اور جیسے ہی باطنیوں کی کمین گاہ تک پہنچتے، باطنی ان کو پکڑ لے جاتے، اس طریقہ سے چار پانچ مہینوں کے اندر سیکڑوں آدمی لاپتہ ہو گئے، اور انکی گمشدگی کا کوئی سراغ نہ ملتا تھا، اتفاق سے ایک دن ایک بھکارن مانگتے مانگتے کمینگاہ کے دروازہ تک پہنچ گئی، اور اندر سے نالہ و فریاد کی آواز سن کر بھاگ نکلی، اور لوگوں سے بیان کیا کہ فلاں گھر میں میں نے نالہ و فریاد کی آوازیں سنی ہیں، قتل کی وارداتوں سے لوگوں کو جستجو تھی ہی، اتنا سراغ پا کر ہزاروں آدمی اس گھر میں گھس گئے، وہاں پورا مقتل نظر آیا، زمین دوز تہ خانوں میں کئی سو آدمی سزا بھگت رہے تھے، بہت سے مر چکے تھے، کچھ نیمجان تھے بعض دیواروں میں کیلوں سے ٹھکے ہوئے تھے، اس انکشاف سے شہر میں ایک شور برپا ہو گیا اور اصفہان ماتمکدہ بن گیا[3]،

خود سلطان کی فوج میں سپاہی کے بھیس میں ہزاروں باطنی اپنی تبلیغ و اشاعت کر رہے تھے، جو شخص ان کی مخالفت کرتا اس کو قتل کی دھمکی دیتے، جان کے خوف سے کوئی شخص بھی مخالفت کی جرأت نہ کرتا تھا، بڑے بڑے امراء پوری احتیاط کرتے تھے،

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۰۹ [2] ایضاً ص ۱۱۱ [3] راحۃ الصدور ص ۱۵۷ و ۱۵۸۔

اتفاق سے سلطان برکیارق اور سلطان محمد کی جنگ کے زمانہ میں باطنیوں کے ہاتھ سے جو امیر مارے گئے، وہ سب سلطان محمد کی جماعت کے تھے، اس لئے سلطان محمد کے بعض مخالفین نے خود اس کو باطنیت سے متہم کر دیا تھا، اس لئے برکیارق کو ان کے استیصال کی طرف توجہ کرنا پڑی، اور اس نے سب سے اول اپنی فوج کے باطنیوں کو تلاش کر کرکے قتل کرایا، اس سلسلہ میں بہت سے امراء بھی مارے گئے،[۱]

فوج کے علاوہ جہاں جہاں ان کے جتھے مل سکے، ان کا استیصال کیا گیا، اس سلسلہ میں بھی بہت سے امراء جن پر باطنیت کا شبہہ تھا قتل ہوئے، مدرسۂ نظامیہ کے ایک مدرس کیا ہراسی باطنیت کے الزام میں پکڑے گئے، اور مستظہر کی شہادت پر انھیں رہائی ملی،[۲]

باطنیت کا الزام ایسا سنگین تھا کہ اس کا داغ صرف تلوار دھو سکتی تھی، اس لئے اس عام دار و گیر میں بہت سے ناکردہ گناہ بھی مارے گئے، مختلف امراء اور بااثر اشخاص نے اپنی اپنی جگہ پر علٰحدہ ان کا استیصال کیا، چنانچہ جاولی سقاؤ والی موصل، تیران شاہ والی کرمان اور ابو القاسم مسعود بن محمد خجندی نے ہزاروں باطنیوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا،[۳]

اس سختی سے ان کا زور کسی قدر گھٹا، لیکن سلجوقیوں کی خانہ جنگی کی وجہ سے پھر انھیں طاقت پکڑنے کا موقع مل گیا، اور ۴۹۸ھ میں انھوں نے بیہق کے نواح میں قتل و غارت شروع کر دی، رے کے قریب حاجیوں کے ایک بڑے قافلہ کو جس میں خراسان ماوراء النہر اور ہندوستان تک کے حجاج تھے، تہ تیغ کر ڈالا، اور اس کا کل سامان لوٹ لیا،[۴]

اصفہان کے نواح میں بھی قلعۂ سیاہ در اب تک احمد بن عطاش کے قبضہ میں تھا، وہ بے شمار مسلمانوں کو قتل کر چکا تھا، اور زمینداروں اور سلطانی عمال تک سے ٹیکس

---

[۱] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۱۲ [۲] ابن خلدون ج ۵ ص ۲۶، ۲۷ [۳] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۱۱، ۱۱۲ [۴] ایضاً ص ۱۳۴

وصول کرتا اور وہ سب جان کے خوف سے ادا کرتے تھے۱؎

اس لئے سلطان محمد کو بھی ان کی طرف توجہ کرنا پڑی، اور اس نے سپاہ در پر فوج کشی کر کے اس کا محاصرہ کیا، احمد بن عطاش نے چند دنوں تک مدافعت کی کوشش کی لیکن پھر اس کا سامان رسد ختم ہو گیا، اس نے سلطان محمد کے وزیر سعد الملک اوجی کے پاس جو در پردہ باطنی تھا، کہلا بھیجا، کہ اگر تم نے سامان رسد بھیجنے کا کوئی انتظام نہیں کیا تو میں قلعہ حوالہ کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا، سعد الملک نے جواب میں کہلایا، کہ چند دن اور توقف کرو میں اس سگ (سلطان محمد) ہی کا کام تمام کرائے دیتا ہوں،

سلطان محرور المزاج تھا، ہر مہینہ فصد لیا کرتا تھا، سعد الملک نے شاہی فصاد کو رشوت دے کر زہر آلود نشتر سے فصد دینے پر آمادہ کر لیا، سلطان کو اسکی خبر ہو گئی، اور فصاد کو بھی اس کا اقرار کرنا پڑا، سلطان نے اسی زہر آلود نشتر سے سعد الملک کو فصد دلوائی اور وہ ختم ہو گیا، سعد الملک کی موت کے بعد احمد بن عطاش قلعہ حوالہ کرنے پر مجبور ہو گیا، سلطان نے اسے گرفتار کر لیا اور نہایت ذلت کے ساتھ اسکی تشہیر کر کے قتل کیا، اور اس کا قلعہ مسمار کرا دیا،۲؎

سنہ ۵۰۳ھ میں سلطان نے اپنے وزیر نظام الملک بن احمد بن نظام الملک کو باطنیوں کے اصل مرکز قلعہ الموت کی تسخیر پر مامور کیا، اس نے فوج کشی کر کے اس کا محاصرہ کیا، لیکن چند دنوں کے بعد گرمی کی شدت کی وجہ سے اس کو لوٹ آنا پڑا، اسکی واپسی کے بعد ایک باطنی نے حملہ کر کے اس کو زخمی کر دیا، زخم اچھا لگا تھا، چند دنوں میں شفایاب ہو گیا،

۱؎ ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۵۱ ۲؎ راحۃ الصدور ص ۱۵۶ تا ۱۶۱ الملخصاً و تاریخ گزیدہ ج اول ص ۴۵۴ و ۴۵۵

اس کے دو سال بعد یہ مہم امیر انوشتگین شیرگیر کے متعلق ہوئی، اور متعدد امرار اسکی مدد پر مامور ہوئے، انھوں نے قلعہ کلام اور قلعہ بیرہ باطنیوں کے کئی قلعے فتح کئے، امیر انوشتگین نے بڑے اہتمام سے قلعہ الموت کا محاصرہ کیا، اور یہاں مکانات بنوا کر مستقل قیام کر دیا، سلطان برابر سامان رسد اور فوجیں بھیجتا رہا، حسن بن صباح نو دس سال تک مدافعت کرتا رہا، آخر میں جب اس کا سامان رسد ختم ہوگیا اور محصورین کی جان پر آبنی تو حسن بن صباح اس شرط پر قلعہ حوالہ کرنے کے لئے آمادہ ہوگیا، کہ اسے بیوی بچوں سمیت نکل جانے دیا جائے، لیکن انوشتگین نے اسے منظور نہ کیا، اور اہل قلعہ کی جانکنی کی نوبت پہنچ گئی، عین اس وقت سلطان محمد کی موت کی خبر آگئی، اس لئے انوشتگین محاصرہ اٹھا کر لوٹ گیا،[1]

پہلی جنگ صلیبی مستظہر کے دور کا سب سے اہم واقعہ جنگ صلیبی کا آغاز ہے، اگرچہ اس کو براہ راست خلافت بغداد سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن جنگ صلیبی نہ صرف دنیائے اسلام بلکہ اُس زمانہ کا مشرق و مغرب کا نہایت اہم واقعہ ہے جس کا سلسلہ دو صدیوں تک قائم رہا، ساری دنیائے اسلام اس سے متاثر ہوئی، اور اس کا آغاز سلجوقیوں کی مخالفت سے ہوا، اور اس کے دفاع میں ان کا بڑا حصہ رہا ہے، اس لئے اس کے مختصر حالات لکھے جاتے ہیں،

قدیم یوروپین مورخین نے ان لڑائیوں کو خالص مذہبی رنگ دیدیا ہے لیکن درحقیقت اس کے اسباب مذہبی سے زیادہ سیاسی تھے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ پانچویں صدی ہجری میں جنوبی یورپ میں مسلمانوں کی قوت کمزور پڑگئی تھی، سسلی کا جزیرہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا، اسپین میں بھی ان کا شیرازہ منتشر ہو رہا تھا، ان کی متحدہ قوت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوگئی تھی، جو نہ صرف آپس میں دست و گریبان رہتی تھیں، بلکہ ایک دوسرے کی

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۸۵ و ۱۸۶،

رقابت میں عیسائیوں سے مل جانے میں بھی دریغ نہ کرتی تھیں، جس سے اندلس میں مسلمانوں کی قوت روز بروز کمزور پڑتی جاتی تھی، اور عیسائیوں کی قوت بڑھتی جاتی تھی، ان کی متعدد حکومتیں قائم ہوگئی تھیں، مشرقی اسپین کی عیسائی حکومت اتنی طاقتور ہوگئی تھی کہ اس کا فرماں روا الفانسو دوم اسلامی حکومتوں سے خراج وصول کرتا تھا، اور عیسائی دنیا کو یقین ہوگیا تھا کہ اسپین سے مسلمانوں کے خاتمہ کا وقت قریب آگیا،

عین اسی زمانہ میں شمالی افریقہ میں مرابطین کی نئی اور تازہ دم قوت ابھر رہی تھی، اندلس کے مسلمان عیسائیوں کے مقابلہ میں اپنی بے بسی دیکھ کر مرابطی حکومت کے سر سبد یوسف ابن تاشفین سے مدد کے طالب ہوئے، وہ ۴۷۹ھ میں ایک لشکر جرار لے کر اندلس پہنچا اور زلاقہ کے معرکے میں عیسائیوں کی متحدہ قوت کو نہایت فاش شکست دی، الفانسو اس جنگ میں سخت زخمی ہوا، اور اسکی قوت برباد ہوگئی، اسپین سے یوسف بن تاشفین کی واپسی کے بعد پھر یہاں کی زوال پذیر اسلامی حکومتوں میں جنگ و جدال کا سلسلہ شروع ہوگیا، جسکا لازمی نتیجہ ان کی تباہی تھی، اس لئے یوسف نے دوبارہ فوج کشی کر کے سرقسطہ کی ہودی حکومت کے سوا جس نے عیسائیوں کے دامن میں پناہ لی تھی، باقی تمام اسلامی حکومتوں کو ختم کر کے متحدہ حکومت قائم کر دی، یوسف کی قوت اتنی مضبوط تھی کہ اندلس پر عیسائیوں کے قبضہ کا خواب پریشاں ہوگیا، جس سے ساری عیسائی دنیا متاثر ہوئی،

دوسری سمت مشرقی یورپ کی سرحد پر بھی مسلمانوں کی قوت روز افزوں ترقی پر تھی، سلجوقیوں نے قیصر ارمانوس کو شکست دے کر خراج وصول کیا تھا، اور خاص یونانی علاقے ایشیائے کوچک کو فتح کر کے یہاں مستقل حکومت قائم کر لی تھی[1]، جس سے قسطنطنیہ کی حکومت کو

---

[1] اس حکومت کا بانی قتلمش بن اسرائیل تھا، ۴۵۶ھ میں یہ حکومت قائم ہوئی اور [illegible] میں (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۲ پر)

دائمی خطرہ پیدا ہوگیا تھا،

آلیور تھیچر اور فرڈیننڈ کا بیان ہے کہ طغرل بیک کے جانشین مغرب میں برابر اپنے فتوحات بڑھاتے گئے، یہاں تک کہ تمام ایشیائے کوچک کو انھوں نے شہنشاہ ایلکزس کے ہاتھ سے نکال لیا اور خود قسطنطنیہ ان کی وجہ سے خطرہ میں پڑ گیا[1]،

اے، جے گرانٹ لکھتا ہے:

"ترکان آل سلجوق نے بغداد پر قبضہ کرکے اسلام میں ایک نئی روح پھونک دی تھی اور شام و فلسطین پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا تھا[2]، یروشلم کے مسیحی زائروں کو ان سے تکلیفیں پہنچنے لگیں، اور تمام یورپ ان کی داستان مصیبت سے گونج اٹھا (اسکی حقیقت آیندہ ظاہر ہوگی) ترک اس کے بعد ایشیائے کوچک میں گھس گئے اور ۱۰۷۱ء میں سی کرت میں انھوں نے ایک شاہنشاہی فوج کو شکست دی، اور شاہنشاہ کو گرفتار کر لیا، (قیصر ارمانوس مراد ہے جس کی گرفتاری کا حال اوپر گذر چکا ہے) مسلمانوں کی طرف سے یورپ کو آٹھویں صدی کے بعد سے کوئی ایسا خطرہ نہیں پیش آیا تھا، کیونکہ مشرق کے علاوہ مغرب میں بھی ان کی فتوحات کا سلسلہ جاری تھا، ہسپانیہ میں جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں، وہ کچھ سنبھلنے لگی تھیں، مگر یہاں بھی مسلمانوں

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۳) ترکان عثمانی نے ان کا خاتمہ کیا، اس میں سترہ حکمراں ہوئے،

[1] تاریخ یورپ آلیور تھیچر ج اول ص ۲۸۱ ترجمہ اردو دار الترجمہ حیدر آباد دکن [2] فلسطین و شام میں بھی سلجوقی حکومت قائم ہوگئی تھی، جو دولت بوریہ کے نام سے موسوم تھی، اس کا بانی تاج الدولہ تتش ارسلان تھا، ۱۰۷۱ھ میں یہ حکومت قائم ہوئی، اور ۵۴۹ھ میں نور الدین محمود زنگی اتابکی کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا،

کا اقبال زور پر تھا اور ۱۰۸۶ء میں زلاقہ کی عظیم الشان جنگ میں مسیحیوں کو شکست ہوئی، (الفانسو دوم اور یوسف بن تاشفین کی جنگ کی طرف اشارہ ہے) اس طرح آٹھویں صدی کی طرح پھر یورپ کے دونوں محاذوں پر خطرہ موجود تھا، اور سخت ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹا دیا جائے[1]"

سب سے زیادہ خطرہ مشرقی یورپ میں تھا، جہاں سلجوقی قسطنطنیہ کے قریب پہنچ گئے تھے، چنانچہ قیصر الیکزیس نے ان کو روکنے کے لئے یورپ کی حکومتوں سے مدد طلب کی[2] اور اس کے حصول کے لئے قسطنطنیہ کا مشرقی کلیسہ روم کے مغربی کلیسہ کے سامنے جھکنے کو تیار ہو گیا[3]، اتفاق سے اسی زمانہ میں بعض ایسے اسباب پیدا ہو گئے جن سے پوپ اربن دوم کو ایک مذہبی بہانہ ہاتھ آ گیا، شام و فلسطین کی سلجوقی حکومت نے بیت المقدس کے مسیحی زائروں کی بے عنوانیوں کی وجہ سے ان پر کچھ پابندیاں عائد کر دیں، لیبان کا بیان ہے:-

"قسطنطین کے وقت سے اور علی الخصوص اس زمانہ سے جب ہارون رشید شارلیمین کے مابین سلام و پیام ہوا عیسائیوں کی زیارت فلسطین جاری رہی اور روز بروز بڑھتی گئی، ان زائرین کے بعض گروہ فی الواقع ایک فوج کی حیثیت رکھتے تھے، ایک قسیس رچرڈ اپنے ساتھ سات سو آدمی لے گیا، جو وہاں تک نہ پہنچ سکے، اور سائپرس واپس آئے، ۱۰۲۴ء میں شیر فرائے میانس کا بطریق اور چار بطریق اور اپنے سات ہزار زائرین کا گروہ لے گئے، ان میں بہت سے سردار اور امراء تھے جو بدویوں اور ترکمانوں سے لڑتے بھی تھے، بیت المقدس کی زیارت اس قدر مشکل اور پرخطر ہو گئی تھی کہ پادریوں نے مجرموں کے لئے اسے سزا قرار دیا تھا، اس زمانہ میں بڑے

[1] تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۲۵۲،۲۵۳ ترجمہ اردو [2] ایضاً تاریخ یورپ لیوبر تھیجرت اول ص ۳۵۴ [3] خطط الشام کرد علی ج اول ص ۲۷۶

بڑے مجرم بہت ہی کثرت سے تھے اور چونکہ دوزخ کی آگ کا خوف شدت سے تھا، اس لئے زائرین کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی، بہ استثنار چند راسخ الاعتقاد اشخاص کے بیت المقدس کے اکثر زائرین اس قسم کے بد معاش ہوتے تھے، جن کی فطرت میں ہر قسم کی شرارت بھری ہوتی تھی، اور جنھیں محض دوزخ کی آگ میں جلنے کا خوف اتنی دور لے جاتا تھا،

ان زائروں کی تعداد روز بروز اس درجہ بڑھتی گئی اور ان کے اطوار بتدریج اس قدر بگڑتے گئے کہ ترکمانوں نے جو اس وقت شام کے حاکم تھے اور عربوں کے جیسے متحمل اور روادار نہ تھے انھیں روکا اور اصرار کیا کہ بلا اجازت کے وہ ایک اسلامی ملک میں زیارت کے لئے نہ آئیں، بعوض اس کے کہ وہ بیت المقدس میں نہایت شان سے باجے بجاتے ہوئے اور مشعلیں روشن کئے ہوئے (جیسا کہ عربوں کے زمانہ میں دستور تھا) داخل ہوں، ترکمانوں نے انھیں مجبور کیا کہ وہ نہایت فروتنی کے ساتھ آئیں، بلکہ ان پر انواع و اقسام کے تشدد بھی کئے"[1]

اتفاق سے اسی زمانہ میں فرانس کا پیٹر نامی ایک راہب بیت المقدس کی زیارت کو آیا، لیبان نے مخبوط الحواس اور متعصب کے لقب سے اس کا تذکرہ کیا ہے،[2] وہ بیت المقدس کو مسلمانوں کے ہاتھ میں دیکھ کر بہت متاثر ہوا، یہاں کے بطریق سمعان نے مدفن مسیح پر مسلمانوں کے قبضہ اور عیسائیوں پر ان کے مظالم کی فرضی داستان سنا کر اس کے جذبات کو[3] اور زیادہ بھڑکایا، اور وہ بیت المقدس کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھڑانے پر آمادہ ہو گیا، یہاں سے واپسی میں وہ سیدھا روم پہنچا اور پاپائے روم اربن دوم سے مل کر ساری داستان

[1] تمدن عرب ص ۲۹۳ ترجمہ اردو [2] ایضاً ص ۲۹۶ [3] الاخبار السنیہ فی الحروب الصلیبیہ ص ۴۱،

سنائی مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کے سیاسی اسباب جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے پہلے سے موجود تھے، پیٹر کی فریاد سے پوپ کو ایک مذہبی بہانہ ہاتھ آگیا، اور وہ اس مقدس کام میں مدد دینے کے لئے آمادہ ہوگیا، اور پیٹر کو یورپ کی حکومتوں کے نام سفارشی خطوط دیکر عیسائی دنیا میں مقدس جہاد کی منادی پر مامور کیا،[1] وہ پوپ کا اجازت نامہ لے کر سارے فرانس و اٹلی میں روتا پیٹتا پھرا اور زائرین بیت المقدس پر مسلمانوں کے مظالم بیان کرکے ان کے خلاف سارے یورپ میں جوش پیدا کر دیا،[2]

اس کے بعد پوپ اربن دوم نے ۱۰۹۵ء میں فرانس کے شہر کلرمون میں عیسائی دنیا کی ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی، اس میں مختلف ملکوں کے اتنے نمایندے شریک ہوئے کہ کسی ایک مکان میں ان کی جگہ نہ نکل سکی، اور چند فروعی امور کے تصفیہ کے بعد پوپ نے مجمع کو مخاطب کیا، اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے پر ترغیب دی اور اس مقصد کے لئے اس نے انجیل کی ایک آیت کے معنی غلط بیان کئے، اس قسم کی معنی آفرینیاں قرون وسطی میں آئے دن ہوتی رہتی تھیں، پوپ نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا کہ اس وقت جو شخص اپنی صلیب کو نہ اٹھائے گا اور میرے ساتھ نہ چلے گا وہ میرا پیرو نہیں ہے،[3]

بقول اے جے گرانٹ اس زمانہ میں دیوانہ پن کی ایک وبا یورپ میں پھیلی ہوئی تھی، ..... پوپ گویا کلیسا کی زبان تھا، اور جو احکام اس کی زبان سے نکلتے تھے، ان پر تمام یورپ آمنا وصدقنا کہتا تھا،[4]

اس لئے پوپ کی تقریر سے حاضرین میں ایک مجنونانہ جوش پیدا ہوگیا، اور سب

---

[1] الاخبار السنیہ ص ۴۰ و تمدن عرب ص ۴۲۹ [2] تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۵۵،
[3] ایضاً [4] ایضاً ص ۳۵۱،

چلا اٹھے، خدا کی مرضی یہی ہے، خدا کی مرضی یہی ہے اور سرخ کپڑے کی صلیبیں اپنے سینوں پر لگا کر اس عظیم الشان مہم کے لئے تیار ہو گئے .. ..اور مردوں، عورتوں اور بچوں کا ایک انبوہ کثیر پیٹر زاہد کی قیادت میں روانگی کے لئے آمادہ ہو گیا[1]،

لیبان کے بیان کے مطابق ان مقدس مجاہدین کا یہ حال تھا،

"جنت ملنے کے علاوہ ہر شخص کو اس میں حصول مال کا بھی ایک ذریعہ نظر آتا تھا، کاشتکار جو زمین کے غلام اور آزادی پر جان دیتے تھے، خاندانوں کی اولاد اصغر جو قانون وراثت کی رو سے محروم الارث تھی، امراء جنھیں آبائی جائداد کا حصہ کم ملا تھا، اور جنھیں دولت کی خواہش تھی، راہب جو خانقاہی زندگی کی سختیوں سے عاجز آ گئے تھے، غرض کل مفلوک الحال اور ممنوع الارث اشخاص جن کی تعداد بہت تھی اس میں شریک تھے[2]،

ان کی اخلاقی حالت یہ تھی کہ اس خالص جذبۂ مذہبی میں حرص و ہوا، خود غرضی، ظلم و ستم، انتقام و منافرت۔ اور جنگ و خوں ریزی کے عناصر شامل ہو گئے، انھیں صرف مسلمانوں ہی سے نفرت نہ تھی، بلکہ غریب یہودی بھی جو مغرب میں آباد تھے گرفتار مصیبت ہو گئے، مالی نقصان کے علاوہ انھیں سخت جسمانی تکلیفیں پہنچائی گئیں، اور طرفہ تماشا یہ تھا، کہ اس بدکرداریوں کے بانی وہ لوگ تھے جو اس سرزمین کو آزاد کراتے جا رہے تھے، جہاں مسیح نے تمام بنی آدم کے لئے اپنی جان دی تھی[3]"

غرض صلیبی مجاہدین کا یہ بے نظام انبوہ جس کی تعداد تیرہ لاکھ تھی، پیٹر راہب اور ایک مفلس سردار گوتیر۔ ۔ ۔ کی قیادت میں قسطنطنیہ روانہ ہوا، ایسا معلوم ہوتا تھا گویا

[1] تاریخ یورپ اے جے گرانٹ صفحہ ۳۵۵ [2] تمدن عرب صفحہ ۲۹۵ [3] تاریخ یورپ اے جے گرانٹ صفحہ ۳۵۵،

سارا یورپ ایشیا پر چڑھ دوڑا ہے، راستہ میں جا بجا ان مجاہدین کی آؤ بھگت ہوئی، لیکن بلغاریہ والوں نے مفت سامان رسد دینے سے انکار کر دیا، ان کے انکار پر ان حامیانِ دین نے دیہاتوں کو لوٹنا اور اسکے باشندوں کو قتل کرنا شروع کر دیا، بلغاریوں نے بھی جو اس کے عادی نہ تھے ان سے پورا بدلہ لیا، ہزاروں کو مارا اور دریا میں غرق کر دیا، باقی بھاگ کر کسی طرح قسطنطینیہ پہنچے، یہاں مختلف ملکوں کے مجاہدین کے گروہ پہنچ چکے تھے، ان سب نے مل کر قتل و غارت اور انواع و اقسام کے مظالم شروع کر دیئے، قیصر الکسیس نے عاجز آکر انھیں باسفورس پار ایشیائے کوچک روانہ کر دیا، یہاں ان کی وحشت و درندگی اور زیادہ بڑھ گئی، اور اُنھوں نے بلا امتیاز مسلمان و عیسائی دونوں کے ساتھ وحشیانہ افعال شروع کر دیئے، ان کا محبوب شغل یہ تھا کہ جو بچہ ان کے سامنے آجاتا اس کو تکا بوٹی کر کے آگ میں جلا دیتے تھے،

قلج ارسلان سلجوقی والی قونیہ نے ان کی وحشت کا ان سے پورا انتقام لیا، اور جانوروں کی طرح ان کا قتل عام کیا، اور قریب قریب پوری فوج برباد ہو گئی،[1]

اس درمیان میں یورپ کی حکومتوں کی فوجیں بھی تیار ہو گئیں، اور یورپ کے فرمانرواؤں نے اپنے اعزہ اور امراء کی قیادت میں ان کو روانہ کیا، شمالی فرانس کی فوجیں فلپ اول کے بھائی ہیگو آف ورمینڈ و اسٹفن کی قیادت میں تھیں، جنوبی فرانس کی ریمنڈ کاونٹ تولوز کی، نارمنوں کی شاہ انگلینڈ کے بھائی رابرٹ کی، رائن کے جرمنوں اور فرانسیسیوں کی گارڈ فری ریس بوئیون کی، جنوبی اٹلی و سسلی کی بوہمینڈ اور ٹنکرڈ کی قیادت میں روانہ ہوئیں، ان کے علاوہ یورپ کے اور بہت سے امراء بھی شریک تھے،

---

[1] تمدن عرب ص ۲۹۶،

ان فوجوں کی تعداد دس لاکھ تھی، اس میں جس قسم کے عناصر شامل تھے، اور ان کے پیش نظر جو مقاصد تھے، ان کے متعلق آلیور تھیچر کا بیان ہے کہ

"نصرانیوں کا یہ لشکر مختلف و متباین عناصر سے مرکب تھا، پاپا کا ارشاد ہو چکا تھا کہ جو لوگ اس راہ میں شہید ہوں گے، ان کے سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، بہتوں نے اس ارشاد کے اعتماد پر خالص مذہبی جوش سے اس میں شرکت کی تھی، بہت سے ایسے لوگ اس میں شریک ہو گئے تھے جو ادائی قرض سے بچنا چاہتے تھے یا اپنے خاندانوں سے بھاگ آئے تھے، بہت سے مجرم تک اس میں شریک تھے، اور جرائم کی سزا سے جان بچانا چاہتے تھے، بہت سے نیم غلام اپنے آقاؤں کی سخت گیری سے تنگ آکر اس میں آملے تھے، بہت سے منچلے اس لئے داخل ہو گئے تھے کہ سیر و سیاحت و معرکہ آرائی کا لطف آئیگا، یہ عام سپاہیوں کا حال تھا، سرداران فوج تمامتر اس غرض سے شریک ہوے تھے کہ ان کے اقتدار میں اضافہ ہو، اور مشرقیوں اور یونانیوں سے حاصل کئے ہوئے علاقوں پر مشرق میں اپنی آزاد حکومت قائم کریں، پوپ کا مقصد بیشک مقامات مقدسہ کا آزاد کرانا تھا، مگر اس کے ساتھ ہی یہ غرض بھی پیش نظر تھی کہ مشرق میں اس کا مذہبی اقتدار قائم ہو جائے، مشرق کی عیسائی دنیا قسطنطنیہ کے مشرقی کلیسا کے ماتحت تھی، جس کو رومتہ الکبریٰ کے کلیسا کے ساتھ ہمیشہ چشمک رہتی تھی، اٹلی کے جو شہر اس پہلے محاربے میں شریک ہوئے ان کی اصل غرض بھی یہ تھی کہ اپنی تجارت کو پھیلائیں اور مشرقی سواحل پر اپنے خاص حقوق قائم کریں۔[1]"

اسے جے گرانٹ لکھتا ہے کہ

---

[1] تاریخ یورپ از آلیور تھیچر ج اول صفحہ ۲۸۳؛

"جب کلیسا کے حکم سے زرخیز مشرقی ممالک میں لوٹنے اور فتوحات حاصل کرنے کا موقع ہاتھ لگا تو امرائے جاگیری نے اسے نہایت زریں موقع خیال کیا اور جنگ کے لئے فوراً تیار ہو گئے"[۱]

ان بیانات سے ظاہر ہے کہ اس مقدس جہاد کے اصل مقاصد کیا تھے، بہرحال صلیبی فوجیں بحری اور بری دونوں راستوں سے علی الترتیب ہیگو آف ورمنڈ اور گاڈ فری کی قیادت میں قسطنطینہ روانہ ہوئیں، الیگزیس ان کے اصل مقاصد سے غافل نہ تھا، اس لئے صلیبیوں کے قسطنطینہ پہنچنے سے قبل ہی ان میں اور الیگزیس میں اختلاف شروع ہو گیا، الکزیس کا کہنا تھا کہ اس کے پرانے مقبوضات مسلمانوں سے واپس لینے کے بعد اسے ملنے چاہئیں، اور صلیبی ان کو آپس میں تقسیم کرنا چاہتے تھے[۲]

یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ ہیگو آف ورمنڈ رومی سلطنت کے ساحل پر اترتے ہی الیگزیس کے حکم سے گرفتار کر لیا گیا، گاڈ فری کو جو بری راستہ سے آرہا تھا اور رومی حدود سلطنت میں داخل ہو چکا تھا، اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے الکزیس کے ملک میں قتل و غارت شروع کر دی، اس سے الکزیس کو بڑی تشویش پیدا ہو گئی، اور اس نے ہیگو کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آئندہ اس کے احکام کی پوری پابندی کریگا، اور اسکے منشا کے خلاف کوئی کام نہ کریگا، صلیبی اس شرط پر بگڑ کر الیگزیس سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے، اس نے ان کو دبانے کے لئے اپنی رعایا کو ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرنے سے روک دیا، اس کے جواب میں صلیبیوں نے دیہاتوں کو لوٹنا شروع کر دیا، اس لئے الیگزیس کو مدافعت اٹھانی پڑی،

[۱] تاریخ یورپ اے جے گرانٹ صفحہ ۳۵۲ [۲] ایضاً صفحہ ۳۵۶،

ایک دوسرے سردار بوہمینڈ آف تارنت نے خاص قسطنطنیہ پر قبضہ کر لینے کا ارادہ کیا۔ اس وقت الیکزیس کو مجبور ہو کر گاڈفری سے جو صلیبی فوج کا سپہ سالار اعظم تھا صلح کرنی پڑی، اور دونوں میں مفاہمت ہو گئی، صلیبیوں نے حلف لے کر وعدہ کیا کہ وہ اس کے مقبوضات اسے واپس کر دیں گے، اس مفاہمت کے بعد الکزیس نے صلیبیوں کو ہر ممکن مدد پہنچانے کا وعدہ کیا، اور اپنے ممالک محروسہ میں اعلان کر دیا، کہ صلیبی فوجیں جہاں جہاں سے گذریں وہاں کے باشندے ان کو سامان رسد اور دوسری سہولتیں بہم پہنچائیں[۱]

اس مصالحت کے بعد ۱۰۹۷ء میں صلیبی فوجیں گاڈفری کی قیادت میں باسفورس کو عبور کر کے ایشیائے کوچک میں اتریں اور سلجوقیوں کے پایہ تخت قونیہ کا محاصرہ کیا، قلج ارسلان سلجوقی نے بڑی شجاعت سے مدافعت کی، لیکن دونوں کی قوت میں کوئی تناسب نہ تھا، اس لئے آخر میں قلج ارسلان کو شکست ہوئی[۲] سیور ہیچر کا بیان ہے کہ دوران محاصرہ میں خود قیصر الیکزیس نے قلج ارسلان کو مطیع بنا لیا، صلیبیوں میں اس سے بڑی برہمی پیدا ہوئی کہ انھیں لوٹنے کا موقع نہ مل سکا[۳]

قونیہ کے بعد صلیبی فوجیں شام کی طرف بڑھیں اور انطاکیہ کا محاصرہ کیا، یہاں کے سلجوقی والی باغیسیان نے پوری مدافعت کی، جب محاصرہ زیادہ طول کھینچا تو صلیبیوں نے رشوت دے کر شہر پناہ کے ایک محافظ کو ملا لیا، اس نے ایک دروازہ کھول دیا اور صلیبی فوجیں شہر میں داخل ہو گئیں، اور اس کی پوری مسلمان آبادی کو تہ تیغ کر دیا، اور ان کے مکانات مسمار کر دیئے[۴]

انطاکیہ پر صلیبیوں کے قبضہ اور مسلمانوں کے قتل عام کی خبر سن کر امیر قوام الدولہ کربوغا

[۱] الاخبار السنیہ ص ۱۰۰ تا ۱۰۲ [۲] المختصات [۳] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۹۵ [۴] تاریخ یورپ ج ۱ [۵] ابن اثیر ج ۱۰

والی موصل آس پاس کے مسلمان حکمرانوں کو ساتھ لے کر انطاکیہ کے مسلمانوں کی مدد کے لیے پہنچا
اس وقت سامان رسد کی قلت کی وجہ سے صلیبیوں کی حالت بہت نازک ہو رہی تھی،
اور ان میں تازہ دم اسلامی فوجوں کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی، انھوں نے کربوغا کے پاس
کہلا بھیجا کہ اگر انکو راستہ دیدیا جائے تو وہ انطاکیہ چھوڑ کر چلے جائیں گے، کربوغا نے
جواب دیا کہ تم کو تلوار ہی نکالے گی، اس جواب سے صلیبیوں میں بڑی مایوسی پھیل گئی،
ایک ہوشیار راہب نے ان کی ہمت بندھانے کے لئے ایک خاص مقام پر ایک نیزہ
دفن کر کے مشہور کر دیا کہ اس کو خواب میں بشارت ہوئی ہے کہ فلاں مقام پر حضرت مسیح
علیہ السلام کا ایک نیزہ دفن ہے اگر وہ مل جائے تو ہماری فتح یقینی ہے، چنانچہ اس مقام کو
کھودا گیا، تو اس سے نیزہ برآمد ہو گیا، اس سے صلیبیوں کے دل بڑھ گئے، اور وہ متفرق طور
سے مقابلہ کے لئے انطاکیہ سے باہر نکلنے لگے، مسلمانوں نے کربوغا سے کہا کہ اس وقت حملہ کا
بہترین موقع ہے، اس نے سب پر ایک ساتھ حملہ کے خیال سے اجازت نہ دی اور کل
صلیبی باہر نکل کر مقابلہ کے لئے صف آرا ہو گئے،

کربوغا کی بددماغی اور اس کے ناپسندیدہ طرزِ عمل سے دوسرے امرا سخت بددل
ہو رہے تھے اس لئے اُنھوں نے عین موقع پر ساتھ چھوڑ دیا، اور مسلمانوں کو بڑی فاش
شکست ہوئی، ان کا کل ساز و سامان صلیبیوں کے قبضہ میں آیا[1]،

اس کامیابی کا جشن منانے کے بعد صلیبی فوجیں شمالی شام کی طرف بڑھیں، اور
معرۃ النعمان کو فتح کر کے تین دن تک قتل عام کرتی رہیں، اور ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان
قتل اور اسی قدر زندہ گرفتار کئے، معرۃ النعمان کے بعد عرقہ کا محاصرہ کیا، لیکن اسکو فتح

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۹۶ و تاریخ یورپ ج اول ص ۲۸۵،

نہ کر سکے، ان کی سفاکی دیکھ کر امیر منقذ والی شیزر نے صلح کر لی، اور صلیبی حمص پہنچے یہاں کے حاکم جناح الدولہ نے بھی صلح کر لی، اس کے بعد صلیبیوں نے عکا فتح کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی[1] اور انھوں نے اصل منزل مقصود بیت المقدس کا رخ کیا، جنگ صلیبی کے آغاز میں بیت المقدس سلجوقیوں کے قبضہ میں تھا لیکن انطاکیہ پر قبضہ کے بعد جب انکی قوت کمزور پڑی تو فاطمیۂ مصر نے اس پر قبضہ کر لیا تھا، اور صلیبیوں کے حملہ کے وقت وہ ان ہی کے قبضہ میں تھا،

رجب ۴۹۲ھ مطابق جون ۱۰۹۹ء میں صلیبی مجاہدین نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا، ان کے سیلاب کو روکنے کی مسلمانوں میں طاقت نہ تھی، اس لئے بیالیس دن کے محاصرہ کے بعد شعبان ۴۹۲ھ مطابق جولائی ۱۰۹۹ء میں بیت المقدس پر صلیبیوں کا قبضہ ہو گیا اور وہ کئی ہفتوں تک اس مقدس شہر میں قتل عام کرتے رہے، صرف مسجد اقصیٰ میں ستر ہزار مسلمان جن میں بڑی تعداد مختلف ملکوں کے ان تارک دنیا علماء و مشائخ کی تھی جو ہجرت کر کے اس مقدس مسجد میں مشغولِ عبادت تھے، مسجد اقصیٰ کا تمام طلائی و نقرئی بیش قیمت سامان لوٹ لیا[2]،

بیت المقدس کی فتح میں صلیبی مجاہدین نے جس وحشت و درندگی کا ثبوت دیا، اس پر خود منصف مزاج یورپین مورخین تک نے ملامت کی ہے، فرانسیسی مورخ میشو لکھتا ہے:

"بیت المقدس کی فتح میں صلیبیوں نے ایسے اندھے تعصب کا ثبوت دیا ہے جس کی مثال گذشتہ تاریخ میں نہیں ملتی، عربوں کو زبردستی اونچے برجوں اور بلند مکانوں کی چھت سے گرا دیتے تھے، آگ میں زندہ جلا دیتے تھے، گھروں سے نکال کر میدانوں

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۹۶، [2] ایضاً ص ۹۵،

میں جانوروں کی طرح گھسیٹتے تھے، مقتول مسلمانوں کی لاشوں پر بیچا کر مسلمانوں کو قتل کرتے تھے، کئی ہفتوں تک مسلمانوں کا قتل عام کرتے رہے، مشرق و مغرب کے بیان کے مطابق انھوں نے ستر ہزار مسلمانوں سے زیادہ تہ تیغ کئے، (یہ تعداد صرف مسجد اقصیٰ کے مقتول مسلمانوں کی ہے) بہت سے یہودیوں نے مقدس مذبح میں پناہ لی صلیبیوں نے آگ لگا کر مع مذبح کے ان کو جلا دیا۔[1]

لیبان نے جنگ صلیبی کے مشہور مجاہد اور عینی شاہد رابرٹ کے حوالہ سے لکھا ہے:

"ہمارے لوگ (صلیبی) راستوں پر مکانوں کی چھت پر دوڑ رہے تھے، اور مثل اس شیرنی کے جس کے بچے چھین لئے گئے ہوں قتل عام کے مزے لے رہے تھے، یہ بچوں کے ٹکڑے کر رہے تھے اور جوان و پیر فرتوت دونوں کو برابر قتل کر رہے تھے، یہ کسی متنفس کو بھی نہ چھوڑتے تھے، اور جلد فراغت حاصل کرنے کی غرض سے ایک ہی رسی میں کئی کئی آدمیوں کو لٹکا دیتے تھے، ...... ہمارے لوگ جو پاتے لے لیتے اور مردوں کے پیٹ چیر کر ان سے روپیہ اور اشرفیاں نکالتے، افسوس اس طرح زر شہر کے راستوں میں خون کے دریا بہتے تھے، اور چاروں طرف لاشیں پھیلی ہوئی تھیں، او اندھو تم سب کو ایک دن مرنا ہے، ان میں ایک فرد بشر ایسا نہ تھا جو مذہب عیسوی قبول کرتا، بالآخر بوہمینڈ نے ان سب کو جنھیں اس نے قصر کے صحن میں جمع کیا تھا سامنے بلایا، اور بلا امتیاز بڈھے، عورت، مرد اور معذور و بے کار اشخاص سب کو قتل کیا، اور جو جوان اور مضبوط تھے انھیں فروخت کرنے کے لئے انطاکیہ بھجوا دیا۔"

ایک دوسرے عینی شاہد ریمانڈ دا اژیل پوئی کے قسیس کا بیان نقل کرتا ہے،

---

[1] خطط الشام کرد علی ج اول ص ۲۸۲ بحوالہ میشو،

"جس وقت ہمارے آدمی دیوار اور برجوں پر قابض ہوگئے تو مسلمانوں میں عجیب واقعات نظر آنے لگے، کسی کا سر کٹا ہوا تھا، کسی کے چہرے مجروح تھے، اور وہ بمجبوری اپنے کو دیواروں سے نیچے گرا رہے تھے، بعض دیر تک مجروح پڑے رہنے کے بعد جلا دیے گئے" بیت المقدس کے راستوں اور ہر جگہ پر سروں ہاتھوں اور پاؤں کے انبار لگے ہوئے تھے، اور لاشوں پر سے چلنا پڑتا تھا، مگر یہ بہت کم ہے بمقابل اس کے جو وقوع میں آیا۔۔۔۔ ہیکل سلیمانی میں اس قدر خون بہا تھا کہ اس کے صحن میں لاشیں تیرتی پھرتی تھیں، کسی کا ہاتھ، کسی کا پیر، کسی کا دھڑ سب بے جوڑ اس طرح سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے کہ انھیں پہچاننا مشکل تھا، صلیبیوں نے اس قتل عام کو ناکافی سمجھ کر ایک مجلس منعقد کی جس میں یہ امر قرار پایا کہ کل باشندگان بیت المقدس، مسلمان، یہودی اور غیر مقلد عیسائی سب تہ تیغ کر دیے جائیں، ان کی تعداد تقریباً ساٹھ ستر ہزار تھی، یہ قتل عام کا بازار باوجود حامیان دین عیسوی کی مستعدی کے آٹھ روز تک گرم رہا، عورتیں، بچے، بوڑھے سب مارے گئے، کوئی متنفس جانبر نہ ہوا۔"

یہ دردانگیز واقعات نقل کرنے کے بعد لیبان لکھتا ہے کہ

"ہم خیال کر سکتے ہیں کہ اقوام مشرقی جو اس وقت اس قدر مہذب تھیں ایسے غنیم کی بابت کیا خیال کرتی تھیں، ان کی تاریخیں بھی نفرت سے بھری ہوئی ہیں، اور سعدی شیرازی نے انہی کی نسبت کہا ہے، کہ انھیں آدمی کہنا انسانیت کے لئے عار ہے ...... ان کا برتاؤ اس مقدس شہر کے باشندوں کے ساتھ اس سے بالکل مختلف تھا جو حضرت عمرؓ نے کئی صدی پیشتر عیسائیوں کے ساتھ کیا تھا،[1]

---

[1] تمدن عرب ص ۲۹۸ و ۲۹۹،

عیلیبی مجاہدوں نے بیت المقدس کی فتح کے بعد پوپ کو ان الفاظ میں یہ مژدہ لکھا تھا

"خدا ہمارے عجز و انکسار سے رام ہوگیا، اور ہمارے عجز و الحاح کے آٹھویں روز اس نے شہر کو دشمنوں سمیت ہمارے حوالہ کیا...... اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہیں کہ جو دشمن وہاں موجود تھے ان کے ساتھ ہم نے کیا سلوک کیا تو اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ جب ہمارے سپاہی حضرت سلیمان کے معبد میں داخل ہوئے تو ان کے گھوڑوں کے گھٹنوں تک مسلمانوں کا خون تھا"[1]

بیت المقدس پر قبضہ کے بعد صلیبیوں نے اس کے آس پاس کے تمام شہروں صور، عکہ، رملہ اور یافا وغیرہ پر قبضہ کر لیا، اور گاڈفری کے سامنے بیت المقدس کا تاج و تخت پیش کیا، اس نے تاج اور بادشاہ کا لقب قبول کرنے سے انکار کیا کہ

"جس سرزمین میں مسیح کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا گیا ہو، وہاں وہ سونے کا تاج پہن کر بادشاہ کہلانا پسند نہیں کرتا"

اور صرف "محافظ قبر مسیح" کی حیثیت سے فلسطین کی حکومت قبول کی، انطاکیہ کا علاقہ بوہمینڈ کو ملا، رہا بوڈوین کے حصہ میں آیا اور طرابلس الشام ریمنڈ کے حصہ میں پڑا، اس طرح شام میں چار عیسائی حکومتیں قائم ہوگئیں،

بیت المقدس پر عیسائیوں کے قبضہ اور مسلمانوں کے وحشیانہ قتل عام سے ساری دنیائے اسلام میں اضطراب پیدا ہوگیا، ان کی مرکزی حکومت خلافت بغداد میں کوئی دم باقی نہ تھا، اس کے ماتحت سلجوقی خانہ جنگی میں مبتلا تھے، اس لئے وہاں سے کوئی مدد نہ پہنچ سکی، شام، مصر، دیار بکر، دیار ربیعہ، موصل وغیرہ کے مسلمان فرماں رواؤں سے جہاں تک ہو سکا

---

[1] تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۲۵۵،

فرنگیوں کے مقابلہ کی کوشش کی اور صلیبی لڑائیوں کا غیر مختتم سلسلہ شروع ہوگیا، ان لڑائیوں میں وقتاً فوقتاً مسلمان فرمانروا بھی کامیاب ہوتے رہے لیکن ان میں باہم اتحاد نہ تھا اور صلیبیوں کو یورپ کی حکومتوں کی پشت پناہی حاصل تھی اور وہاں سے امداد کا سلسلہ برابر جاری تھا، اس لئے چند برسوں کے اندر انھوں نے قریب قریب پورے شام و فلسطین پر قبضہ کرلیا، اور مسلمانوں کے پاس صرف حمص، حماۃ، دمشق حلب اور چند چھوٹے چھوٹے مقامات رہ گئے بیت المقدس کی فتح میں صلیبی جس وحشت و درندگی کا ثبوت دے چکے تھے، اس کو شام کی کل فتوحات میں دہراتے رہے، جس شہر کو فتح کرتے اس کی پوری آبادی تہ تیغ کردیتے، مکانوں کو مسمار کرڈالتے، مال و متاع اور کتب خانوں کو نذر آتش کردیتے ان کی اس وحشت و سفاکی سے سارا شام ویران ہوگیا[1]

جنگ صلیبی کا تعلق زیادہ تر شام و مصر کی حکومتوں سے ہے جو ہمارے موضوع سے خارج ہیں، اور اس کی تفصیل بڑی طویل ہے، اس لئے ہم اس سلسلہ کے صرف اہم اور خصوصاً ان واقعات کے تذکرے پر اکتفا کریں گے، جن کا تعلق خلافت بغداد یا اس کے متولی ایران کے سلجوقیوں سے ہوگا،

بیت المقدس پر عیسائیوں کے قبضہ کے بعد کئی سال تک خلافت بغداد سے شامی مسلمانوں کو کوئی مدد نہ مل سکی، اور شام، مصر، موصل اور جزیرہ کے مسلمان حکمرانوں کی مدافعت کے باوجود انھوں نے شام کے بڑے حصہ پر قبضہ کرلیا تھا، حصن اثارب پر ۵۰۵ھ میں عیسائیوں کے قبضہ کے بعد مسلمانوں کی قوت اتنی کمزور پڑ گئی اور ان پر اتنا خوف و ہراس طاری ہوگیا، کہ جو مقامات مسلمانوں کے قبضہ میں باقی رہ گئے تھے ان کے نکل جانے کا بھی خطرہ پیدا ہوگیا، مسلمان حکمرانوں نے ان کو بچانے کے لئے صلیبیوں سے صلح کرنے کی کوشش کی، ان کی قوت اتنی بڑھ گئی تھی

---

[1] خطط الشام کرد علی ج اول ص ۲۸۳،

کہ وہ بڑی مشکلوں سے روپیہ دے کر عارضی صلح پر رضامند ہوئے،

یہ صورت حال دیکھ کر اہلِ حلب کا ایک وفد فریاد لے کر بغداد پہنچا، یہاں کے مسلمانوں اور علماء نے ان کا پورا ساتھ دیا اور جامع سلطان میں جاکر فریاد کی، نمازیوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا، مسجد کا منبر توڑ ڈالا، یہ جوش و خروش دیکھ کر سلطان محمد سلجوقی نے امدادی فوجیں بھیجنے کا وعدہ کیا، لیکن اس کے ایفاء کی کوئی امید نہ تھی، اس لئے دوسرے جمعہ کو مسلمانوں نے قصر خلافت کی مسجد پر ہجوم کیا، حاجبوں نے روکنے کی کوشش کی، مجمع نے زبردستی گھس کر مقصورہ کی کھڑکی اور منبر کو توڑ ڈالا، یہ صورتِ حال دیکھکر مستظہر نے سلطان محمد کو شامی مسلمانوں کی مدد کے لئے فوجی انتظام کرنے کا حکم دیا،

اس حکم پر سلطان نے خلافت بغداد کے زیر اثر تمام امراء و فرماں رواؤں کو اپنی اپنی فوجیں لے کر شام جانے کا حکم دیا، اور ۵۰۵ھ میں سلطان محمد کا لڑکا مسعود، امیر مودود والی موصل، امیر سکمان قطبی والی تبریز، امیر ایلبکی اور امیر زنگی والی ہمدان، امیر احمدیل والی مراغہ، امیر ایلغازی والی ماردین کا لڑکا ایاز، فوجیں لے کر شام پہنچے اور صلیبیوں کے مقبوضہ کئی قلعے فتح کئے، لیکن پھر ان امراء میں باہم پھوٹ پڑگئی، شام کے بعض مسلمان فرماں رواؤں نے بھی ان سے تعاون نہیں کیا، اس وجہ سے یہ فوجیں بے نتیجہ لوٹ گئیں،

۵۰۶ھ میں فلسطین کے فرماں روا بوڈوین نے جو گاڈفری کے بعد اس کا جانشین ہوا تھا، دمشق پر مسلسل یورش شروع کر دی، امیر طغتگین والی دمشق نے امیر مودود سے مدد طلب کی، وہ اپنی فوج لے کر پہنچا، امیر تمیرک والی سنجار اور امیر ایلغازی والی ماردین کا لڑکا ایاز بھی پہنچ گئے اور سب نے مل کر بوڈوین کو بڑی فاش شکست دی، وہ خود گرفتار ہو گیا، لیکن مسلمان اسے پہچانتے نہ تھے، اس لئے چھوڑ دیا، اس دوران میں طرابلس اور انطاکیہ کے فرنگی فرمانروا تازہ دم فوجیں

لے کر پہنچ گئے، لیکن دور ہی دور سے جھڑپ کر کے لوٹ گئے، اس کی واپسی کے بعد مسلمانوں نے عکا سے قدس تک کا صلیبی علاقہ ویران کر ڈالا، اور امیر مودود فوجوں کو آرام دینے کیلئے دمشق لوٹ گیا، ربیع الاول ۵۰۷ھ میں جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد گیا، ایک باطنی نے حملہ کر کے زخمی کر دیا، زخم کاری تھا، مودود روزے سے تھا لوگوں نے افطار کرانے کی کوشش کی، اس نے کہا میں خدا سے روزے کی حالت میں ملوں گا اور شام ہوتے ہوتے انتقال کر گیا،[1]

سلطان محمد کو امیر مودود کی شہادت کا بڑا قلق ہوا، اس نے اس کی جگہ امیر اقسنقر کو موصل کا والی مقرر کیا، اور اپنے لڑکے مسعود کو اس کے ہمراہ شام روانہ کیا، اور دوسرے تمام امراء کو ان کے ساتھ جانے کا حکم دیا، ان لوگوں نے رہا کا محاصرہ کیا، لیکن پھر سامان رسد کی قلت کی وجہ سے دو مہینے کے بعد محاصرہ اٹھا کر لوٹ گئے،

سلطان محمد کا انتقال | ذی الحجہ ۵۱۱ھ میں سلطان محمد نے ۳۷ سال کی عمر میں انتقال کیا، اسکی مستقل حکومت برکیارق کے بعد ۴۹۸ھ سے شروع ہوئی تھی، اس حساب سے اس کی مدت حکومت ۱۳ سال تھی، سلطان اپنے اوصاف و خصوصیات میں اپنے نامور اسلاف کا صحیح جانشین اور شجاعت و شہامت، عدل و انصاف، حسن خلق تمام اوصاف سے آراستہ تھا،[2]

ابن اثیر کا بیان ہے کہ ساری عمر میں اس سے کوئی برا کام صادر نہیں ہوا، اس کے عدل سے بڑے سے بڑے امراء کو کسی شخص پر ظلم و زیادتی کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی، اسکی عدل پروری کے متعدد واقعات ابن اثیر نے نقل کئے ہیں، رعایا کی سہولت اور تجارت کی ترقی کے لئے ہر قسم کے ٹیکس موقوف کر دیئے تھے،[3]

عماد الدین اصفہانی کا بیان ہے کہ سلطان محمد کو تائید ایزدی حاصل تھی، وہ مبارک فال

۱؎ ابن اثیر ج ۱۰ ص ۴۷، و ۵۷، ۲؎ ایضاً ۱۸۵، ۳؎ ایضاً،

تھا، شباب میں بھی وہ پاکباز رہا، عالی حوصلگی اور سیاست ملکی میں اپنے دادا الپ ارسلان کے نقش قدم پر تھا، باوقار، پرہیبت اور دانشمند تھا، جب اس کے ہاتھ میں زمام حکومت آئی، اس وقت اس کے بھائی کی حکومت کے اثر سے سارا انتظام درہم وبرہم ہورہا تھا، سلطان نے اسکی تنظیم و شیرازہ بندی کرکے سلطنت کو مضبوط و مستحکم کیا،[1]

راوندی لکھتا ہے کہ سلطان دینداری عدل و انصاف عفت و پاکدامنی اصابت رائے اور پابندی عہد کے اوصاف سے متصف تھا،[2]

اس کے اوصاف و کمالات کے شاہد خود اس کے واقعات زندگی ہیں، ملک شاہ کی وفات کے بعد اس کے تاج و تخت کے بہت سے دعویدار پیدا ہوگئے تھے ان کی اور برکیارق کی خانہ جنگی سے سلطنت کا شیرازہ منتشر ہورہا تھا، برکیارق کے بعد سلطان محمد نے اس بکھرے ہوئے شیرازہ کو مجتمع کرکے پھر سلجوقی حکومت کو زندہ کیا، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی، اس کا ایک بڑا کارنامہ باطنیوں کا استیصال ہے، اگر اس نے ان کے استیصال میں ہمت و مستعدی سے کام نہ لیا ہوتا، تو مشرق کے سارے اسلامی ممالک میں قیامت برپا ہوجاتی، راوندی لکھتا ہے کہ سلطان نے دین کے اعزاز اور ملحدوں کے استیصال اور ان کے قلع قمع کرنے میں بڑا جہاد کیا، اور اسلام کی عزت و ناموس کی حفاظت میں بڑا کارنامہ دکھایا، اپنی قوت و قہر کے تیشہ سے کفر و بدعت کے خس و خاشاک کو پاک کردیا، اس نے اصفہان کے باطنیوں کے قلعہ کی تسخیر میں بڑی زحمت اٹھائی، سات برس تک مسلسل خواب و خور حرام کرلیا تھا، اگر اسکو باطنیوں کے مقابلہ میں یہ فتح بین نہ حاصل ہوئی ہوتی تو دین و مذہب کا خاتمہ ہوجاتا،[3]

سلطان محمود	سلطان مرض الموت میں اپنے لڑکے محمود کو جانشین بنا گیا تھا، چنانچہ اس کی

---

[1] تاریخ آل سلجوق ص ۸۱ [2] راحۃ الصدور ص ۱۵۳ [3] ایضاً،

وفات کے بعد ذی الحجہ ۵۱۱ھ میں وہ تخت نشین ہوا، مستظہر نے بھی اسکی حکومت کی تصدیق کردی اور بغداد میں اس کے نام کا خطبہ جاری ہوگیا، سلطان محمود کی عمر اس وقت کل ۱۴ سال کی تھی، اس کا وزیر ابو منصور فرائض حکومت انجام دیتا تھا،

مستظہر کی وفات | سلطان محمد کی وفات کے چھ مہینہ بعد ربیع الثانی ۵۱۲ھ میں مستظہر نے انتقال کیا، اس کی عمر اس وقت ۴۲ سال سے زیادہ نہ تھی، مدت خلافت ۲۴ سال،

یہ عجیب اتفاق ہے کہ مسلسل تین خلفاء اور تین سلجوقی سلاطین کا انتقال قریب ہی قریب زمانہ میں ہوا، الپ ارسلان کی موت کے بعد ہی قائم نے انتقال کیا، مقتدی نے ملک شاہ کا ساتھ دیا، مستظہر نے سلطان محمد کی مشایعت کی،

اوصاف | مستظہر بھی جامع اوصاف خلیفہ تھا، ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ نرم خو پسندیدہ خصال تھا، لوگوں کے ساتھ احسان وسلوک اور نیکی اور ثواب کے کاموں میں بڑا مستعد اور تیز دست تھا، کسی عزت وشرف کے سوال کو رد نہیں کرتا تھا، اپنے عمال پر کامل اعتماد رکھتا تھا، اون کے بارہ میں کسی کی چغلی اور شکایت پر کان نہ دھرتا تھا، خود غرض لوگوں کی باتوں سے اس کے عزم میں فرق نہ آتا تھا، اور وہ اپنی رائے نہ بدلتا تھا،[1]

علمی اعتبار سے بھی فاضل تھا،[2] خط نہایت پاکیزہ تھا، ادب وانشاء کا بلند مذاق رکھتا تھا، اس کی مختصر توقیعات اس کے ذوق ادب کا نمونہ ہیں،[3] علماء ومشائخ کو دوست رکھتا تھا،[4]

حسن انتظام اور رعایا کے سکون وراحت وفارغ البالی کے لحاظ سے بھی اس کا دور ممتاز تھا، گو اس کے زمانہ میں سلجوقیوں کی خانہ جنگی، باطنیوں کی یورش اور جنگ صلیبی

۱؎ ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۸۹ ۲؎ دول الاسلام ذہبی ج ۲ ص ۲۷ ۳؎ ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۸۹،
۴؎ تاریخ الخلفاء ص ۴۳۶،

کی وجہ سے بڑے بڑے انقلابات ہوئے، لیکن خلافت بغداد کے حسن انتظام سے خاص بغداد پر اس کا اثر بہت کم پڑا، اور یہاں پورا سکون قائم رہا، اس اعتبار سے اس کا دور عہد سرور تھا، ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس کا زمانہ رعایا کے لئے سرور شادمانی کا دور اور اپنی گوناگوں خوبیوں کے اعتبار سے گویا ہر روز روز عید تھا،[1] اس کے ہاتھ سے کسی کو تکلیف و ایذا نہ پہنچتی تھی، اس بارہ میں وہ سلجوقی سلاطین اور ان کے نائبوں کے احکام کی بھی پرواہ نہ کرتا تھا،[2]

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ صفحہ ۱۸۹ [2] ایضاً،

ابو منصور فضل بن مستظہر الملقب بہ مسترشد باللہ

سنہ ۵۱۲ھ تا سنہ ۵۲۹ھ مطابق سنہ ۱۱۱۸ء تا سنہ ۱۱۳۴ء

مستظہر اپنی زندگی میں اپنے لڑکے ابو منصور فضل کو اپنا جانشین نامزد کر گیا تھا، مستظہر کی وفات کے بعد قاضی ابو الحسن دامغانی نے اس کی بیعت لی، اور ربیع الاول سنہ ۵۱۲ھ میں وہ تخت نشین ہوا اور مسترشد باللہ لقب اختیار کیا، اس وقت اس کا ستائیسواں سال تھا،

امیر ابو الحسن عباسی کا فرار اور اسکی بیعت

عباسی خاندان کے تمام ارکان نے مسترشد کی بیعت کر لی تھی، لیکن اس کا ایک بھائی ابو الحسن جس کو مسترشد سے کچھ اختلاف تھا، حلہ کے فتنہ انگیز والی دبیس بن صدقہ کے پاس بھاگ گیا تھا، دبیس بھی مسترشد کے خلاف تھا، اس نے ابو الحسن کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اعزاز و اکرام کے ساتھ ٹھہرایا، اس سے مسترشد کو تشویش پیدا ہو گئی، اس نے نقیب النقباء شرف الدین علی بن طراد زینبی کو دبیس کے پاس ابو الحسن کو لانے کے لیے بھیجا، دبیس نے کہا میں خلیفہ کا خادم اور بندۂ فرمان ہوں، لیکن جس شخص نے میرے گھر میں پناہ لی ہے، اس کو میں اس کی مرضی کے خلاف حوالہ نہیں کر سکتا، یہ جواب سن کر نقیب النقباء نے خود ابو الحسن سے گفتگو کی، اور اس کو اطمینان دلایا کہ میرے ساتھ واپس چلو، تم کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچنے پائے گا، اور تمھارے جو مطالبات ہوں گے وہ سب پورے کئے جائیں گے، ابو الحسن نے جواب دیا کہ میں کسی شر اور بدنیتی سے نہیں بلکہ بھائی کے

خوف سے بھاگ آیا تھا، اگر ان کی جانب سے اطمینان ہو جائے تو مجھے واپس جانے میں تامل نہیں ہے، نقیب النقباء نے واپس جاکر مسترشد سے یہ گفتگو بیان کی، وہ ہر طریقہ سے اطمینان دلانے کے لئے تیار ہو گیا، لیکن پھر کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ ابو الحسن واپس نہ گیا، اور چند دنوں کے بعد حلہ سے واسط چلا گیا، یہاں ایک جماعت اس کے ساتھ ہو گئی، ابو الحسن نے اس کی مدد سے واسط پر قبضہ کر لیا، مسترشد نے دبیس کو لکھا کہ ابو الحسن نے اب ملک پر ہاتھ بڑھانا شروع کر دیا ہے، اس کا تدارک فوراً ہونا چاہیئے، ابو الحسن اس کے یہاں سے جا چکا تھا، اس پر کوئی ذمہ داری باقی نہ رہ گئی تھی اور مسترشد کو اپنی جانب سے بدگمان کرنا نہیں چاہتا تھا، اس لئے ابو الحسن کی گرفتاری کے لئے فوج روانہ کر دی، ابو الحسن میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس نے واسط چھوڑ دیا، اس دوران میں دبیس کی فوجیں پہنچ گئیں، انھیں دیکھ کر ابو الحسن کے ساتھی اس سے الگ ہو گئے، ابو الحسن نے بھاگ کر نکل جانا چاہا، لیکن پکڑ لیا گیا، دبیس نے اس کو مسترشد کے پاس بھجوا دیا، ابو الحسن اسے دیکھ کر اس کے قدم پر گر ا، مسترشد نے درگذر سے کام لیا، اور ابو الحسن کو گلے لگا کر خلعت سے سرفراز کیا[۱]،

سلطان سنجر کے ساتھ محمود کی مخالفت اور اس کے نتائج

سلطان ملک شاہ کی وفات کے بعد اس کا نامور فرزند سلطان سنجر والی خراسان جس کا ذکر برکیارق کے حالات میں گذر چکا ہے سلجوقی خاندان کی عظمت و ناموس کا محافظ تھا، اور سارا خاندان اس کو اپنا سرپرست و مربی مانتا تھا، اس کی حکومت خراسان، غزنہ، خوارزم اور ماوراء النہر تک پھیلی ہوئی تھی[۲]، اور اران، آرمینیہ، آذربیجان، موصل، دیار ربیعہ، دیار بکر اور حرمین تک میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، اور سلطان اعظم کے لقب سے ملقب تھا[۳]،

---

[۱] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۹۰ [۲] تاریخ دولت آل سلجوق ص ۱۱۰ [۳] ابن خلکان ج اول ص ۲۱۷،

سلطان سنجر اور سلطان محمود کا باپ محمد حقیقی بھائی تھے، دونوں میں بڑی الفت و محبت تھی، سلطان محمد کی موت کا سنجر کو اتنا شدید قلق ہوا تھا کہ وہ کئی دن تک خاک پر بیٹھا رہا، اور سات دن تک حکومت کے سارے کاروبار بند کر دیئے تھے، اس محبت و اعتماد کی بنا پر سلطان محمد، محمود کو سنجر کی اطاعت و فرماں برداری اور اس کی عزت و تکریم کی وصیت کرتا گیا تھا، سلطان سنجر کی لڑکی بھی سلطان محمود سے منسوب تھی، اس لئے چچا کے رشتہ کے علاوہ سلطان اس کا خسر بھی تھا،[۱]

لیکن ان گوناگوں تعلقات کے باوجود محمود کے بدخواہ مشیروں خصوصاً اس کے ناعاقبت اندیش وزیر و حاجب نے اس کو سلطان سنجر کی سلطنت کی طمع دلا کر اس کی مخالفت پر آمادہ کر دیا،[۲] محمود کم سن اور ناتجربہ کار تھا، بھڑکانے میں آگیا، اور خان سمرقند کو لکھ بھیجا کہ ایک طرف سے میں بڑھتا ہوں، دوسری طرف سے تم فوج کشی کرو، دونوں مل کر خراسان پر قبضہ کر لیں،[۳]

اسی زمانہ میں سلطان محمود نے شرف الدین انوشروان کو سنجر کے پاس بھیجکر اس سے دو لاکھ سالانہ پر ماژندران کا علاقہ مانگا تھا، سلطان کو معلوم تھا کہ یہ سب اس کے مشیروں کی فتنہ انگیزی ہے، اس لئے اس نے یہ درخواست رد کر دی، محمود کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے اور بھی بہت سی بے عنوانیاں اس سے سرزد ہوئیں، عماد الدین اصفہانی نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے،[۴] اس لئے سلطان سنجر نے اس کی تادیب و اصلاح کے لئے اس پر فوج کشی کرنے کا عزم کر لیا،

سلطان محمود کے قاصد شرف الدین انوشروان نے اس کو روکنے کی کوشش کی، سنجر نے کہا محمود ابھی کم سن و ناتجربہ کار ہے اور اپنے وزیر و حاجب کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا ہے اور فوج کشی کر کے محمود کی سلطنت چھین لی اور بغداد میں محمود کے بجائے سنجر کے نام کا خطبہ

۱؎ ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۹۳، ۲؎ راحۃ الصدور ص ۱۶۹، ۳؎ دولت آل سلجوق ص ۱۱۱، ۴؎ ایضاً ص ۱۱۱ تا ص ۱۱۳،

جاری ہو گیا، سنجر کی ماں یعنی محمود کی دادی زندہ تھی، اس کو قدرۃً اس سے تکلیف پہونچی، اس نے سنجر کو بلا کر اس سے کہا تم اتنی بڑی سلطنت کے مالک ہو، تم نے غیروں کو حکومت دی ہے کیا محمود کا حق ان کے برابر بھی نہیں ہے، محمود کے امراء نے بھی اسکی جانب سے معذرت کی، ماں کے حکم کی تعمیل میں سلطان سنجر نے رے کے علاوہ باقی کل سلطنت محمود کو واپس کر کے اس کی حیثیت اپنے نائب کی کر دی، محمود نے جا کر چند دنوں تک سنجر کے پاس قیام کیا، سنجر لاولد تھا، محمود سے بڑی محبت رکھتا تھا، چند دنوں کے بعد اس کو اپنا ولیعہد بنا کر تمام ممالک محروسہ میں اپنے نام کے بعد خطبہ میں اس کا نام داخل کرنے کا حکم دیا، اور بہت سے قیمتی ہدایا و تحائف دے کر شفقت و محبت کے ساتھ اس کو ہمدان واپس کیا[1]،

محمود اور مسعود کی جنگ

۵۱۴ھ میں دبیس نے ایک نئی فتنہ انگیزی کی، سلطان محمود کے بھائی مسعود والی آذربیجان کے اتابک جیوش بک کے ساتھ مل کر مسعود کو سلطان محمود کے خلاف کھڑا کر دیا، لیکن محمود نے اسے فاش شکست دی، مسعود روپوش ہو گیا، لیکن پھر چند دنوں کے بعد جان بخشی کرا کے محمود کے پاس چلا آیا، اس نے درگذر سے کام لیا، اپنی فوج اس کی پیشوائی کے لئے بھیجی، اور مسعود کو گلے لگا کر احسان و سلوک سے پیش آیا، اس کے اتابک جیوش بک کے ساتھ بھی جو اس فتنہ کے بانیوں میں تھا، احسانات کئے، لیکن اصل بانی فساد دبیس بھاگ گیا اور عراق میں لوٹ مار شروع کر دی، مسترشد اور سلطان محمود دونوں نے اس کو روکنے کی کوشش کی، لیکن وہ باز نہ آیا، اور مسترشد کو نہایت گستاخانہ جواب دیا، اس لئے خود محمود کو فوج کشی کرنا پڑی، دبیس میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی، بڑی زحمتوں کے بعد آخر میں اس نے اپنے بھائی منصور کو سلطان کے پاس بطور ضمانت کے بھیج کر اطاعت قبول کر لی، لیکن

---

[1] ابن اثیر ج۱۰ ص۱۹۵ و راحۃ الصدور ص۱۶۷،

مسترشد نے اسے منظور نہ کیا۔[۱]

اسلامی حدود پر کرج کی یورش

اسی سنہ میں کرج، قفجاق اور خزر کے علاقہ کی دوسری قوموں نے اسلامی سرحد پر یورش کی، امیر ایلغازی، طغرل بن محمد اور امیر کنتغدی وغیرہ نے بڑھ کر ان کو روکنے کی کوشش کی لیکن ان کی غلطی سے ان کو شکست ہوئی، اور خزر نے ان کا تعاقب کرکے کئی ہزار مسلمان قتل و گرفتار کر لئے، ایلغازی وغیرہ امراء کسی طرح بچ کر نکل گئے اور کرج نے تفلیس کا محاصرہ کر لیا، اہل تفلیس نے چند دنوں تک مدافعت کی، لیکن پھر محاصرہ کی سختیوں سے مجبور ہو کر تفلیس کے قاضی اور خطیب کو خزر کے پاس حصول امان کے لئے بھیجا، انھوں نے ان کو زندہ آگ میں جلا دیا، اور تفلیس کو فتح کرکے ویران کر ڈالا، اور مسلمانوں پر بڑے سخت مظالم ڈھائے، ان لوگوں نے بغداد اور ہمدان جا کر مسترشد اور سلطان محمد سے فریاد کی،[۲]

ان کے مصائب سن کر سلطان خود آذربیجان گیا، اور خزر کے مقابلہ کے انتظامات کرکے لوٹ آیا، لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا، اور خزر کی یورش اور بڑھ گئی، دوبارہ شروان اور دربند کے مسلمانوں کا وفد سلطان کے پاس پہنچا، اور کرج کے مقابلہ میں اپنی بے بسی بیان کی، اس لئے سلطان نے ۵۱۷ھ میں دوبارہ فوج کشی کی، کرج کی قوت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ فوج کی ہمت چھوٹ گئی، لیکن حسن اتفاق سے خود کرج اور قفجاقیوں میں تلوار چل گئی اور وہ لوٹ گئے، اور جنگ کی نوبت نہیں آئی، اور سلطان چند دنوں شروان میں ٹھہر کر ہمدان واپس ہوا[۳]

دبیس کی بغاوت اور ناکامی

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مسترشد نے دبیس کے پیام اطاعت کو قبول نہیں کیا تھا، اور سلطان کے پاس کہلا بھیجا تھا کہ دبیس اپنے باپ کے خون کا کینہ نکالنا چاہتا

---

[۱] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۰۰ [۲] ایضاً ص ۲۰۰، ۲۰۱ [۳] ایضاً ص ۲۲۹،

تھے[۱]، اس کو عراق کے حدود سے باہر نکالنا ضروری ہے، اور امیر آقسنقر برسقی والی موصل کو اس مہم پر مامور کیا تھا، دبیس نے اسے شکست دی، اور مسترشد کو پھر راضی کرنے کی کوشش کی، اور اس کے پاس کہلا بھیجا کہ میں امیر المومنین کا تابع فرمان ہوں اور خالصہ شاہی کے محاصل کی تحصیل کے لیے ناظر کو بلا بھیجا، اس مرتبہ مسترشد رضامند ہوگیا،

لیکن اسکی یہ اطاعت کیشی بھی اس غرض سے تھی کہ وہ اپنے سوتیلے بھائی ابوعلی کو جو مسترشد کا وزیر تھا گرفتار کرانا چاہتا تھا، چنانچہ مسترشد نے اس کے ایما سے ابوعلی کو قید کرا دیا، اس کی گرفتاری سلطان محمود کے مزاج کے خلاف ہوئی، اس نے دبیس کے دوسرے بھائی منصور کو جس کو اس نے اپنی ضمانت میں سلطان کے پاس بھیجا تھا قید کردیا، اس کے انتقام میں دبیس نے واسط پر فوج کشی کردی لیکن اہل واسط نے اسے نکال دیا، اس سے دبیس کا غصہ اور تیز ہوگیا، اس دوران میں اس کو معلوم ہوا کہ سلطان نے منصور کو اندھا کرادیا یہ سن کر وہ آپے سے باہر ہوگیا اور عراق میں عام تاخت وتاراج شروع کردی نہر الملک کے خالصہ شاہی کو لوٹ لیا، یہاں کے باشندے گھر بار چھوڑ کر بغداد بھاگ گئے، دبیس نے مسترشد کے پاس کہلا بھیجا کہ تم نے اقسنقر برسقی کو میرے مقابلہ پر مامور کیا ہے، اور سلطان نے میرے بھائی کو اندھا کردیا ہے اس کے انتقام میں بغداد کو لوٹ کر ویران کر ڈالوں گا،

اس کے اس گستاخانہ پیام پر مسترشد نے خود اس کے مقابلہ میں جانے کا عزم کیا، اور تمام ممالک محروسہ کے امرا کو بغداد طلب کیا، اس حکم پر بغداد میں فوجوں کا سیلاب امنڈ آیا، دبیس کو اس کی خبر ملی تو اس نے مسترشد کو راضی کرنے کی کوشش کی، مگر اس نے اس کی معذرت قبول نہ کی اور ذی الحجہ ۵۱۶ھ میں اس کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوگیا،

---

[۱] سلطان محمد کے حکم سے صدقہ پر فوج کشی ہوئی تھی، اس میں وہ قتل ہوا تھا،

بارکہ میں مقابلہ ہوا، مسترشد خود عام سپاہیوں کے دوش بدوش لڑا، اور ایک خونریز جنگ کے بعد دبیس کو شکست ہوئی، اس کی فوج کا بڑا حصہ برباد ہوگیا، اور ایک بڑی تعداد زندہ گرفتار ہوئی، اس میں دبیس کی بیویاں اور لونڈیاں بھی تھیں، مسترشد نے عورتوں کے علاوہ باقی تمام قیدیوں کو قتل کرادیا اور محرم ۵۱۷ھ میں بغداد واپس گیا،[۱]

اس شکست کے بعد دبیس چند دنوں تک روپوش رہا، پھر قبیلہ منتفق کو ساتھ ملاکر بصرہ پر قبضہ کرلیا، اور یہاں کے فوجی افسروں کو قتل کرکے شہر کو لوٹ کر ویران کرڈالا، مسترشد نے امیر اقسنقر برسقی کو لکھا کہ بصرہ پر دبیس کا قبضہ محض تمہاری ڈھیل کا نتیجہ ہے، اس تحریر پر اقسنقر نے دبیس کے مقابلہ کی تیاری کی، اس کو خبر ہوئی تو وہ بصرہ چھوڑکر شام چلاگیا، اور مسترشد اور سلطان محمود کی مخالفت میں صلیبیوں سے مل کر ان کو حلب پر قبضہ کیلئے آمادہ کیا، اور خود ان کے ساتھ حلب کے محاصرہ میں شریک ہوا، لیکن اس میں بھی ناکام رہا،[۲]

شام میں ناکامی کے بعد سلطان محمود کے بھائی طغرل والی ساوہ کے پاس جو سلطان کے خلاف تھا، پہنچا اور اسے ورغلاکر ۵۱۹ھ میں عراق پر فوج کشی کرادی، اس لئے مسترشد پھر مقابلہ کے لئے نکلا، دبیس نے لڑنے کے بجائے اس کی کوشش کی کہ نہروان کا پل توڑکر مسترشد کو آگے بڑھنے سے روک دے، اور طغرل اس کے عقب سے جاکر بغداد پر قبضہ کرلے لیکن اتفاق سے طغرل بیمار ہوگیا، اور اسی دوران میں سخت طوفانی بارش شروع ہوگئی، اس لئے دبیس کی یہ تدبیر کامیاب نہ ہوسکی، بغداد میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ دبیس حملہ کے لئے آرہا ہے، دوسری طرف مسترشد کی فوج میں خبر اڑ گئی کہ دبیس نے بغداد پر قبضہ کرلیا، اس لئے اس کو وہ بدحواسی میں ساز و سامان چھوڑکر بغداد لوٹ گئی، راستہ میں دبیس کا سامنا ہوگیا، اس کو

---

۱ ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۱۶، ۲ ایضاً،

فوج کی حالت کا علم نہ تھا، اس لئے گھبرا کر مسترشد کی خدمت میں حاضر ہو گیا، اور اپنی خطاؤں کی معافی چاہی مسترشد اسکی معذرت قبول کرنے پر تیار ہو گیا، لیکن اس کے وزیر نے سخت مخالفت کی، اور دبیس مایوس ہو کر طغرل کے پاس ساوہ چلا گیا، پھر اس کے ساتھ سلطان سنجر کے پاس خراسان پہنچا اور مسترشد بغداد واپس گیا،

سلطان و مسترشد میں جنگ و مصالحت

مسترشد عالی دماغ اور حوصلہ وہمت کا خلیفہ تھا، خود لڑائیوں میں نکلتا تھا، ملکی معاملات میں ذاتی رائے رکھتا تھا نظام مملکت میں دخل دیتا تھا سلجوقی حکام وامراء کو ان کے حدود سے بڑھنے نہ دیتا تھا، اس لیے عراق میں سلجوقیوں کی مطلق العنانی اور ان کا اقتدار بہت گھٹ گیا تھا ۵۲۰ھ میں بغداد کے سلجوقی شحنہ یرنقش زکوی اور عباسی عمال میں کچھ اختلاف ہو گیا، مسترشد نے یرنقش کو سخت تنبیہ کی، وہ اس کے خوف سے بغداد چھوڑ کر سلطان محمود کے پاس پہنچا، اور اس سے کہا کہ مسترشد خود فوجوں کی قیادت کرتا ہے، اور لڑائیوں میں شریک ہوتا ہے، اگر آپ نے بغداد جا کر اس کا تدارک نہ کیا، تو اسکی قوت بہت بڑھ جائیگی، پھر اس پر قابو پانا دشوار ہو جائے گا اور آپ کو عراق کی حکومت سے ہاتھ دھونا پڑے گا،

مسترشد کی عالی دماغی اور شجاعت سے محمود بھی اس کی جانب سے مطمئن نہ تھا، اس لئے اس خطرہ کے انسداد کے لئے بغداد جانے کے لئے آمادہ ہو گیا، مسترشد کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے کہلا بھیجا کہ دبیس کی شورش اور فتنہ انگیزی کی وجہ سے عراق کی حالت بہت ابتر ہو رہی ہے، کاشتکار اجڑ گئے ہیں، غلہ کی کمی سے گرانی بہت بڑھ گئی ہے، تمہاری فوجوں کی آمد سے اخراجات کا بار اور بڑھ جائے گا، اس لئے اس وقت ارادہ ملتوی کر دو، حالات سدھرنے کے بعد بغداد کا قصد کرنا، اس ممانعت سے سلطان کا شک یقین کے درجہ تک

پہنچ گیا، اور اس نے ارادہ ملتوی نہ کیا،

مسترشد کو اسکی یہ عدول حکمی سخت ناگوار ہوئی، اس نے طے کر لیا کہ اگر محمود نے اپنا عزم نہ بدلا تو وہ بغداد چھوڑ دیگا، اور قصرِ خلافت چھوڑ کر بغداد کے مغربی حصہ میں چلا گیا، اس سے اہلِ بغداد میں بڑی بے چینی پیدا ہو گئی، محمود بھی اس کا عزم سنکر گھبرایا، اور قاصد بھیجکر اس کو راضی کرنے کی کوشش کی، مسترشد نے کہلا بھیجا کہ اگر سلطان چاہتا ہے کہ میں بغداد نہ چھوڑوں تو اسکو بھی اپنا ارادہ فسخ کرنا پڑے گا، لوگ گرانی کی شدت سے ہلاک ہو رہے ہیں، ملک ویران ہو رہا ہے، میرا مذہب اسکی اجازت نہیں دیتا کہ ان کی مصیبت بڑھتی جائے، اور میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہوں، اگر سلطان واپس نہ گیا تو میں قطعی عراق چھوڑ دونگا، تاکہ کم سے کم اپنی آنکھوں سے اہلِ عراق کے مصائب کو نہ دیکھوں، یہ جواب سن کر سلطان کا غصہ اور بڑھ گیا، اور وہ اپنا ارادہ ملتوی کرنے پر آمادہ نہ ہوا،

سلطان کی ضد اور اس کے اصرار کو دیکھ کر مسترشد نے سلطانی حکام کو روکنے کے لئے عفیف خادم کو واسط بھیجا، سلطان نے امیر اقسنقر برسقی والی موصل کے لڑکے عماد الدین زنگی کو اس کے مقابلہ پر مامور کیا، اس نے عفیف خادم کو شکست دیکر عراق کو انقلابی سے بچا لیا،

عفیف خادم کی شکست کے بعد ذی الحجہ ۵۲۰ھ میں سلطان بغداد پہنچ گیا، اور مسترشد کو قصرِ خلافت واپس لیجانے کی کوشش کی، لیکن وہ آمادہ نہ ہوا اور دونوں میں کشمکش شروع ہو گئی، سلطانی فوج نے قصرِ خلافت پر حملہ کر دیا، اس سے اہل بغداد میں بڑا جوش پیدا ہو گیا، اور انھوں نے اعلانِ جنگ کر دیا، مسترشد بھی جنگ کے لئے آمادہ ہو گیا، اور سلطانی فوج کے مقابلہ کے لئے بغداد کے مشرقی حصہ میں چلا گیا، اور حفاظت کے لئے خندق کھدوائی،

اس دوران میں شہر پناہ کے پھاٹک پر جھڑپ ہوتی رہی جس سے بغداد میں بڑی بد امنی پیدا ہوگئی، بہت سے آدمی قتل و گرفتار ہوئے، عباسی فوج نے سلطانی فوج پر شبخون مارنے کا ارادہ کیا، مگر اس درمیان میں امیر ابو الہیجا کردی والی اربل مسترشد کا ساتھ چھوڑ کر سلطان سے مل گیا، اس لئے یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا،

اس درمیان میں عماد الدین زنگی جسے سلطان نے بغداد بھیجا تھا بصرہ اور واسط وغیرہ کی حفاظت کا انتظام کر کے بہت بڑی بری و بحری فوج لے کر پہنچ گیا اور دجلہ کو جنگی کشتیوں سے پاٹ دیا، اس کی قوت دیکھ کر بغدادی فوج کی ہمت پست ہوگئی، امیر ابو الہیجا کردی ساتھ چھوڑ چکا تھا اور مسترشد کی قوت کمزور ہوگئی تھی، اس لئے اس نے مجبور ہو کر سلطان کے پیام مصالحت کو قبول کر لیا، سلطان اپنی جسارت پر معافی کا خواستگار ہوا، مسترشد نے درگذر سے کام لیا، اور بغداد ایک بڑے انقلاب سے بچ گیا، سلطان کے بعض بد نفس مشیروں نے اس کو مشورہ دیا کہ مسترشد کو زیر کرنے کا یہی موقع ہے، بغداد کو جلا کر ویران کر دیجئے، لیکن اس نے انکار کیا اور کہا کل دنیا بغداد کے برابر نہیں ہو سکتی،[1]

عراق میں سلجوقیوں کی حکومت کا دارومدار بڑی حد تک بغداد کے سلجوقی شحنہ پر تھا، مسترشد کی عالی دماغی اور قوت سے اس کے زمانہ میں یہ مسئلہ بہت اہم ہو گیا تھا، اور کوئی امیر اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوتا تھا، عراق پر فوج کشی اور اس کی حفاظت میں عماد الدین زنگی نے غیر معمولی کارگذاری دکھائی تھی، اس لئے سلطان نے تمام امرا کے اتفاق رائے سے اس کو اس جلیل القدر منصب پر مقرر کیا اور ربیع الثانی ۵۲۱ھ میں ہمدان واپس گیا،[2]

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۲۷، [2] ایضاً ص ۲۲۹،

دبیس کی فتنہ انگیزی | یاد ہوگا کہ ۵۱۹ھ میں دبیس بن صدقہ طغرل کے ہمراہ سلطان سنجر کے پاس خراسان چلا گیا تھا، وہاں بھی وہ خاموش نہ بیٹھا اور سنجر کو بھڑکایا کہ مسترشد اور محمود آپ کے خلاف متحد ہو گئے ہیں، سلطان کو اس کے ماننے میں تامل ہوا، لیکن دبیس نے اس وثوق اور اصرار سے کہا کہ اسے بھی شبہہ پیدا ہو گیا، اور اس کی تصدیق کے لئے ریے جاکر سلطان محمود کو بلا بھیجا، دبیس کے بیان کی کوئی اصلیت نہ تھی، محمود بلا تامل سلطان سنجر کے پاس چلا گیا، اسلئے سنجر کا شک جاتا رہا، اور وہ بڑے لطف و مدارات کے ساتھ محمود سے پیش آیا، اسے اپنے ساتھ تخت شاہی پر بٹھایا، لیکن سلطان خود بڑا عالی ظرف تھا، اور اس کی لڑکی یعنی سلطان محمود کی بیوی دبیس کو بہت مانتی تھی، اس لئے سنجر نے دبیس کو یہ کہہ کر محمود کے سپرد کر دیا کہ اسکے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ ہونے پائے، اور خلیفہ سے سفارش کرکے اس کا ملک اسے واپس کرا دو،

اس کی ہدایت کے مطابق سلطان محمود ۵۲۳ھ میں دبیس کو لے کر بغداد گیا، مسترشد کو اس کی عہد شکنی کا بارہا تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے وہ اسے ملک کا کوئی حصہ دینے پر آمادہ نہ ہوا، اور حلہ کی حکومت امیر بہروز کو دیدی، سلطان محمود نے امیر احمد یلی اور امیر قزل کی ضمانت پر دبیس کو آزاد کر دیا،

دبیس کی بدقسمتی سے اسی زمانہ میں محمود کی بیوی کا جو آڑے وقتوں میں دبیس کے کام آتی تھی انتقال ہو گیا، اس سے اس کا بڑا سہارا جاتا رہا، اس کی موت کے چند ہی دنوں کے بعد سلطان محمود سخت بیمار پڑ گیا، اسکی بیماری سے دبیس کو پھر فتنہ انگیزی کا موقع مل گیا، اور وہ سلطان کے صغیر السن بچے کو لے کر عراق چلا گیا، بہروز حلہ چھوڑ کر بھاگ گیا، اور دبیس نے حلہ پر قبضہ کر لیا، مسترشد کو اطلاع ہوئی تو اس نے اس کے مقابلہ کا حکم دیا، اسی دوران میں سلطان محمود کی حالت بھی سنبھل گئی، اس نے دبیس کے ضامن امیر احمد یلی اور امیر قزل

کو بلا کر دبیس کے روکنے کے لئے عراق بھیجا، سلطان اور مسترشد دونوں کی برہمی دیکھ کر اس نے مسترشد سے معافی چاہی اور وعدہ کیا کہ آئندہ ہمیشہ اس کا بندۂ فرمان رہے گا، اور ایک رقم سالانہ پیش کرنے کا وعدہ کیا، سلطان کی خدمت میں بھی قیمتی ہدایا بھیجے، لیکن سلطان نے اس کی درخواست رد کر دی، وہ مایوس ہو کر بصرہ چلا گیا، اور مسترشد کے محاصل پر قبضہ کر لیا، سلطان نے فوراً بصرہ فوجیں روانہ کیں، اس لئے دبیس نے بصرہ چھوڑ دیا، اور چند دنوں کے بعد پھر شام چلا گیا،[1]

سلطان محمود کی وفات	شوال ۵۲۵ھ میں سلطان محمود کا انتقال ہو گیا، اس وقت کل ستائیس

سال کی عمر تھی، وہ بیدار مغز اور باخبر حکمراں تھا، حکومت کے تمام شعبہ جات کی خود دیکھ بھال کرتا تھا، دفاتر اور امراء کی جاگیروں کے حالات معلوم کرتا، اور وزیر اور مستوفی کے کاغذات کی جانچ پڑتال کرتا تھا، کوئی چیز اس کی نگاہ سے مخفی نہ رہنے پاتی تھی،[2]

ذاتی حیثیت سے وہ شریف النفس اور متحمل مزاج تھا، خلاف طبع باتوں میں چشم پوشی سے کام لیتا تھا، خود بھی رعایا کے مال کے بارہ میں بڑی حد تک محتاط اور پاک دامن تھا، اور امراء اور وابستگان دولت کو بھی دست درازی سے روکتا تھا،[3]

راوندی کا بیان ہے کہ وہ نیک سیرت، خندہ جبیں، ہنس مکھ، خوش مزاج، شیریں زبان، بذلہ سنج اور عفیف و پاکدامن تھا،[4]

لیکن کم عمری اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے یہ بڑی کمزوری تھی کہ امراء و وزراء اس پر حاوی تھے، جس سے اس کی حکومت کے وقار کو صدمہ پہنچا،

سلطان داؤد	سلطان محمود کی وفات کے بعد اس کے وزیر ابوالقاسم اور اتابک آقسنقر

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۳۲ [2] راحۃ الصدور ص ۲۰۵ [3] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۳۹ [4] راحۃ الصدور ص ۲۰۳،

نے شوال ۵۲۵ھ میں اس کے صغیر السن بچہ داؤد کو تخت نشین کیا، یہ بہت کم سن تھا اور اس کے کئی چچا طغرل، مسعود اور سلجوق شاہ موجود تھے، ان میں سے کسی نے بھی داؤد کی حکومت تسلیم نہیں کی، داؤد کے نانا سنجر نے بھی اتنے صغیر السن بچے کی جانشینی کو مناسب نہ سمجھا، اور داؤد کے بجائے اپنے بھتیجے طغرل کو نامزد کیا، چنانچہ فارسی مورخین محمود کے بعد طغرل ہی کو بادشاہ لکھا ہے لیکن محمود کے خود غرض امرا نے سنجر کے فیصلہ کو نہ مانا، اس لئے داؤد کے تینوں چچا طغرل، مسعود اور سلجوق شاہ اٹھ کھڑے ہوئے، سب سے اول مسعود نے پایہ تخت ہمدان پر فوج کشی کی اور مسترشد سے بغداد میں اپنے خطبہ کی درخواست کی، داؤد کی درخواست بھی پہنچ چکی تھی، مسترشد نے ان کا فیصلہ سنجر پر چھوڑ دیا اور اسکو لکھ بھیجا کہ سب سے زیادہ تم خود خطبہ کے مستحق ہو، ان دونوں میں سے کسی کو اجازت نہ دینا،[1]

ابھی مسعود اور داؤد کی کشمکش کا فیصلہ نہ ہوا تھا کہ سلجوق شاہ آتابک قراجہ ساقی کے ہمراہ فوجیں لے کر بغداد پہنچ گیا، مسترشد بڑی عزت و توقیر کے ساتھ پیش آیا اور اس کے باپ کے محل میں ٹھہرایا، اور اس سے اپنی امداد و حمایت کا وعدہ لے لیا، مسعود کو اس کی اطلاع ہوگئی اس نے مسترشد کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر بغداد میں اس کے نام کا خطبہ جاری نہ کیا گیا، تو وہ قوت کے زور سے پڑھوائے گا، مسترشد نے اس دھمکی کی پرواہ نہ کی، اس لئے مسعود نے عماد الدین زنگی کے ساتھ بغداد پر فوج کشی کر دی، عماد الدین آگے تھا، مسترشد اور قراجہ ساقی نے بغداد سے نکل کر اس کو فاش شکست دی، اس کے بعد مسعود جو پیچھے سے آرہا تھا، بغداد پہنچا، اسے عماد الدین کی شکست کی خبر نہ تھی، دو دن تک اس میں اور مسعود میں جھڑپ ہوتی رہی، اس کے بعد اسے عماد الدین کی شکست کی اطلاع ملی، اس لئے وہ لوٹ گیا،

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۴۱،

اس دوران میں سلطان سنجر، طغرل کو تاج و تخت دلانے کے لئے ہمدان روانہ ہو گیا تھا، اس کا مقابلہ مسعود اور سلجوق شاہ دونوں کے بس سے باہر تھا، مسترشد بھی سنجر کی زیادہ مداخلت پسند نہ کرتا تھا، اس لئے سنجر کے مقابلہ کے لئے تینوں اس شرط پر متحد ہو گئے، کہ عراق مسترشد کے وکیل کے ماتحت رہے گا، اور ایران میں وہ مسعود کی حکومت تسلیم کرے گا، اور سلجوق شاہ اس کا ولیعہد ہوگا،

اس معاہدہ کے بعد مسترشد نے مسعود، سلجوق شاہ اور قراجہ ساقی کو سنجر کے مقابلہ کیلئے آگے بھیجدیا، اور خود ان کے عقب سے روانہ ہوا، خانقین پہنچ کر اسے اطلاع ملی کہ سلطان سنجر کے حکم سے عماد الدین زنگی اور دبیس بن صدقہ دوسری سمت سے بغداد روانہ ہو گئے ہیں، اس لئے مسترشد بغداد کی حفاظت کے لئے لوٹ گیا، اور ان کے مقابلہ کے لئے انتظامات کئے، اس دوران میں عماد الدین اور دبیس قریب پہنچ گئے، مسترشد نے آگے بڑھ کر حصن برالکمہ میں انھیں فاش شکست دی،

دوسری جانب دینور کے قریب مسعود، سلجوق شاہ اور سلطان سنجر میں معرکہ آرائی ہوئی، قراجہ ساقی نے بڑی شجاعت سے مقابلہ کیا، لیکن آخر میں زخمی ہو کر گرفتار ہوا اور مسعود کو شکست ہوئی، قراجہ ساقی سلطان سنجر کے سامنے پیش کیا گیا، اس نے اس سے سوال کیا کہ میرے مقابلہ میں آنے سے تیرا مقصد کیا تھا، قراجہ نے کہا تم کو قتل کر کے ایسے شخص کو بادشاہ بنانا چاہتا تھا جس پر حکومت کر سکوں، سنجر نے اسے قتل کر دیا،

طغرل بن محمد | سلطان سنجر اپنے سب بھتیجوں سے محبت کرتا تھا، چنانچہ مسعود کو شکست دینے کے بعد اسے واپس بلا کر تنبیہ کر کے گنجہ کی حکومت پر بحال کر دیا اور ۵۲۶ھ میں طغرل کو ہمدان میں تخت نشین کر کے ابو القاسم انسابادی کو اس کا وزیر بنایا اور

داؤد کو آذربیجان کا علاقہ دے کر خراسان واپس گیا،[1]

طغرل اور اسکے بھائیوں کی کشمکش سلطان سنجر کی واپسی کے بعد سلطان داؤد نے امراء کے مشورے سے طغرل پر فوج کشی کر دی، لیکن ان کی نااتفاقی کی وجہ سے ناکامی ہوئی، اور داؤد ذی الحجہ ۵۲۶ھ میں بغداد چلا گیا، مسترشد نے اسے بھی عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا، مسعود کو داؤد کی شکست کی خبر ہوئی تو وہ طغرل کے مقابلہ میں اس کو ملانے کے لئے بغداد پہنچا، مسترشد نے اسے بھی ٹھہرایا، اور چچا بھتیجوں کو خلعت دے کر بغداد میں دونوں کا خطبہ جاری کر دیا، اور تینوں سلطان سنجر کے خلاف متحد ہو گئے اور مسترشد کی مدد سے مسعود اور داؤد نے پہلے آذربیجان پر قبضہ کر لیا، اس کے بعد مسعود نے طغرل کو ہمدان سے نکالا،

اس دوران میں داؤد نے آذربیجان میں مسعود کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا، اس لئے مسعود کو آذربیجان لوٹ جانا پڑا، اس کی واپسی کے بعد طغرل نے ہمدان واپس لے لیا، اور مسعود کے فوجی افسروں کو ملا کر اسے آذربیجان سے بھی نکال دیا اور وہ بغداد لوٹ گیا، اس کا دوسرا بھائی سلجوق شاہ بھی بغداد پہنچ گیا، مسترشد نے حسب معمول دونوں کو عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور ان کی راحت و آسایش کے جملہ سامان مہیا کر دیئے،[2]

موصل پر مسترشد کی فوج کشی اور واپسی سلجوقی امراء میں اس زمانہ میں سب سے زیادہ شجاع و نامور عماد الدین زنگی تھا، وہ سلجوقی حکومت کا رکن رکین تھا، اس لئے مسترشد اسے پسند نہ کرتا تھا، طغرل اور اس کے بھائیوں کی خانہ جنگی کے زمانہ میں بہت سے سلجوقی امراء بغداد جا کر مسترشد سے متوسل ہو گئے تھے، ان کی مخالفت سے فائدہ اٹھا کر مسترشد نے عماد الدین زنگی کو دبانے کی کوشش کی، چنانچہ بغداد کے واعظ شیخ بہاء الدین اسفرائنی کے ہاتھ اس کے پاس

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۴۱ و ۲۴۲ [2] ایضاً ج: ص ۲۴۳،

ایک سخت تحریر بھیجی، انھوں نے عماد الدین سے بڑی تلخ گفتگو کی، اس نے بہار الدین کو گرفتار کرکے ان کی بڑی تحقیر کی، اس سے مسترشد کا غصہ اور تیز ہو گیا، اس نے موصل پر فوج کشی کرکے اس کا محاصرہ کر لیا، عماد الدین، اپنے نائب نصیر الدین کو شہر کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر خود نکل گیا اور عباسی فوجوں پر شبخون مار کر اور سامان رسد کی بندش کرکے اسے پریشان کر ڈالا اور چند مہینوں کے بعد مسترشد کو ناکام لوٹ جانا پڑا[1]،

سلطان طغرل کا انتقال | سلطان مسعود اور سلجوق شاہ دونوں ایک سال سے زیادہ بغداد میں مقیم رہے، مسترشد ہر چند ان کو طغرل پر فوج کشی کے لئے ابھارتا رہا لیکن ان کی ہمت نہ پڑی اور وہ برابر ٹالتے رہے، تا آنکہ محرم ۵۲۹ھ میں طغرل کا انتقال ہو گیا، اس وقت کل پچیس سال کی عمر تھی، اس کی مدت حکومت کل تین سال تھی،

طغرل صالح اور نیک سیرت فرماں روا تھا، راوندی کا بیان ہے کہ عدل و سیاست حیا و حمیت کرم و شجاعت تمام اوصاف سے متصف تھا، فواحش اور رذائل سے اس کا دامن پاک تھا[2]،

ابن اثیر لکھتا ہے کہ وہ سراپا خیر و خوبی اور عادل و رعایا پرور تھا، ایک مرتبہ جب وہ مسعود کے مقابلہ میں جا رہا تھا، لوگوں نے اس کی کامیابی کے لئے دعا کی، طغرل نے ان سے کہا میرے لئے دعا کرنے کے بجائے یہ دعا کرو کہ ہم میں سے مسلمانوں کے لئے جو بہتر ہو خدا اس کو کامیاب کرے[3]،

علم و تعلیم سے بھی دلچسپی تھی، ہمدان میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا، اور اس کے اخراجات کے لئے ایک بڑی جائداد وقف کی تھی[4]،

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۴ [2] راحۃ الصدور ص ۲۰۵ [3] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۷ [4] راحۃ الصدور ص ۲۰۹

سلطان مسعود طغرل کی وفات کے وقت مسعود بغداد میں تھا، طغرل کے سب بھائیوں میں حکومت کی سب سے زیادہ اہلیت مسعود ہی میں تھی، اس لئے سلجوقی امرار نے اسے بغداد سے بلا کر تاج و تخت اس کے حوالہ کر دیا، بعض امرار نے داؤد کو بھی دعوت دی تھی، لیکن وہ دیر میں پہنچا، سلطان مسعود نے اس سے اپنی لڑکی بیاہ کر اسے اپنا ولیعہد بنا دیا،[1]

سلطان مسعود کی تخت نشینی کے بعد ہی مسترشد نے اس پر فوج کشی کر دی، جس کا نتیجہ اس کی گرفتاری اور قتل کی صورت میں ظاہر ہوا، اس کی تفصیل سے پہلے اس دور کے ایک قابلِ ذکر واقعہ دولتِ اتابکیہ موصل کے قیام کے حالات سن لینے چاہئیں،

دولت اتابکیہ موصل کا قیام یہ نامور حکومت ۵۲۱ھ میں قائم ہوئی، جنگ صلیبی میں اس کے غیر معمولی کارناموں کی وجہ سے تاریخ اسلام میں اس کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، ابتدائی صلیبی لڑائیوں میں اس کے فرماں روا عماد الدین زنگی اور نور الدین محمود زنگی نے وہی کارنامے انجام دئے، جو آخری لڑائیوں میں صلاح الدین ایوبی سے ظاہر ہوئے،

اس حکومت کا بانی امیر عماد الدین زنگی ہے، اس کا باپ امیر قسیم الدولہ آقسنقر ترکی ملکشاہ سلجوقی کا بچپن کا ساتھی اور اس کا معتمد علیہ امیر تھا، ملک شاہی دور میں اس کو بڑا عروج حاصل ہوا، سلطان نے اس کو قسیم الدولہ کے معزز لقب سے ممتاز کیا، سلطان کے مزاج میں اس کو اتنا رسوخ حاصل تھا کہ وزیر نظام الملک تک اس سے ڈرتا تھا، ملک شاہ کے زمانہ میں وہ بڑے بڑے ذمہ دار عہدوں پر ممتاز رہا، اور بڑے بڑے کارنامے انجام دئے، سلطان نے اس کو حلب، حماۃ، منبج وغیرہ شام کے سلجوقی مقبوضات کا حاکم بنایا تھا، اس نے شام میں سلجوقی حکومت استوار کی تھی،

[1] راحۃ الصدور ص ۲۰۹،

ملک شاہ کی وفات کے بعد جب برکیارق اور اس کے بھائیوں اور چچا میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو قسیم الدولہ نے شامی مقبوضات کو بچانے کے لئے ملک شاہ کے بھائی تاج الدولہ تتش ارسلان کی اطاعت قبول کرلی، موصل کے عرب فرماں روا ناصر الدولہ ابراہیم بن حمدان نے اس کو اپنا ماتحت بنانے کی کوشش کی لیکن قسیم الدولہ نے اسے شکست دے کر موصل اور دیار بکر وغیرہ پر قبضہ کرلیا، پھر جب برکیارق تاج الدولہ کے مقابلہ میں اٹھا تو قسیم الدولہ اپنے آقازادے کے ساتھ ہوگیا، اور تاج الدولہ کو ناکام ہونا پڑا، اس کے انتقام میں تاج الدولہ نے حلب پر فوج کشی کردی تھی اس معرکہ میں قسیم الدولہ شکست کھاکر گرفتار ہوا، اور تاج الدولہ نے اسے قتل کرادیا، قسیم الدولہ بڑا مدبر، عالی دماغ، بہادر، عادل اور رعایا پرور امیر تھا، اس کے دور امارت میں اس کے رقبۂ حکومت میں اتنا امن وامان تھا کہ کوئی شخص کسی کے مال کی جانب آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ کرتا تھا، قافلوں کی گذرگاہیں اتنی محفوظ تھیں کہ جن مقاموں سے وہ گذرتے تھے خود وہاں کے باشندے قافلہ کی حفاظت ونگرانی کرتے تھے،

قسیم الدولہ نے اپنی یادگار ایک صغیر السن لڑکا عماد الدین چھوڑا، اس کی عمر کل دس برس تھی، قسیم الدولہ کے وفادار امراء قوام الدولہ کربوغا، موسی ترکمانی، جکرمش اور جاولی سقاو وغیرہ یکے بادیگرے اس بچہ کو اپنی تربیت میں لیتے رہے، اور اس کے خدم وحشم کے مصارف کے لئے جاگیر مقرر کی اور ان امراء کے دامن تربیت میں اس کی نشوونما ہوئی عماد الدین جوہر قابل تھا سن شعور کو پہنچ کر اس کے جوہر چمکنے لگے، اور وہ سلجوقی امراء کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہونے لگا، شجاعت وشہامت خداداد تھی، نوجوانی ہی میں اس کی شجاعت و شہامت کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا، صلیبی لڑائیوں میں اس نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے، سلطان محمود نے بڑی بڑی مہمیں اس کے سپرد کیں، جنھیں اس نے کامیابی کے ساتھ انجام دیا،

اور چند دنوں میں وہ سلجوقی حکومت کا بڑا معتمد علیہ امیر اور اس کا رکن رکین بن گیا، ۵۲۱ھ میں سلطان محمود نے اس کو بغداد کی شحنگی کے جلیل القدر منصب پر مامور کیا،

امیر قسیم الدولہ کی وفات کے بعد موصل کا علاقہ مختلف امراء سے متعلق رہا، سلطان محمود کے زمانہ میں وہ قسیم الدولہ کے ایک ہم نام امیر اقسنقر برسقی سے متعلق تھا، یہ بھی بڑا شجاع و نامور تھا، اس نے نہ صرف موصل اور جزیرہ کو صلیبیوں سے بچائے رکھا بلکہ جب تک زندہ رہا ان کے مقابلہ میں سینہ سپر رہا، اور سرزمین شام میں بڑے نمایاں کارنامے انجام دیئے، اس کے بعد اس کے جانشینوں میں یہ صلاحیت نہ تھی، امیر برسقی کی وفات کے بعد اس کا لڑکا عزالدین مسعود اس کا جانشین ہوا، یہ چند ہی دنوں میں مرگیا، اس کے بعد امراء نے اس کے صغیر السن بھائی کو جانشین بنانا چاہا، اس زمانہ میں صلیبی سارے شام اور جزیرہ پر چھا گئے تھے، اور کردستان کا علاقہ بھی خطرہ میں پڑگیا تھا، اس لئے بعض عاقبت اندیش لوگوں نے اقسنقر برسقی کے صغیر السن لڑکے کی حکومت کی مخالفت کی اور رائے دی کہ موصل کا والی کسی ایسے شخص کو بنانا چاہئے، جو صلیبیوں کی مدافعت کر سکے، امیر عماد الدین زنگی ان کے مقابلہ میں نام پیدا کر چکا تھا، اس لئے ۵۲۱ھ میں سلطان نے اسکو موصل اور اس کے متعلقہ علاقوں کا والی بنا دیا، اس طرح اتابکی حکومت کی بنیاد پڑی،

یہ وہ زمانہ تھا جب نہ صرف شام بلکہ جزیرہ کی سرحد تک صلیبیوں کا زور بڑھ گیا تھا، اور وہ مسلمانوں پر بڑے مظالم ڈھا رہے تھے، مسلمانوں کے پاس صرف حلب، حمص، حماۃ و دمشق رہ گئے تھے اور ماردین سے لے کر مصر کی سرحد تک صلیبی قابض تھے، اور آس پاس کے چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمرانوں سے خراج وصول کرتے تھے، کوئی ان کا روکنے والا نہ تھا،

عماد الدین زنگی نے سب سے پہلے موصل کا بگڑا ہوا نظام درست کیا، اس وقت شام، جزیرہ اور کردستان میں متعدد چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمراں تھے، ان کی آپس کی جنگ کشمکش سے مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچ رہا تھا، ان کو ختم کئے بغیر صلیبیوں کا پورا مقابلہ ممکن نہ تھا، اس لئے موصل کے انتظام سے فراغت کے بعد عماد الدین نے انکی طرف توجہ کی اور بوازیج، نصیبین، سنجار، خابور اور حران وغیرہ کو ان کے ہاتھوں سے چھڑا کر شام کا راستہ صاف کیا اور ۵۲۳ھ میں فرات کو عبور کر کے سرزمین شام کی طرف بڑھا، یہاں بھی چھوٹی چھوٹی حکومتیں تھیں، عماد الدین نے سب سے اول منبج، حصن بزاعہ، حلب، حماۃ، حمص وغیرہ کو ان کے ہاتھوں سے چھڑا کر راستہ صاف کیا،

شام کے مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان قلعہ اثارب کے عیسائیوں سے پہنچ رہا تھا، اس لئے عماد الدین نے سب سے پہلے ۵۲۴ھ میں اسی پر فوج کشی کی، صلیبیوں نے پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کیا، لیکن عماد الدین نے انھیں بڑی فاش شکست دی، بے شمار عیسائی مارے گئے، اور حصن اثارب پر قبضہ کر کے اس کو مسمار کر دیا، حصن اثارب کے بعد حصن حارم کا محاصرہ کیا، اثارب کی شکست کے بعد عیسائیوں میں مدافعت کا دم باقی نہ رہ گیا تھا، اس لئے انھوں نے حارم کی نصف آمدنی دے کر صلح کر لی، عماد الدین تھکی ہوئی فوجوں کو آرام دینا چاہتا تھا، اس لئے ان کی پیش کش قبول کر لی، حصن اثارب کی شکست کے بعد حلب کے نواح میں صلیبیوں کی قوت ٹوٹ گئی، اور یہاں کے مسلمانوں کو ان کے مظالم سے نجات مل گئی، اس فتح سے ساری دنیائے اسلام کو مسرت ہوئی اور عماد الدین زنگی فوجوں کو آرام دینے کے لئے موصل لوٹ گیا، واپسی میں سرجی دارا وغیرہ کو مسلمان امراء کے قبضہ سے نکالا،

اسکی واپسی کے بعد ہی سلطان محمود کا انتقال ہوگیا، اور اس کے بھائیوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی، جس کا سلسلہ کئی سال تک قائم رہا، اس لئے عماد الدین زنگی کو مسترشد کے دور میں دوبارہ صلیبیوں کے مقابلہ میں نکلنے کا موقع نہ مل سکا، اور اس درمیان میں وہ کردستان کو صاف کرتا رہا، چنانچہ ۵۲۸ھ میں اس نے کردوں کے بہت سے قلعوں پر قبضہ کیا، ۵۲۹ھ میں دمشق پر فوج کشی کی، لیکن عین موقع پر مسترشد کا حکم صلح کے لئے آگیا، اس لئے عماد الدین نے محاصرہ اٹھا لیا[۱]،

دولتِ موحدیہ مغرب کا قیام

مسترشد کے دور کا دوسرا قابل ذکر واقعہ مہدی مغربی کا ظہور اور مراکش کی دولت موحدیہ کا قیام ہے، مہدی مغربی کا نام ابو عبداللہ محمد بن تومرت ہے، ان کے نسب کے بارہ میں مورخین کا اختلاف ہے، بعض مورخین ان کو حسنی سادات میں شمار کرتے ہیں اور بعض مغرب کے قبیلہ مصامدہ سے بتاتے ہیں، ان کا بیان ہے، کہ وہ اصل میں اسی قبیلہ سے تھے، لیکن مہدی کی ظہور کی پیشین گوئیاں چونکہ اہل بیت سے تھیں اس لئے دعوی مہدویت کے بعد ابن تومرت نے اپنا نسب نامہ اہل بیت نبوی سے ملا دیا، باختلاف روایت وہ ۴۷۱ھ تا ۴۸۶ھ میں سوس کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم قرطبہ میں حاصل کی، اور مہدیہ میں امام ماذری سے اور اسکندریہ میں امام ابوبکر طرطوسی سے مستفید ہوئے[۲]، اسکندریہ سے عراق گئے، اور امام غزالی اور کیا ہراسی کے حلقہ درس میں شریک ہوئے، اور مکہ میں حدیث و اصول فقہ وغیرہ دینی علوم کی تکمیل کی،

ان کی زندگی ابتدا سے زاہدانہ تھی، ایک عصا اور پانی پینے کے پیالہ کے سوا وہ کوئی سامان نہ رکھتے تھے، شب و روز عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے، اتباع شریعت

[۱] عماد الدین زنگی کے تمام حالات تاریخ دولت اتابکیہ موصل اور کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین ابوشامہ سے ماخوذ ہیں [۲] تاریخ الدولتین الموحدیہ والحفصیہ زرکشی ص ۲،

میں بڑے سخت تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو زندگی کا مقصد بنا لیا تھا، خلاف شرع باتوں کی مخالفت میں کسی کی رعایت و پروانہ کرتے تھے، اس راہ میں انھوں نے بڑی سختیاں جھیلیں، مکہ چھوڑنا پڑا، یہاں سے مصر گئے، وہاں بھی ان کی شہرت کی بدولت مصر کی حکومت نے اپنے یہاں سے نکال دیا، اور ابن تومرت بحری راستہ سے اسکندریہ ہوتے ہوئے مغرب روانہ ہوگئے، جہاز پر بھی تعلیم و ارشاد کا کام برابر جاری رہا، ۵۰۵ھ میں افریقہ کے شہر مہدیہ میں اترے، اور ایک مسجد میں قیام کیا، شارع عام پر راہروؤں کی دیکھ بھال کرتے تھے، جب خلاف شرع لہو و لعب کے آلات یا شراب کے برتن وغیرہ لیجاتے ہوئے دیکھتے توڑ ڈالتے، چند دنوں میں یہاں اتنی شہرت ہوگئی کہ لوگ دینی علوم کی تحصیل کے لئے ان کے پاس آنے لگے، مہدیہ کے والی یحیٰی بن تمیم کو ان کا حال معلوم ہوا، تو انھیں بلا کر ان سے ملا، اور بڑی عزت و تکریم سے پیش آیا، دعا کا طالب ہوا، انھوں نے دعا کی، خدا تم کو تمھاری رعایا کیلئے بہتر بنائے، پھر چند دنوں کے بعد مہدیہ سے بجایہ چلے گئے[1]، یہاں بھی ان کا مشن جاری رہا، بجایہ کے ایک گاؤں ملار میں ان کی ملاقات عبد المومن نامی ایک شخص سے ہوئی، وہ انھیں ان کے کام کے لئے موزوں نظر آیا، مورخین کا بیان ہے کہ ابن تومرت نے رمل اور جفر کے ذریعہ اس کے مستقبل کا پتہ چلایا، بہرحال عبد المومن کو اپنے مقصد کے لئے موزوں پاکر اسے اپنا شریک کار بنا لیا، عبد المومن کے علاوہ ایک شخص اور عبد الواحد بھی ان کا معاون تھا، چند دنوں کے بعد یہ تینوں بجایہ سے تلمسان پہنچے اور شہر کے باہر ایک مسجد میں قیام کیا، ابن تومرت کی شخصیت میں ایک خاص رعب و اثر تھا، جس سے ہر شخص متاثر ہوتا تھا چند دنوں میں تلمسان کے چھوٹے سے لے کر بڑے طبقات تک ان کے گرویدہ ہوگئے،

---

[1] ابن خلکان ج ۲ ص ۳۸،۳۴

چند دنوں تلمسان میں قیام کرنے کے بعد فاس پہنچے، تبلیغ و تعلیم کا سلسلہ برابر جاری تھا، وہ اپنے عقیدت مندوں کو اشعری عقائد کی تعلیم دیتے تھے، اہل مغرب عموماً اشعری مسلک کے خلاف بلکہ اس کے دشمن تھے، اس لئے فاس کے والی کو خبر ہوئی تو اس نے اپنے یہاں کے علماء سے ان کا مناظرہ کرایا، لیکن وہ ان کے مقابلہ میں نہ ٹک سکے، اور انھوں نے والی شہر سے یہ کہہ کر کہ اس شخص کے خیالات سے لوگوں کے عقائد میں فتور پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے، اس کو شہر بدر کر دینا چاہئے، ابن تومرت کو فاس سے نکلوا دیا،

یہاں سے نکل کر وہ مراکش پہنچے، یہاں کے فرماں روا علی بن یوسف مرابطی کو پہلے سے ان کے حالات کی اطلاع مل چکی تھی، اس نے بھی اپنے یہاں کے علماء سے مناظرہ کرایا، لیکن وہ ابن تومرت کے خیالات اور تقریر تک کو نہ سمجھ سکے، صرف ایک شخص مالک بن وہیب اندلسی ان کی ذہانت و ذکاوت اور وسعت علم کا اندازہ کر سکا، اس نے ان کی ذہانت و ذکاوت کو حکومت کے لئے خطرہ سمجھ کر علی بن یوسف سے کہا کہ یہ شخص فسادی ہے، اس کے مکر و فریب سے خطرہ ہے کہ لوگ اسکی باتوں کو سن کر اس کے گرویدہ ہو جائیں گے، مصامدہ کے قبائل میں ایسے شخص کا رہنا ہمارے لئے سخت خطرناک ہے، اس کو قتل کر دینا چاہئے، لیکن علی بن یوسف خود دیندار آدمی تھا، اس لئے قتل پر آمادہ نہ ہوا، اور صرف شہر بدر کر دینے پر اکتفا کی[1]

مراکش سے نکل کر ابن تومرت سوس پہنچے اور چند دنوں قیام کر کے پہاڑی علاقہ کے باشندوں کی درخواست پر تینمل منتقل ہو گئے، ان کی آمد کی خبر سن کر مصامدہ کے سرداران کے پاس جمع ہو گئے، اور ابن تومرت کے وعظ و تبلیغ سے ان کے عقیدت مند بن گئے، ابن تومرت

---

[1] یہ حالات المعجب فی تلخیص اخبار المغرب عبدالواحد مراکشی سے ماخوذ ہیں، ص ۱۳۳ تا ۱۳۵، اس میں اور ابن خلکان کے بیانات میں جزوی اختلاف بھی ہے،

نے ان میں سے چند معتمد علیہ اشخاص کو تبلیغ و اشاعت اور قبائل کے رؤسا کو مائل کرنے پر مامور کیا، جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ مہدی موعود کی حدیثیں بیان کر کے لوگوں کو مہدی کے عقیدہ سے روشناس کرتے تھے، جب ان کے دلوں میں یہ عقیدہ راسخ ہو گیا اور مہدی موعود کی عظمت قائم ہو گئی، اس وقت ابن تومرت نے مہدویت کا دعویٰ کیا، زمین پہلے سے تیار ہو چکی تھی، ان کے عقیدت مندوں نے بلا تامل اس دعویٰ کو مان لیا اور ابن تومرت نے ان الفاظ میں ان سے بیعت لی، کہ "میں اس چیز پر بیعت لیتا ہوں جس پر صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی"۔

اور ایک خاص نصاب کے مطابق ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا، اور خدمت و عقیدت کے اعتبار سے ان کو مختلف درجوں میں تقسیم کر کے ان کا لقب "مومن" رکھا، اور ان کے دلوں میں یہ بات راسخ کر دی کہ روئے زمین پر ان مومنین کی جیسی سچی اور ایماندار جماعت دوسری نہیں ہے، یہی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی مصداق ہے، کہ سرزمین مغرب میں حق کی حمایت میں ایک جماعت برابر ظاہر ہوتی رہیگی، اسے کوئی شخص جو اس جماعت سے نکل جائے نقصان نہیں پہنچا سکتا، یہاں تک کہ خدا کا کام پورا ہو کر رہے گا، اللہ تعالیٰ اس جماعت کے ذریعہ فارس و روم کو فتح کر کے دجال کو قتل کرائیگا اور اسی جماعت میں وہ امیر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نماز ادا کرتا ہے، اور قیامت تک یہ امر اسی جماعت میں رہے گا۔[۱]

مہدویت کے دعویٰ کے چند دنوں بعد تک ابن تومرت کی تعلیم و تلقین اور تبلیغ و اشاعت پر امن اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تک محدود رہی، اور مغرب کے بڑے بڑے

---

[۱] المعجب ص ۱۳۴ و ۱۳۵

قبائل ہرغہ اور تنہانہ وغیرہ میں انھوں نے فدویت و جان نثاری کی ایسی روح پھونک دی کہ وہ ان کے حکم پر باپ بیٹے اور بھائی کو بے تامل قتل کر دیتے تھے، اس وقت انھوں نے اپنے متبعین کو تعلیم دی کہ آج کل کی تمام حکومتیں باطل کی پیرو ہیں، ان سے قتال واجب ہے۔[1]

ابن اثیر کا بیان ہے کہ ان کے دعوی مہدویت کی خبر سن کر علی بن یوسف نے اس تحریک کو دبانے کے لئے فوج بھیجی، مہدی نے اپنے پیرووں سے کہا کہ یہ فوج صرف میری تلاش میں آئی ہے، میری وجہ سے تم کو بھی نقصان پہنچ جائیگا، اس لئے مجھے کہیں نکل جانے دو، یہ سن کر قبیلہ ہرغہ کے شیخ ابن تیفیان نے کہا کیا آپ کو آسمانی قوت کی جانب سے کوئی خوف ہے؟ مہدی نے کہا نہیں آسمان سے تو ہماری مدد ہوگی، ابن تیفیان بولا تو پھر مجھے ساری روے زمین کی طاقت سے بھی خوف نہیں، اس کی جان نثاری دیکھ کر مہدی نے کہا میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ تم کامیاب ہوگے، اور تھوڑے ہی دنوں میں اس حکومت کو مٹا کر اس کے وارث بنوگے، اس دوران میں مرابطی فوجیں پہنچ گئیں اور مہدی کے پیرووں نے ان کا مقابلہ کر کے شکست دی۔[2]

اس کامیابی سے لوگوں کو مہدی کی صداقت کا اور زیادہ یقین ہوگیا، اور مغرب کے قبائل جوق درجوق ان کی بیعت میں داخل ہونے لگے،

لیکن عبدالواحد مراکشی کا بیان ہے کہ سب سے اول خود مہدی نے ۵۱۷ھ میں عبدالمومن کی ماتحتی میں ایک فوج مرابطین کے مقابلہ میں بھیجی اور ہدایت کر دی کہ پہلے ان کو منکرات وبدعات کے ازالہ اور معروف کے احیاء، اور امام مہدی معصوم کے اقرار کی دعوت دینا اگر وہ اس کو مان لیں تو تمہارے بھائی ہیں، اور انکار کریں تو جنگ کرنا، مراکش کے قریب مقام بحیرہ میں مرابطین کا سامنا ہوا، موحدین نے مہدی کی ہدایت کے مطابق ان کو دعوت دی، اور

[1] المعجب ص ۱۳۷ و ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۰۲ [2] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۰۲،

علی بن یوسف کے پاس بھی تحریری دعوت بھیجی، اس نے عبد المومن کو فتنہ انگیزی اور مسلمانوں میں تفریق واختلاف اور ان کی خونریزی کے انجام سے ڈرایا، عبد المومن نے اس جواب کو علی بن یوسف کی کمزوری پر محمول کر کے جنگ شروع کر دی، اس جنگ میں موحدین کو بڑی فاش شکست ہوئی، اور ان کی بڑی تعداد قتل ہوئی، عبد المومن چند آدمیوں کے ساتھ جان بچا کر نکل گیا، ابن تومرت کو اس شکست اور عبد المومن کے بچنے کی خبر ملی تو اس نے کہا، اگر عبد المومن محفوظ ہے تو پھر گویا ہمارا کوئی آدمی ضائع نہیں ہوا، اور شکست خوردہ مصامدہ کی تشفی و دلدہی کی، کہ "تمھارے آدمی خدا کے دین کی حمایت و مدافعت اور احیائے سنت میں کام آئے اور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے، ان کا غم نہ کرنا چاہئے"، اس سے ان کے دل مضبوط ہو گئے، اور مخالفین کے مقابلہ کا جذبہ اور زیادہ بڑھ گیا، اور انھوں نے نواحِ مراکش میں عام تاخت و تاراج شروع کر دی[۱]،

اس کا سلسلہ کئی سال تک جاری رہا اور مہدی کے پیرووں کی تعداد اور ان کی قوت روز بروز بڑھتی گئی، اور ان کے مقابلہ میں مرابطین کی حالت زوال پذیر ہوئی گئی، ان دونوں کی کشمکش کا سلسلہ جاری تھا کہ رمضان ۵۲۴ھ میں مہدی کا انتقال ہو گیا، وہ اپنے گھر کے قریب ایک مسجد میں دفن کئے گئے[۲]،

مہدی بڑے عابد و زاہد تھے، دنیاوی ساز و سامان سے بے نیاز، اپنے افعال و اعمال میں صلحائے صالحین کا نمونہ تھے، حدود کے اجرا میں بڑے سخت تھے[۳]

عورتوں سے ہمیشہ مجتنب رہے، پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، زرکشی کا بیان ہے کہ زہد و تقشف اور عبادت و ریاضت میں ان کا پایہ بہت اونچا تھا، امام معصوم کے

۱؎ المعجب ص ۱۳۷ و ص ۱۳۸ ۲؎ ایضاً ص ۱۳۹ و تاریخ الدولتین زرکشی ص ۵ ۳؎ المعجب ص ۱۳۳

عقیدہ کے علاوہ ان میں بدعت کا اور کوئی شائبہ نہ تھا،[1]

عبدالمومن

مہدی نے اپنی زندگی میں عبدالمومن کو جانشین نامزد کر دیا تھا چنانچہ ان کی وفات کے بعد موحدین نے ان کو جانشین بنایا، پورا نام ابو محمد عبدالمومن بن علی ہے، نسبی تعلق قبیلہ بنی مجیر سے تھا، لیکن وہ خود اپنے کو عرب قبیلہ قیس عیلان سے بتاتے تھے، ۴۸۷ھ میں تلمسان کے علاقہ تاجرا میں پیدا ہوئے،[2]

ابن ابی دینار کا بیان ہے کہ ان کا باپ علی بڑھئی تھا، لیکن عبدالمومن میں بچپن ہی سے تحصیل علم کا شوق تھا، اور ان کا زیادہ وقت مساجد میں گذرتا تھا،[3]

مہدی سے ان کی ملاقات بھی اس وقت ہوئی تھی، جب وہ تحصیلِ علم کے لئے مشرق جا رہے تھے،[4]

مہدی کی طرح عبدالمومن کی شخصیت میں بھی بڑی کشش و تاثیر تھی، صورۃً بھی حسین و جمیل تھے آواز نہایت بلند گفتگو پر زور اور فصیح ہوتی تھی، انھیں دیکھ کر اور ان کی گفتگو سن کر لوگ ان کے گرویدہ ہو جاتے تھے،[5]

عبدالمومن کے زمانہ میں ان میں اور مرابطین میں بڑے بڑے معرکے ہوئے اور انھوں نے مغرب سے ان کا خاتمہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی،[6]

مسترشد اور مسعود کی جنگ اور مسترشد کی شکست و گرفتاری

اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سلطان مسعود کی تخت نشینی کے بعد ہی مسترشد نے اس پر فوج کشی کر دی تھی، اس کی تفصیل یہ ہے، کہ طغرل کی موت اور مسعود کی تخت نشینی کے بعد چند سلجوقی امراء جنھوں نے طغرل کی حمایت میں مسعود کی

---

[1] تاریخ الدولتین ص۵ [2] المعجب ص۱۴۷ [3] کتاب المونس ص۱۱ [4] ابن خلکان ج۲ ص۳۸ [5] المعجب ص۱۴۲ [6] یہ حکومت ۵۲۴ھ میں قائم ہوئی اور ۶۶۸ھ میں بنی مرین کے ہاتھوں اسکا خاتمہ ہوا، اس میں گیارہ فرماں روا ہوئے،

زیادہ مخالفت کی تھی، اس کے خوف سے ہمدان چھوڑ کر بغداد چلے گئے تھے مسترشد سلجوقی سلاطین کو دبانے کے لئے ایسے مواقع کا منتظر ہی رہا کرتا تھا، اس نے ان امرار کی بڑی پذیرائی کی انھیں خلعتیں عطا کیں اور مسعود کا خطبہ بند کر کے رجب ۵۲۹ھ میں اس پر فوج کشی کر دی، سلطان مسعود بھی مقابلہ کے لئے نکلا، بمراح میں دونوں کا مقابلہ ہوا، عین موقع پر مسترشد کی فوج کا میسرہ سلطان مسعود سے مل گیا، میمنہ نے مقابلہ کیا، لیکن اسے شکست ہوئی، مسترشد خود میدان جنگ میں موجود تھا، سلجوقی فوجوں نے اسے گھیر کر گرفتار کر لیا، اسکے ساتھ قاضی القضاۃ بغداد اور بہت سے علمار و فقہار اور عباسی امرار اور عمائد گرفتار ہوئے، سلطان نے ان سب کو سرجہان کے قلعہ میں بھجوا دیا، اور مسترشد کو ایک خاص خیمہ میں ٹھہرا کر پہرہ مقرر کر دیا، اور اسکی راحت و آسایش کے جملہ سامان فراہم کر دیئے، پھر چند دنوں کے بعد اسے اپنے ہمراہ ہمدان لے گیا،

مسترشد کی گرفتاری کے بعد مسعود نے امیر آخر بک محمودی کو بغداد کا شحنہ مقرر کیا تھا، اس کے غلاموں نے مسترشد کی کل املاک پر قبضہ کر لیا، اس سے اہل بغداد میں بڑی برہمی پیدا ہو گئی، انھوں نے جامع سلطان کا منبر توڑ ڈالا، اور امام کو خطبہ سے روک دیا، عوام کے جم غفیر نے خاک بہ سر فریاد و فغاں کرتے ہوئے بازاروں کا گشت لگایا، عورتیں سر و پا برہنہ منہ پیٹتی ہوئی گھروں سے باہر نکل آئیں، آخر بک کے آدمیوں اور اہل بغداد میں تصادم ہو گیا، فریقین کے بہت سے آدمی مارے گئے، اور بغداد میں ایک عام ہنگامہ بپا ہو گیا[1]

رہائی اور قتل مسترشد اور مسعود کی جنگ کے زمانہ میں سلطان مسعود کے بھتیجے اور داماد سلطان داؤد نے اس کے خلاف آذربیجان میں علم بغاوت بلند کر دیا تھا، اس لئے ہمدان کی واپسی

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۰۹،

کے بعد ہی مسعود کو آذربیجان جانا پڑا، مسترشد ساتھ ساتھ تھا، اور دونوں میں مصالحت کی گفتگو جاری تھی، سلطان کا مقصد صرف اس کی قوت اور اسکی فوجی سرگرمی کا انسداد تھا، اس لئے حسب ذیل شرائط پر صلح ہوگئی،

(۱) مسترشد سلطان کو سالانہ ایک مقرر رقم ادا کیا کریگا (۲) فوجیں نہ جمع کرے گا، (۳) قصر خلافت سے باہر قدم نہ نکالے گا،

گو یہ شرطیں مسترشد جیسے خلیفہ کے لئے بڑی توہین آمیز تھیں، لیکن بدرجۂ مجبوری اسے ماننا پڑا،[۱]

ایک بیان یہ ہے کہ سلطان سنجر نے مسعود کو حکم دیا کہ وہ مسترشد کو پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ بغداد واپس پہنچا دے اور اس کا جس قدر ساز و سامان لوٹا گیا ہے، سب واپس کیا جائے اور پہلے سے زیادہ خیمہ و خرگاہ خدم و حشم جملہ لوازم شاہی اس کے لئے مہیا کئے جائیں، مسعود کے لئے اس کا حکم ٹالنا ممکن نہ تھا، اس لئے اس کی پوری تعمیل کی،[۲]

لیکن مسترشد کی بدقسمتی سے عین موقع پر جبکہ اس کی روانگی کے جملہ سامان مکمل ہو چکے تھے پہرہ داروں کی غفلت سے باطنیوں کی ایک جماعت اس کے خیمہ میں گھس گئی، اور ذیقعدہ ۵۲۹ھ میں اس کو قتل کر دیا، یہ واقعہ مراغہ میں پیش آیا،

واقعہ قتل کے متعلق دو روائتیں ہیں، ایک جو اوپر مذکور ہوئی، دوسرا بیان یہ ہے کہ اس قتل میں درپردہ سلطان مسعود کا ہاتھ تھا، اس کو مسترشد کے جانب سے اطمینان نہ تھا، اس کی قوت کو وہ خوف و خطرہ کی نگاہ سے دیکھتا تھا، اس لئے ظاہر میں تو بدنامی سے بچنے کے لئے رہا کر دیا، لیکن درپردہ باطنیوں کے ذریعہ قتل کرا دیا،[۳]

---

[۱] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۰ [۲] الفخری ص ۲۸۱ [۳] ایضاً

قتل کے وقت مسترشد کی عمر ۴۳ سال تھی، مدت خلافت سترہ برس چھ مہینے،

اس حادثہ کی خبر بغداد پہنچی تو وہاں صف ماتم بچھ گئی، مرد گریبان چاک پابرہنہ اور عورتیں پریشان مو سر پیٹتی ہوئی گھروں سے باہر نکل آئیں، خود سلطان مسعود نے بڑا غم والم ظاہر کیا،

اوصاف وکمالات مسترشد شجاعت وشہامت، تدبیر وسیاست فضل وکمال، زہد وورع ہر وصف میں کامل تھا، اس نے اپنے شجاعانہ کارناموں سے اپنے نامور اسلاف کی یاد تازہ کر دی اور عباسی خلافت کی مردہ رگوں میں خون زندگی دوڑا دیا،

سیوطی کا بیان ہے کہ وہ ایک عالی ہمت، بہادر، جری، صائب الرائے اور ہیبت وجبروت کا خلیفہ تھا، اس نے خلافت کے پراگندہ نظام کو از سر نو مرتب ومنظم اور اس کا نشان زندہ کیا، اسکی بوسیدہ ہڈیوں میں جان ڈالی، ارکان شریعت کو استوار کیا لڑائیوں میں بہ نفس نفیس نکلتا تھا[1]،

ابن اثیر لکھتا ہے کہ وہ شجاع، بہادر، جری، آگے بڑھنے والا اور عالی ہمت خلیفہ تھا[2]،

سبکی کا بیان ہے کہ اسکی شجاعت وشہامت، ہیبت واقدام آفتاب سے زیادہ روشن اور بدر کامل سے زیادہ نمایاں ہے[3]،

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس نے بنی عباس کے وقار وعظمت کو زندہ اور امور مملکت کو منظم کیا، وہ خود لڑائیوں میں نکلتا تھا[4]،

اس کے پیشرو مدتوں سے محض تخت کی زینت تھے، تلوار ہاتھ میں لینا بھول گئے تھے، مسترشد خود میدان جنگ میں نکلتا تھا، فوجوں کی قیادت کرتا تھا، اور عام سپاہیوں کے دوش بدوش لڑتا تھا، اپنی شجاعت سے اس نے عباسی خلافت کو سلجوقیوں کے پنجۂ استبداد

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۴۴۲ [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۱ [3] طبقات الشافعیہ ج ۴ ص ۲۹۲ [4] دول الاسلام ج ۲ ص ۳۰،

سے آزاد کرایا، اور عراق میں ان کا اثر و اقتدار ختم کر دیا،

علمی حیثیت سے وہ نہ صرف اپنے بہت سے پیشرو خلفاء بلکہ علماء کی جماعت میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا، اسکی علمی سند کے لئے یہ کافی ہے کہ سبکی نے طبقات الشافعیہ میں علماء کے زمرہ میں اس کو شامل کیا ہے، ابو القاسم بن بیان اور عبد الوہاب ہبۃ اللہ سے سماع حدیث کیا تھا، خود اس سے متعدد اہل علم نے حدیث روایت کی ہے[1]، ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ فصیح و بلیغ تھا خط نہایت پاکیزہ تھا، میں نے اسکی تحریر دیکھی ہے، خط کی پاکیزگی اور فصاحت دونوں حیثیتوں سے بہترین تھی[2]

فصاحت و بلاغت کے ساتھ وہ زبان آور خطیب بھی تھا، سیوطی نے اسکی ایک مختصر تقریر نقل کی ہے جو ادب و انشا اور بلاغت کا بہت اچھا نمونہ ہے[3]،

شاعری کا نہایت ستھرا مذاق رکھتا تھا، خود بھی شاعر تھا، اس کی شاعری میں اسکی شجاعت کے اثرات نمایاں ہیں، نمونہ کلام یہ ہے،

انا الاشقر الموعود بی فی الملاحم ومن یملک الدنیا بغیر مزاحم

ستبلغ ارض الروم خیلی وتنتضی باقصی بلاد الصین بیض صوارمی

اسکی گرفتاری کے وقت خود اس کے حسب ذیل اشعار اسکی زبان پر تھے،

ولا عجبا للاسد ان ظفرت بہا کلاب الاعادی من فصیح واعجم

فحربۃ وحشی سقت حمزۃ الردی وموت علی من حسام ابن ملجم

اسکی علم نوازی کی بنا پر علماء نے اس کے نام پر کتابیں تصنیف کیں، چنانچہ امام ابوبکر شاشی نے کتاب العمدہ اسی کے نام پر لکھی تھی، اس کا لقب "عمدۃ الدنیا والدین" تھا[4]،

علم کے ساتھ وہ باعمل بھی تھا، ایوان عیش میں بھی اسکی زندگی زاہدانہ تھی، صوف کے لباس میں

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۴۴۴ [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص [3] تاریخ الخلفاء ص ۴۴۴، [4] ایضاً،

گوشۂ عزلت میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہتا تھا،

اس کے اوقات کا بڑا حصہ عبادت و تلاوت قرآن میں بسر ہوتا تھا، جس دن شہید ہوا اس دن بھی روزے سے تھا، اور تلاوت قرآن میں مشغول تھا[1]،

ملک کا خیر خواہ اور رعایا کے لئے شفیق تھا، ظلم و جور کے انسداد میں اتنا اہتمام تھا، کہ تخت خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی ۵۱۲ھ میں اپنی خاص جاگیر کے علاقوں میں یک قلم ظلم و زیادتی کو موقوف کر دیا، اور عام حکم جاری کر دیا کہ کسی کاشتکار و اجارہ دار سے مقررہ محاصل کے علاوہ کوئی چیز نہ لیجائے، عمرج، سقلاطون اور دوسرے قیمتی کپڑوں کے بنانے والوں اور زرباف سے ٹیکس وصول کرنے میں سرکاری محصل بڑی زیادتیاں کرتے تھے، مسترشد نے یہ ٹیکس ہی سرے سے موقوف کر دیئے[2]،

بغداد کی شہر پناہ انقلابات و حوادث سے بہت بوسیدہ ہو گئی تھی مسترشد نے ۵۱۸ھ میں از سر نو اسکی تعمیر شروع کی اور اس کے مصارف کا بار تمام اہل بغداد پر ڈالا، یہ اُن پر گراں گذرا مسترشد کو معلوم ہوا تو اس نے کل وصول شدہ رقم واپس کر دی، اور عوام کے بجائے عمائد سلطنت سے یہ رقم وصول کی گئی مسترشد کے وزیر احمد بن نظام الملک نے پندرہ ہزار دینار دیئے، اس سے اہل بغداد کو بڑی مسرت ہوئی[3]،

---

[1] طبقات الشافعیہ ج ۴ ص ۲۹۱ و ۲۹۲ [2] ابن اثیر ج ۱۰، ص ۱۹۲ سقلاطون اور عمرج اعلیٰ قسم کے کپڑے تھے اس کی صنعت بغداد میں بڑے فروغ پر تھی [3] تاریخ الخلفاء ص ۴۳۲،

ابو جعفر منصور بن مسترشد الملقب بہ راشد باللہ

۵۲۹ھ تا ۵۳۰ھ مطابق ۱۱۳۴ء تا ۱۱۳۵ء

مسترشد اپنی زندگی میں اپنے لڑکے ابو جعفر منصور الملقب بہ راشد کی ولیعہدی کی بیعت لے چکا تھا، اس کے قتل کے بعد راشد کی بیعت خلافت ہوئی اکیس خلفا زادوں نے بیعت کی، اور رمضان ۵۲۹ھ میں وہ تخت خلافت پر بیٹھا، اس وقت اسکا بیسواں سال تھا،

دبیس کا قتل دبیس کی فتنہ انگیزی سے گذشتہ خلفا اور سلجوقی سلاطین سب تنگ تھے، گو اس میں اور سلطان مسعود میں صلح ہو گئی تھی لیکن سلطان کو اس پر اعتماد نہ تھا، چنانچہ ایک مرتبہ جب وہ سلطان سے ملنے کے لئے گیا، سلطان نے موقع پا کر اس کو قتل کرا دیا، دبیس کے قتل کے بعد اسکی فوج اس کے لڑکے صدقہ کے پاس جمع ہو گئی، سلطان نے اس پر فوج کشی کرنے کا ارادہ کیا، مگر پھر دونوں میں صلح ہو گئی،

سلجوقی شحنہ اور اہل بغداد میں جنگ راشد کی تخت نشینی کے بعد ہی، اس میں اور سلطان مسعود میں مخالفت شروع ہو گئی، اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ مسعود اور مسترشد کے شرائط صلح کی رو سے خلافت بغداد کے ذمہ جو سالانہ مقررہ رقم واجب الادا تھی ۵۳۰ھ میں سلطان مسعود نے اس کی وصولی کے لئے یرنقش زکوی کو بغداد بھیجا، مسترشد کی گرفتاری کے وقت خزانہ لٹ چکا تھا،

۱؎ تاریخ آل سلجوق ص۱۶۳،

لیکن برنقش کو اس کا یقین نہ تھا، اس نے تلاشی لینے کا ارادہ کیا، راشد اس میں مزاحم ہوا، برنقش اور بغداد کے سلجوقی شحنہ یک آبہ نے مل کر قصر خلافت پر حملہ کر دیا، لیکن عباسی فوجوں نے انھیں پسپا کر دیا، وہ مقابلہ کی طاقت نہ پا کر لوٹ گئے، ان کی واپسی کے بعد بغداد کے عوام نے قصر سلطانی کو لوٹ لیا[1]

مسترشد اور سلطان کے درمیان جو واقعات پیش آئے تھے اسی کے اثر سے راشد سلطان سے کشیدہ تھا، قصر خلافت پر حملہ نے اس کو اور زیادہ برہم کر دیا، اور وہ مسعود سے مسترشد کا انتقام لینے کے لئے آمادہ ہو گیا،

سلطان مسعود اور سلجوقی امراء میں مخالفت

اتفاق سے اسی زمانہ میں چند سلجوقی امراء سلطان مسعود کو چھوڑ کر راشد سے مل گئے اس کا سبب یہ ہوا کہ امیر برنقش بازدار سلطان پر بہت حاوی تھا، اس کے سامنے اور کسی امیر کا چراغ نہ جلتا تھا، اس کے اقتدار کو دیکھ کر ایک اور ممتاز امیر قراسنقر نے سلطان کی بیوی کو ہدایا و تحائف دے کر اپنا ہمدرد بنانے کی کوشش کی، بلکہ سلطان کے مزاج میں بہت دخیل تھی، اس لئے برنقش زکوی کو سلطان کی جانب سے خطرہ پیدا ہو گیا، طغرل کے دور میں متعدد امراء، برسقی، قزل، امیر آخر، سنقر اور حیدر وغیرہ جو سلطان مسعود سے خوفزدہ تھے، برنقش کے ساتھ ہو گئے، اور وہ انھیں لیکر سلطان سے الگ ہو گیا، سلطان نے ان پر فوج کشی کر کے شکست دی، اور طغرل کے بہت سے امراء کو گرفتار کر لیا[2]

اس شکست سے برنقش بازدار کی مخالفت اور بڑھ گئی، اور وہ راشد کے پاس بغداد چلا گیا، اور عماد الدین زنگی، برنقش کبیر والی اصفہان، صدقہ بن دبیس، ابن برسقی اور ابن احمدیلی وغیرہ نے بھی اس کا ساتھ دیا، مسعود کا داماد اور بھتیجا داؤد والی آذربیجان بھی بغداد پہنچ گیا، راشد

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۳ و ۱۴ [2] تاریخ آل سلجوق ۱۶۰ [3] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۲،

کے دل میں پہلے سے سلطان سے انتقام لینے کے جذبات پرورش پارہے تھے، ان امراء نے اسکو اور زیادہ آمادہ کر دیا[۱]،

سلطان مسعود اور راشد کی مخالفت عماد الدین زنگی اور داؤد کی شخصیت زیادہ اہم تھی، داؤد سلطان محمود کا لڑکا اور سلجوقی تخت کا اصلی وارث تھا، اور عماد الدین اپنی شجاعت و ناموری کی بنا پر امراء میں امتیازی درجہ رکھتا تھا، راشد نے ان دونوں سے وفاداری کا عہد و پیمان لے کر بغداد میں سلطان مسعود کا خطبہ بند کر کے داؤد کا خطبہ جاری کر دیا، اور عماد الدین کو دو لاکھ دینار فوجی انتظامات کے لئے عطا کئے، اس نے خراسان جاکر ضروری انتظامات کئے، بغداد میں خود مسترشد نے تیاریاں کیں، مسعود کو اس کا علم ہوا تو اس نے قاصد بھیج کر راشد کو راضی کرنے کی کوشش کی اس نے امراء سے مشورہ کیا، ان سب نے مخالفت کی، اور مسعود کا قاصد ناکام واپس گیا[۲]،

بغداد پر سلطان کی فوج کشی اس کوشش میں ناکامی کے بعد مسعود نے بغداد پر فوج کشی کر کے اس کا محاصرہ کر لیا، لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی، اور دو مہینے کے بعد لوٹ گیا، چند دنوں کے بعد امیر طرنطائی والی واسط کی مدد سے دوبارہ فوج کشی کی، راشد بھی مقابلہ کے لئے نکلا، اس مرتبہ اس کے مددگار امراء میں پھوٹ پڑ گئی اور انھوں نے اپنا اپنا راستہ لیا، صرف عماد الدین زنگی ساتھ رہ گیا، راشد اس کے ساتھ موصل چلا گیا، اور ذیقعدہ ۵۳۰ھ میں بغداد پر سلطان کا قبضہ ہو گیا،

بغداد میں داخلہ کے بعد اس نے یہاں کے علماء، فقہا اور قضاۃ و شہود کو جمع کر کے ان کے سامنے راشد کا ایک تحریری حلف نامہ جو اس کے اور راشد کے درمیان ہوا تھا پیش کیا، جس میں اس نے اقرار کیا تھا کہ اگر میں کسی وقت بھی فوجی اجتماع کروں یا بغداد سے باہر نکلوں، یا وابستگان سلطانی پر تلوار اٹھاؤں تو معزول سمجھا جاؤں، یہ حلف نامہ دیکھکر فقہاء نے اسکی

---

[۱] دول الاسلام ذہبی ج ۲ ص ۲۶ [۲] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۴،

معزولی کا فتویٰ دیدیا،[1]

راشد کی معزولی

دوسری روایت یہ ہے کہ مسعود نے راشد کے مظالم، غصب اموال، خونریزی اور شراب نوشی کا ثبوت فراہم کر کے علماء سے استفتار کیا، کہ جس شخص میں یہ عیوب پائے جاتے ہوں کیا اسکی امامت جائز ہے اور فسق کے ثبوت کے بعد سلطان وقت کو اسکا حق حاصل ہے کہ وہ ایسے شخص کو معزول کر کے کسی دوسرے شخص کو خلیفہ بنائے، اور قاضی بغداد ابو طاہر بن کرخی کے سامنے راشد کے فسق کی شہادتیں پیش کر کے ان سے اس کی معزولی کا فتویٰ حاصل کرلیا اور ذیقعدہ ۵۳۰ھ میں اسکو معزول کر دیا، اس کی مدت خلافت ۱۱ مہینے تھی،

راشد کو مسترشد کے اوصاف سے کوئی مناسبت نہ تھی، لیکن وہ ان سے یکسر محروم بھی نہ تھا، سیوطی کا بیان ہے کہ راشد فصیح و بلیغ تھا، ادیب و شاعر تھا، شجاع و بہادر تھا، فیاض و سیرچشم تھا، نیک سیرت تھا، برائیوں کو ناپسند کرتا تھا،[2]

سلطان مسعود کے محضر اور اس کی پیش کردہ شہادتوں سے راشد کی جو تصویر ذہن میں آتی ہے وہ صحیح نہیں ہے، مسعود اور راشد کی مخالفت، راشد کی شجاعت و حوصلہ مندی کا ثبوت ہے، کوئی معمولی حوصلہ و ہمت کا خلیفہ سلطان کی مخالفت کی جرأت نہ کر سکتا تھا، اور نہ سلطان کو کسی بے ضرر خلیفہ کو معزول کرنے کی ضرورت پیش آتی، پھر سلاطین کو خلفاء کی دینی و اخلاقی حیثیت سے بحث ہی نہ تھی، وہ صرف اپنے مصالح کی بناء پر ان کے سیاسی حالات پر نگاہ رکھتے تھے، اور خلافت کی اہلیت و نااہلیت کے بارہ میں ان کا معیار سیاست تھا نہ کہ مذہب، مسترشد کے ساتھ جو مسلمہ طور پر بڑا دیندار اور عابد و زاہد تھا سلطان مسعود نے جو کچھ کیا اسکی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، باقی سلطان مسعود جیسے بادشاہ کیلئے راشد کے خلاف شہادتیں فراہم کرلینا کوئی دشوار کام نہ تھا، یہ بھی قابل غور ہے کہ راشد کو کل دس گیارہ مہینے حکومت کا موقع ملا اس قلیل مدت میں وہ عقلاً بھی اتنی بے عنوانیاں نہیں کر سکتا تھا،

۱؎ ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰،
۲؎ تاریخ الخلفاء ص ۴۳۲،
۳؎ ایضاً ص ۴۴۳،

ابوعبداللہ محمد بن مستظہر الملقب بہ مقتفی لامراللہ

سنہ ۵۳۰ھ تا سنہ ۵۵۵ھ مطابق سنہ ۱۱۳۵ء تا سنہ ۱۱۶۰ء

راشد کی معزولی کا واقعہ بالکل غیر متوقع پیش آیا تھا، اس وقت تک اس نے کسی کو ولیعہد نہیں بنایا تھا، سلطان مسعود نے اسکی معزولی کے بعد، امراء کے مشورہ سے اس کے چچا ابوعبداللہ محمد بن مستظہر کو جو خاندان میں سب میں ممتاز تھا، عہد و پیمان کرکے خلیفہ بنایا، اور ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کی بھی تعیین کر دی[1]، سلطان کو مسترشد اور راشد کی آزادی کا تجربہ ہو چکا تھا اسلئے آیندہ اس قسم کے خطرات سے بچنے کے لئے یہ شرط بھی کر لی کہ ابوعبداللہ دارالخلافت میں سفر اور نقل و حرکت کا کوئی سامان نہ رکھے گا، ذی الحجہ سنہ ۵۳۰ھ[2] میں ابوعبداللہ تخت خلافت پر بیٹھا، اور مقتفی لامراللہ لقب اختیار کیا، اس وقت چالیس سال کی عمر تھی،

سیوطی کا بیان ہے کہ مسعود نے دارالخلافت کے تمام جانوروں اثاث البیت طلائی و نقرئی سامانوں خیمہ و خرگاہ سراپردۂ شاہی وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور چار گھوڑوں آٹھ خچروں اور مقتفی کے خالصہ کے علاوہ کوئی چیز اس کے پاس نہ رہنے دی، پھر چند دنوں کے بعد اس سے ایک لاکھ دینار کا مطالبہ کیا، مقتفی نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ تمہارا یہ مطالبہ کس قدر حیرت انگیز ہے تمکو معلوم ہے کہ مسترشد تمہارے مقابلہ میں جاتے وقت کل خزانہ ساتھ لیتا گیا تھا، اس کے ساتھ

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۷ [2] دول الاسلام ذہبی ج ۲ ص ۳۷

جو پیش آیا وہ معلوم ہے، اس سے جو بچ رہا تھا وہ راشد ساتھ لے گیا تھا، اس کا حشر بھی نگاہوں کے سامنے ہے، اس کے بعد دارالخلافہ میں صرف ساز و سامان باقی رہ گیا تھا، اس پر تم نے قبضہ کر لیا، ٹکسال، تبرکات اور جوالی کی آمدنی تک تم نے لے لی، اب میرے پاس کیا ہے جو تمہاری فرمائش پوری کی جائے، صرف یہی ایک صورت باقی رہ گئی ہے، کہ دارالخلافہ تمہارے حوالہ کر کے کہیں چلا جاؤں، یہ میں نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں سے ایک حبہ بھی ظلم و جور سے نہ لونگا، یہ جواب سن کر سلطان نے اسے چھوڑ دیا، اور اس کے بجائے بغداد کے صاحب جائداد امرا اور تاجروں سے روپیہ وصول کیا[1]

لیکن مقتفی نہایت دلیر، عالی دماغ اور باجبروت خلیفہ تھا، یہ پابندیاں اس کی راہ میں حائل نہ ہو سکیں اور رفتہ رفتہ اس نے اپنے تدبر سے خلافت بغداد میں سلجوقیوں کی مداخلت بالکل ختم کر دی، اور اس کی تخت نشینی کے چند ہی دنوں کے بعد سلطان مسعود کو خلافت کا نظام اور تبرکات کی آمدنی اس کے حوالہ کر دینی پڑی[2] اسکی تفصیل آئندہ آئے گی،

راشد کی واپسی کی کوشش اور اسکا قتل

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ راشد عماد الدین زنگی کے ساتھ موصل چلا گیا تھا، ۵۳۲ھ میں یہاں سے سلطان داؤد کے پاس مراغہ چلا گیا، اس کے مراغہ جانے کے بعد امیر منکبرس والی فارس، اس کا نائب بوزابہ، سلطان مسعود کا حاجب عبد الرحمن طغایرک وغیرہ بہت سے امرا جو سلطان کے خلاف تھے مراغہ پہنچے اور سلطان کے مقابلہ میں راشد کی مدد کے لئے تیار ہو گئے، لیکن سلطان نے ان کو شکست دے کر منکبرس کو قتل کر دیا، مسعود کی فوجیں لوٹ میں مشغول ہو گئیں، امیر بوزابہ اور عبد الرحمن نے پلٹ کر حملہ کر دیا، سلجوقی فوجیں منتشر تھیں، اس لئے مسعود شکست کھا گیا، اور بوزابہ نے اس کے بہت سے امراء کو گرفتار کر کے قتل کر دیا[3]

سلطان مسعود کی شکست کے بعد بوزابہ فارس چلا گیا، اور راشد و داؤد اتسز بن محمد خوارزم شاہ

---

[1] تاریخ الخلفاء ص۴۳۲، [2] ایضاً [3] تاریخ دولت آل سلجوق ص۱۹۸ و ابن اثیر ج ۱۱ ص۲۳،

کو ساتھ لے کر ہمدان ہوتے ہوئے عراق کی طرف بڑھے، سلطان مسعود انہیں روکنے کے لیے پہنچا، اسے دیکھ کر اتسز خوارزم چلا گیا اور داؤد نے فارس کی راہ لی، راشد مایوس ہو کر اصفہان لوٹ گیا، اور چند دنوں کے بعد رمضان ۵۳۲ھ میں خود اس کے خراسانی غلاموں نے اسکو قتل کر دیا، اور وہ اصفہان میں سپرد خاک کیا گیا۔[1]

خوارزمی حکومت کا قیام

آئندہ جا بجا خوارزمی حکومت اور اس کے فرمانرواؤں کے حوالے آئیں گے اسلئے اس کے قیام کے مختصر حالات سن لینے چاہئیں، یہ حکومت صوبہ خوارزم میں قائم ہوئی، اسکی ابتدائی داغ بیل مستظہر کے عہد میں پڑ چکی تھی، لیکن حکومت کی شکل اس نے مقتفی کے زمانہ میں اختیار کی، اس کا بانی اتسز ابن محمد الملقب بہ خوارزم شاہ ہے، اس کا دادا انوشتگین غراچہ ملک شاہی امیر بلکاتگین کا غلام تھا انوشتگین عاقل و فہیم تھا، اس لئے بلکاتگین کی موت کے بعد ملک شاہ نے اس کو خوارزم کا شحنہ بنایا تھا انوشتگین کے بعد سلطان برکیارق نے سلطان سنجر کے مشورہ سے ۴۹۱ھ میں اس کے ہونہار اور لائق فرزند محمد کو اس منصب پر مامور کیا، اور خوارزم شاہ لقب دیا، اس نے تیس سال تک بڑی وفاداری اور دلسوزی سے اپنے فرائض انجام دیئے اور سلجوقی سلاطین کا وفادار رہا۔[2]

اس زمانہ میں خراسان میں سلطان سنجر کی حکومت قائم ہو چکی تھی، محمد نے اپنی کارگذاری اور حسن خدمت سے سلطان سنجر کے مزاج میں بڑا رسوخ اور اعتماد حاصل کر لیا تھا،[3] ۵۲۱ھ میں اس کا انتقال ہو گیا،

اتسز بن محمد خوارزم شاہ

امیر محمد کی وفاداری اور حسن خدمات کی بنا پر سلطان سنجر اس کے لڑکے اتسز کو بھی بہت مانتا تھا، چنانچہ محمد کی موت کے بعد اتسز کو خوارزم کی حکومت عطا کی، اسے بھی شروع میں سلطان کے مزاج میں بڑا رسوخ حاصل رہا، اس کے دربار میں کسی امیر کو اتنا اعزاز حاصل نہ تھا،

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۳، [2] تاریخ گزیدہ ج اول ص ۴۸۶ و ۴۸۷، [3] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۹۳،

اس سے دوسرے امراء کو رشک پیدا ہوا، انھوں نے سلطان اور اتسز کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا کر بدگمان کر دیا اور ۵۳۳ھ میں اتسز نے سلطان کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا[1]،

ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ اپنی حکومت قائم کرنے کے منصوبے ہی میں تھا کہ سلطان کو اطلاع ہو گئی، اس نے فوج کشی کر کے اس کو خوارزم سے نکال دیا، اور اپنے بھتیجے سلیمان شاہ کو وہاں کا حاکم بنایا، اس میں حکومت سنبھالنے کی اہلیت نہ تھی، اس لئے اتسز نے دو ہی سال بعد ۵۳۵ھ میں پھر خوارزم پر قبضہ کر لیا[2]،

اتسز اور سلطان سنجر کی جنگ میں اتسز کا ایک لڑکا مارا گیا تھا اسکے انتقام میں اس نے ترکستان کے غیر مسلم خطائیوں کو سلطان سنجر کے خلاف کھڑا کر دیا، اور ۵۳۶ھ میں کئی لاکھ وحشی خطائی ماوراء النہر کے علاقہ پر ٹوٹ پڑے، سلطان کو بڑی فاش شکست ہوئی اور اس کے بے شمار آدمی قتل و گرفتار ہوئے، جن میں بہت سے علماء و فقہا تھے، خود سلطان کی حرم اسیر ہوئی، اور اس کا کل خزانہ برباد ہو گیا، اور ماوراء النہر کا علاقہ اس کے ہاتھوں سے نکل گیا،

دوسری طرف سلطان کی شکست کے بعد خود اتسز خراسان پہنچا، اور وحشیانہ قتل و غارت اور خونریزی سے اس کو ویران کر ڈالا، وہاں کے بڑے بڑے علماء اور ارباب کمال کو خوارزم لے گیا، البتہ نیشاپور یہاں کے علماء و مشائخ کی سفارش سے قتل و غارت کی مصیبت سے بچ گیا، لیکن اتسز نے سلجوقی حکومت کے تمام متعلقین کی املاک پر قبضہ کر لیا اور سلطان سنجر کا خطبہ بند کر کے اپنے نام کا خطبہ جاری کیا، مگر پھر چند دنوں کے بعد اہل نیشاپور کی مخالفت سے ڈر کر سلطان سنجر کا خطبہ جاری کر دیا[3]،

گو اس وقت سلطان سنجر کی شکست سے اتسز کو آزادی مل گئی تھی، لیکن خراسان میں اسکا

---

[1] تاریخ گزیدہ ج اول ص ۴۹۳ [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۶ و تاریخ گزیدہ ص ۴۹۴ [3] ابن اثیر و تاریخ گزیدہ وغیرہ نے اسکی بڑی تفصیلات لکھی ہیں، ہم نے صرف خلاصہ نقل کیا ہے

مستقل قیام ممکن نہ تھا اس لئے سنجر کی واپسی کے بعد اس نے خراسان چھوڑ دیا، اور سلطان سے تعلق منقطع کر کے خوارزم میں مستقل حکومت قائم کر لی،

سلطان اپنی شکست کے اثرات سے دو سال تک اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکا، ۵۳۸ھ میں اس نے خوارزم پر فوج کشی کی، اتسز قلعہ بند ہوگیا، شہر بہت سنگین اور مدافعت کا سامان بہت مکمل تھا، اس لئے سلطان کو کامیابی نہ ہوئی اور وہ لوٹنے کا قصد کر رہا تھا کہ خود اتسز نے آئندہ فوج کشی کے خطرہ سے بچنے کے لئے اطاعت قبول کر لی، سلطان نے بھی درگذر سے کام لیا[1] لیکن چند دنوں کے بعد پھر باغی ہوگیا، اس لئے ۵۴۲ھ میں پھر سلطان نے فوجکشی کی، اتسز میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس نے خوارزم کے علماء و مشائخ کو درمیان میں ڈالا، سلطان ہر چند اس کی بار بار کی بغاوت سے تنگ آچکا تھا، لیکن علماء و مشائخ کی سفارش کو رد نہ کر سکا، اور آئندہ خطرہ کے انسداد کے لئے تیس ہزار سالانہ فوجی اخراجات کے لئے مقرر کر کے لوٹ گیا، اس کے بعد پھر اتسز کی جانب سے بغاوت کا ظہور نہ ہوا[2]

اس کے چند برسوں کے بعد ۵۴۸ھ میں خراسان پر غزوں کا ایسا سخت حملہ ہوا کہ خراسان بالکل زیر و زبر ہوگیا اور اتسز کو اپنی حکومت مضبوط کرنے کا موقع مل گیا، ۵۵۱ھ میں تیس سال کی حکومت کے بعد اتسز کا انتقال ہوگیا،

ایل ارسلان خوارزم شاہ اتسز کے انتقال کے بعد ۵۵۱ھ میں اس کا لڑکا ایل ارسلان جانشین ہوا، اس کے زمانہ میں سلطان سنجر کا انتقال ہوگیا، اور خراسان کا نظام درہم برہم ہوگیا، اس لئے ایل ارسلان نے مستقل آزاد حکومت قائم کر لی، جو ساتویں ہجری کے وسط تک قائم رہی[3]

---

۱ ابن اثیر ج ۱۱ ص ۳۳ ۲ تاریخ گزیدہ ص ۴۸۶ ۳ ایضاً ص ۴۹۰، اس میں چھ فرمانروا ہوئے، اتسز بن محمد، ایل ارسلان بن اتسز، محمود بن ایل ارسلان، علاء الدین تکش بن ایل ارسلان، علاء الدین بن تکش، جلال الدین بن علاء الدین۔

تاتاریوں کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا،

سلطان مسعود کے خلاف امراء کی بغاوت واطاعت

سلطان مسعود کے خلاف، امیر بوزابہ اور عبدالرحمٰن بن طغایرک حاجب کی بغاوت کا حال اوپر گذر چکا ہے، ایک اور امیر عباس والی رے بھی ان کے ساتھ ہو گیا، اور انھوں نے سلطان کے بھائی سلیمان اور اس کے بھتیجوں ملک محمد اور ملک شاہ کو ملا کر ۵۴۱ھ میں ہمدان پر فوج کشی کر دی، سلطان اس وقت بغداد میں تھا، اطلاع پاتے ہی فوراً واپس آیا اور امیر جاولی والی آذربیجان کو ساتھ لے کر مقابلہ کے لئے نکلا، جاولی نے حسن تدبیر سے سلیمان شاہ کو الگ کر لیا، اس کے علیحدہ ہو جانے کے بعد بوزابہ نے ہمدان چھوڑ دیا اور عبدالرحمٰن و عباس نے سلطان کی اطاعت قبول کر لی،

اس خدمت کے صلہ میں سلطان نے امیر جاولی کی بڑی عزت افزائی کی، اس کے مراتب بڑھائے اور باغی امراء کو بھی مخالفت سے روکنے کے لئے ان کی تالیف قلب کی، چنانچہ امیر عبدالرحمٰن کے لڑکے کو اتابک کا منصب گنجہ اور اران کی حکومت عطا کی بوزابہ کا خطا بھی معاف کر دی، وہ ملک محمد کو ساتھ لیکر سلطان کے پاس چلا آیا، راحۃ الصدور کا بیان ہے کہ سلطان نے اپنی بیوہ لڑکی گوہر خاتون کا عقد محمد کے ساتھ کر کے اس کو اپنا ولیعہد بنا دیا، اور بوزابہ کو اس کا اتابک مقرر کیا،[1]

ان کا قتل اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد امیر جاولی کا انتقال ہو گیا، اس کی موت کے بعد امیر عبدالرحمٰن نے آذربیجان اور ایران کی حکومت حاصل کر لی، سلطان کو امیر جاولی سے بڑی تقویت حاصل تھی، اس کی موت سے اس کا بازو ٹوٹ گیا، اور عبدالرحمٰن، عباس اور بوزابہ سلجوقی حکومت پر حاوی ہو گئے، اور اس کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا، سلطان ان کی

[1] راوندی نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے، ہم نے خلاصہ نقل کیا ہے، دیکھو ص ۲۳۳ تا ۲۳۶،

مخالفت نہیں کر سکتا تھا، اس لئے چار و ناچار اسے ماننا پڑا، انھوں نے سلطان کے وزیر جمال الدین کو معزول کرکے تاج الدین کو جو ان کے اغراض کے لئے زیادہ مفید تھا وزیر بنایا[1]

گو عبد الرحمن، عباس اور بوزابہ بظاہر سلطان کے مطیع ہو گئے تھے لیکن دل میں سب اس کے خلاف تھے، سلطان اس سے خوب واقف تھا لیکن بے بسی نے خاموش کر رکھا تھا امیر عبد الرحمن آذربیجان جاتے وقت سلطان کے ایک معتمد علیہ غلام خاص بک کو جس کی جانب سے مخالفت کا خطرہ تھا اپنے ساتھ لیتا گیا تھا، سلطان نے اس کو خفیہ ہدایت کر دی تھی کہ وہ موقع پاتے ہی عبد الرحمن کا کام تمام کر دے چنانچہ اس نے ایک دن جبکہ عبد الرحمن کسی مہم کے تیاری کے سلسلہ میں فوجوں کا معائنہ کر رہا تھا، اسے قتل کر دیا[2]

سلطان مسعود اس زمانہ میں بغداد میں تھا، امیر عباس اس کے ساتھ تھا، عبد الرحمن کے قتل کی اطلاع پاکر سلطان نے عباس کو بھی قتل کرا دیا، اور انکے تیسرے حلیف امیر بوزابہ کے پاس کہلا بھیجا کہ تم کو اپنے حلیفوں کے انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہئے، اس نے جوش انتقام میں ملک محمد کو اصفہان لیجا کر تخت نشین کر دیا، اور ہمدان کی طرف بڑھا، سلطان کو خبر ہوئی تو وہ بغداد سے واپس آیا، اس دوران میں امیر خاص بک بھی سلطان کی مدد کے لئے پہنچ گیا، بوزابہ نے بڑی شجاعت سے مقابلہ کیا لیکن عین میدان جنگ میں گھوڑے سے گر پڑا، اور گرفتار کرکے سلطان کے سامنے پیش کیا گیا، اس نے قتل کرا دیا، اور تین بڑے دشمنوں سے اس کو نجات مل گئی، اس خدمت کے صلہ میں سلطان کی توجہ خاص بک کیجانب بہت بڑھ گئی اور اس کو امیر الامرا بنایا[3]

بغداد پر سلجوقی امراء کا حملہ	امیر خاص بک کی ترقی اور اس کا اعزاز ایک نئے فتنہ کا سامان بن گیا، دوسرے سلجوقی امرا سلطان کے خلاف ہو گئے، چنانچہ امیر شمس الدین ایلدکز، والی گنجہ، امیر قیصر

---

[1] تاریخ دولت آل سلجوق ص ۱۹۵ [2] ایضاً ص ۱۹۶ [3] راحۃ الصدور ص ۲۴۱ و ۲۴۲

امیر برنقش، تاتار حاجب وغیرہ سلطان کو چھوڑ کر ۵۴۳ھ میں بغداد چلے گئے، ان کی آمد سے عراق میں بڑا اضطراب پیدا ہوگیا، مقتفی نے انہیں روکنے کی کوشش کی لیکن وہ باز نہ آئے اور بغداد پہنچ کر اس کا محاصرہ کرلیا، اہل بغداد نے عباسی فوجوں کے ساتھ مل کر مدافعت کی، سلجوقی امرا انہیں دھوکا دینے کیلئے ایک دن پیچھے ہٹ گئے، بغدادی ان کے تعاقب میں دور تک نکل گئے، اس وقت سلجوقیوں نے پلٹ کر حملہ کردیا بغدادی اس حملہ کو نہ سنبھال سکے، اور سلجوقیوں نے انہیں بیدریغ قتل وگرفتار کیا، ہزاروں بغدادی مارے گئے اور سلجوقیوں نے بغداد میں گھس کر دولت مندوں سے زبردستی روپیہ وصول کیا، عورتوں کو قید کیا، اور دجیل کو لوٹ لیا،

ابن اثیر کا بیان ہے کہ قتل وغارت کرنے کے بعد مقتفی سے معذرت کرکے لوٹ گئے[1]، عماد الدین اصفہانی لکھتا ہے کہ مقتفی کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر انہیں تیس ہزار اشرفیاں دیدی جائیں تو وہ لوٹ جائیں گے، مقتفی نے ارکان دولت کے مشورے سے انہیں روپیہ دینے کے بجائے اس کے صرف سے ایک نئی فوج تیار کرکے بزور شمشیر ان کو بغداد سے نکالا[2]،

سلطان مسعود کے چچا سنجر کو ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے خاص بک کو سرچڑھانے پر مسعود کو بڑی ملامت کی اور اس کی تادیب کے لئے خود رے گیا، مسعود نے اس موقع پر دانشمندی سے کام لیا، اور سلطان کی خدمت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، خاص بک نے علٰحدہ سلطان سنجر کے لئے قیمتی ہدایا اور لوازم میزبانی بھیجے، سلطان سنجر مسعود کی اس سعادتمندی سے بہت خوش ہوا، اور اس کی سفارش سے خاص بک سے بھی راضی ہوگیا اور اٹھارہ دن رے میں قیام کے بعد خراسان واپس گیا،

مسعود کی وفات ایک مختصر علالت کے بعد رجب ۵۴۷ھ میں سلطان مسعود نے وفات پائی، اس وقت کل ۴۵ سال کی عمر تھی، مدت حکومت اٹھارہ سال،

---

۱ ابن اثیر ج ۱۱ ص ۵
۲ تاریخ دولت آل سلجوق ص ۲۰۳،

گو سلطان مسعود کا قریب قریب پورا زمانہ شورش و انقلاب میں گذرا، لیکن وہ سلجوقی دولت کا آخری پاسبان و محافظ تھا، اس کے بعد اس جلیل القدر خاندان کی عظمت و شان ختم ہو گئی، راوندی کا بیان ہے کہ وہ بڑا قوی ہیکل اور توانا تھا، اس قد و قامت اور جسمانی قوت کا کوئی فرماں روا سلجوقی خاندان میں نہ گذرا تھا، وہ تختِ سلطنت اور میدانِ جنگ دونوں میں مبارک قدم تھا، طبعاً خوش مزاج، خوش باش، اور ظریف الطبع تھا، اس کے زمانہ میں نعمتوں کی فراوانی اور خلق آسودہ حال تھی رعایا کو راحت و امن حاصل تھا، وہ علم دوست، درویش نواز، عدل پرور، ظلم و جور سے دور اور جہل اور نادانی کی باتوں سے نفور رہتا تھا، اس کی زندگی سادہ اور سپاہیانہ تھی، عیش و تنعم کے سامانوں سے ہمیشہ مجتنب رہا، سیر و شکار سے زیادہ دلچسپی تھی، شیر کے شکار میں بڑی مہارت رکھتا تھا، میدان جنگ میں خود دست بدست لڑتا تھا، فیاض و سیر چشم ایسا تھا کہ ہمیشہ خزانہ خالی رہا،[1]

ابن اثیر کا بیان ہے کہ سلطان خوش خلق، ظریف الطبع، رعایا پرور اور اس کے مال کے بارہ میں محتاط تھا، اپنی سیرت، نرمی اور خوش اخلاقی کے لحاظ سے صالح ترین حکمرانوں میں تھا، اس کے مناقب بہت ہیں،[2]

عماد الدین اصفہانی لکھتا ہے کہ اس کو اپنی اقبال مندی پر بڑا اعتماد تھا، سیاسی چالبازیوں کی طرف کم توجہ کرتا تھا، برائیوں پر بھی چشم پوشی سے کام لیتا تھا، کسی کی جانب سے کینہ نہیں رکھتا تھا، اپنے خواص اور معتمد علیہ اشخاص کے بارہ میں کسی کی شکایت کی جانب کان نہیں دھرتا تھا، لیکن ان اوصاف کے ساتھ سفلہ پرور تھا،[3]

سلطان ملک شاہ بن محمود

سلطان مسعود کے بعد سلجوقی امراء نے رجب ۵۴۷ھ میں اس کے بھتیجے ملک شاہ بن محمود کو تخت نشین کیا، یہ بڑا عیش پرست اور غافل فرماں روا تھا،

۱ راحۃ الصدور ص ۲۲۵ و ۲۲۶ ۲ ابن اثیر ج ۱۱ ص ۶۰ ۳ تاریخ دولت آل سلجوق ص ۲۱۷،

شراب وکباب میں مست رہتا تھا، جمال نام ایک عورت پر فریفتہ تھا، اسی کے اشاروں پر چلتا تھا، اس لئے اس کی حکومت زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی،

سلطان مسعود کی وفات کی خبر سن کر بغداد کا سلجوقی شحنہ مسعود بلال مقتفی کے خوف سے تکریت بھاگ گیا تھا، مقتفی نے بغداد کے تمام سلجوقی امراء کے گھروں کی تلاشی دے کر ان کے مال متاع پر قبضہ کر لیا، اور ان کو شراب سے پاک و صاف کیا،

مسعود نے تکریت جانے کے بعد حلہ پر قبضہ کر لیا، مقتفی نے عون الدین بن ہبیرہ کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا، اس نے مسعود کو حلہ سے نکالا، اور کوفہ اور واسط پر قبضہ کیا، اس درمیان میں سلجوقی فوجیں عباسی فوجوں کے مقابلہ کے لئے پہنچ گئیں، ان کے آنے کے بعد عباسی فوجوں نے واسط چھوڑ دیا، مقتفی کو خبر ہوئی تو وہ خود سلجوقیوں کے مقابلہ کے لئے نکلا، اسے دیکھ کر وہ لوٹ گئے، اور مقتفی حلہ ہوتا ہوا بغداد واپس گیا[1]

ملک شاہ کی گرفتاری اور معزولی	ملک شاہ بدستور اپنی رنگ رلیوں میں منہمک تھا، امراء کو ملکی اور مالی کاموں کا موقع ملتا، حکومت پر خاص بک حاوی ہو گیا تھا، اس کے استبداد سے سلجوقی امراء سخت

نالاں تھے، ملک شاہ بھی اس سے خوش نہ تھا، اور اس کو گرفتار کرنے کی فکر میں تھا، اس لئے خاص بک نے اس کی نااہلی کی وجہ سے امراء کو اس کی معزولی پر آمادہ کر لیا، اور اسکو دعوت کے بہانہ سے ایک امیر جاندار کے گھر بلا کر مع اس کی محبوبہ جمال کے گرفتار کر لیا، اور مرج ہمدان میں قید کر دیا،[2]

اسکی مدت حکومت کل سات مہینہ تھی،

سلطان محمد بن محمود	اس کو معزول کرنے کے بعد امیر خاص بک کی نیت میں فتور آگیا، اس نے

خود تاج و تخت پر قبضہ کرنا چاہا، اس کو ملک شاہ کے بھائی سلطان محمد کی جانب سے جو خوزستان

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۹، [2] راحۃ الصدور ص ۲۴۵ و ۲۵۰ و تاریخ دولت آل سلجوق ص ۲۵۰،

میں موجود تھا مخالفت کا خطرہ تھا، اس کو تخت نشین کرنے کے بہانے سے بلا بھیجا، امیر جمال الدین نے جسکو لانے کیلیے بھیجا گیا تھا، سلطان محمد کو خاص بک کی نیت سے آگاہ کر کے تاکید کر دی کہ اگر وہ ہمدان پہنچنے کے ساتھ ہی خاص بک کو نہ گرفتار کر لیگا تو سلطان محمد کا وہی حشر ہوگا، جو اس کے بھائی ملک شاہ کا ہو چکا ہے، چنانچہ ہمدان پہنچنے کے دوسرے ہی دن جب امرا سلطان محمد کے سامنے باریاب ہو رہے تھے، خاص بک اور امیر جاندار جس کے گھر میں سلطان ملکشاہ کو گرفتار کیا گیا تھا دونوں پکڑ کر قتل کر دیئے گئے،[1]

خاص بک ترکی غلام تھا، سلطان مسعود کی نظر توجہ نے اسے امیر الامرائی کے درجہ تک پہنچا دیا، سلطان محمد کے زمانہ میں حکومت کا مختار کل بن گیا، اس نے بے اندازہ دولت اور مختلف قسم کے ساز و سامان جمع کئے تھے، اس کے بعد اس کے توشہ خانہ میں ایکہزار معمولی اور سات سو اطلس کی پوشاکیں نکلی تھیں لیکن قتل کے وقت کفن تک میسر نہ آیا،

خراسان پر غزوں کی یورش اور اس کی تباہی

سلطان محمد کی تخت نشینی کے بعد ہی ۵۴۸ھ میں وحشی غزوں کے ہاتھوں سلطان سنجر کی شکست و گرفتاری اور خراسان کی تباہی کا واقعہ پیش آیا، غز ترکستان کے نومسلم وحشی قبائل تھے، خطائیوں نے ماوراء النہر پر قبضہ کے بعد ان کو وہاں سے نکال دیا تھا اور وہ بلخ میں سلطان سنجر کے زیر سایہ آباد ہو گئے تھے اور اس کے معاوضہ میں شاہی مطبخ کے لئے چار ہزار بکریاں سالانہ بطور خراج دیتے تھے، سلطانی تحصیلدار ان سے رشوت لینے کے لئے انھیں بہت ستاتے تھے اور ان کی بڑی تذلیل و تحقیر کرتے تھے، انھوں نے تنگ آکر ایک تحصیلدار کو مار ڈالا،

بلخ کے سلجوقی حاکم امیر اسفہسلار قماج نے سلطان سے شکایت کی کہ غزوں کی قوت

---

[1] راحۃ الصدور ص ۲۵۹ و ۲۶۰

بہت بڑھ گئی ہے، اگر ان کا انتظام میرے متعلق کر دیا جائے، تو میں ان کی قوت توڑ کر ان سے چار ہزار بکریوں کے بجائے تیس ہزار وصول کیا کروں، قماج کی خواہش پر سلطان نے غزوں کا انتظام اس کے متعلق کر دیا، اس نے غزوں سے معقول تحصیلدار کا خرچہ طلب کیا، انھوں نے جواب دیا کہ ہم براہ راست سلطان کی رعایا ہیں، اس کے علاوہ اور کسی کی حکومت قبول نہیں کر سکتے اور قماج کو ذلت کے ساتھ واپس کر دیا، قماج نے ان پر حملہ کر دیا، غزوں نے اسے شکست دی اور قماج اور اس کا لڑکا دونوں قتل ہوئے[1]۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ قماج کو شکست ہوئی لیکن وہ خود زندہ بچ گیا، اور غزوں نے بلخ کی آبادی کو بے دریغ قتل و گرفتار کیا، اور لوٹ کر اس کو ویران کر ڈالا، بہت سے علماء و فقہا قتل کئے اور مدرسے ویران ہو گئے[2]،

غزوں کی اس وحشت و درندگی پر خود سلطان ان کی تنبیہ کے لئے نکلا، اس وقت غزوں کو ندامت ہوئی، انھوں نے سلطان کو راضی کرنے کی کوشش کی اور اسے اپنی بے گناہی کا یقین دلایا، کہ وہ قماج کی زیادتیوں سے تنگ آکر اپنی حفاظت کے لئے جنگ پر مجبور ہو گئے تھے، ورنہ وہ بدستور سلطان کی اطاعت پر قائم ہیں، ان کی تاخت و تاراج سے جو نقصان پہنچا تھا، اس کے تاوان میں بڑی مقدار میں چاندی پیش کرنے کا وعدہ کیا، سلطان ان کی معذرت قبول کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا، لیکن امراء نے اسکو مجبور کیا اور کہا اگر اسوقت انکی پوری تنبیہ نہ کی گئی تو ان کی خیرہ سری اور بڑھ جائیگی، ان کے اصرار پر سلطان نے غزوں کی اطاعت قبول نہ کی، دونوں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی، سلطان نے بڑی فاش شکست کھائی اور مع امرا کے گرفتار ہوا، غزوں نے امراء کو اسی وقت قتل کر دیا، اور سلطان کو نام کے لئے تخت پر قائم

---

[1] راحۃ الصدور ص ۱۷۷، ۱۸۰، [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۶۷؛

رکھا، لیکن اختیارات تمام اپنے ہاتھوں میں لے لئے، اور سلطان کی حیثیت ایک معزز قیدی کی ہو گئی۔

سلطان کو شکست دینے کے بعد غزوں کا ٹڈی دل خراسان پر ٹوٹ پڑا، اور مرو، طوس، نیشاپور وغیرہ تمام بڑے بڑے شہروں کو لوٹ کر ویران کر ڈالا، اور ان کی ساری دولت پر قبضہ کر لیا، اصحاب ثروت کو طرح طرح کی اذیتیں دے کر ان سے دولت وصول کرتے تھے، بلا امتیاز مرد، عورت، بچے علماء مشائخ اور عام آبادی کو بے دریغ قتل کرتے تھے، عوام کے علاوہ ہزاروں بڑے بڑے علماء و مشائخ مارے گئے، مدرسے اور کتب خانے تباہ ہو گئے، اور سارے خراسان میں خاک اڑنے لگی، مورخین نے اس کی بڑی طویل تفصیلات لکھی ہیں۔[1]

سلطان سنجر غزوں کے ہاتھوں میں اسیر تھا، خراسان کے سلجوقیوں کا کوئی مرکز نہ رہ گیا تھا، اس لئے بقیۃ السیف سلجوقی امراء نے غزوں کے مقابلہ کے لئے سلطان کے بھتیجے سلیمان شاہ کو بادشاہ بنایا، اس میں کوئی اہلیت نہ تھی، اس لئے غزوں کا طوفان نہ رکا، سلیمان شاہ کا سہارا تمامتر اس کے وزیر ابو علی بن طاہر تھا، اس کا انتقال ہو گیا، اس لئے سلیمان شاہ خراسان چھوڑ کر جرجان چلا گیا،

سلیمان شاہ کے بعد سلجوقیوں نے محمود بن محمد بن بغرا خاں فرمانروائے ترکستان کو جو سلطان سنجر کا حقیقی بھانجا تھا، بادشاہ بنایا، سلطان سنجر کے ایک بہادر غلام المؤید نے غزوں کا نہایت پرزور مقابلہ کیا اور انھیں شکست دیکر نیشاپور، طوس، ابیورد اور شہرستان وغیرہ سے نکال دیا اور ۵۵۳ھ میں وہ صلح کرنے پر مجبور ہو گئے، اور المؤید نے خراسان کا بگڑا ہوا نظام از سر نو قائم کیا اور چند دنوں میں اپنے عدل و انصاف اور شریفانہ سلوک سے اہل خراسان کو اپنا گرویدہ بنا لیا، انھوں نے اسکی اطاعت قبول کر لی، اس وقت المؤید نے خراسان محمود

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راحۃ الصدور ص ۱۸۰ و ۱۸۱ و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۶۷، ۶۸

کو حوالہ کر دینا چاہا، لیکن اس نے خراج مقرر کر کے اسی کے ہاتھوں میں انتظام رہنے دیا،[1]

۵۵۱ھ میں سلطان سنجر غزوں کی قید سے چھوٹ کر مرو پہنچ گیا، لیکن چند ہی دنوں کے بعد ربیع الاول ۵۵۲ھ میں اس کا انتقال ہو گیا، اس وقت ۷۲ سال کی عمر تھی،

سلطان سنجر اپنے نامور اسلاف کی روایات کا حامل اور جہانگیری و جہانداری میں الپ ارسلان اور ملک شاہ اول کا صحیح وارث و جانشین تھا، سلجوقی خاندان کی عظمت اسی کے دم سے قائم تھی، اپنے قوت بازو سے اس نے خراسان کی حکومت کو جو سلجوقیہ ایران کی ایک چھوٹی سی شاخ تھی، نہایت طاقتور حکومت بنا دیا، اس کے نام کا خطبہ کاشغر سے لے کر عرب تک جاری تھا، وہ جب تک زندہ رہا، سلجوقی خاندان کے ناموس کا محافظ رہا اور اس کا شیرازہ نہ بکھرنے دیا، اس کے بعد اس خاندان عالی پر زوال آگیا،

راوندی کا بیان ہے کہ اس میں خسروان عجم اور سلاطین کیانی کی ہیبت و عظمت تھی، وہ آئین جہانداری، قوانین شہریاری، قواعد بادشاہی اور ناموس ملک داری کا ماہر تھا، اس کو شہرت و ناموری، مال و دولت، فتح و فیروزمندی، ساری نعمتیں حاصل تھیں، گو معمولی باتوں میں سادہ دل تھا، لیکن جنگی امور میں صائب الرائے اور مستقل مزاج تھا، عدل، تقویٰ اور پاکدامنی سے آراستہ تھا، چالیس سال میں انیس فتوحات حاصل کیں کسی مہم میں ناکام نہ ہوا، اس نے غزنویوں کے پایہ تخت کو فتح کر لیا، جس کی ہمت کسی سلجوقی فرماں روا نے نہ کی تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کا خطبہ کاشغر سے لے کر یمن، طائف، مکہ، عمان اور آذربیجان تک جاری تھا، وہ مبارک سایہ در حقیقت رحمت الٰہی تھا، اس کے زمانہ میں خراسان مرجع انام اور علم و ہنر کا مرکز و مخزن بن گیا، علماء کا احترام کرتا تھا، زہاد اور مشائخ سے عقیدت رکھتا تھا اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہوتا تھا،[2] اس کے

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۸۹ [2] راحۃ الصدور ص ۱۶۸ و ۱۷۱،

زمانہ میں خراسان کا علاقہ دار العلم بن گیا تھا اس کے بڑے بڑے شہر مدارس و کتب خانوں اور علماء و ارباب کمال سے معمور تھے، یہ سارے مدارس غزوں کی یورش سے ویران ہوگئے،[۱]

سلطان سنجر کے بعد اس کا بھانجا سلطان محمود بن محمد باقاعدہ اس کا جانشین تسلیم کر لیا گیا لیکن اس کی حکومت برائے نام تھی اصل حکمراں المؤید تھا، چند دنوں کے بعد المؤید نے پھر غزوں کو چھیڑ دیا، اور دونوں میں معرکہ آرائی شروع ہوگئی، جس کا سلسلہ عرصہ تک جاری رہا اسکی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے،

تکریت پر مقتفی کی فوج کشی اوپر معلوم ہو چکا ہے، کہ ۵۴۷ھ میں مقتفی نے مسعود بلال کو تکریت سے نکال دیا تھا، اس کی واپسی کے بعد پھر مسعود تکریت پہنچ گیا تھا، اس کے لئے کئی سال تک کشمکش جاری رہی، مقتفی نے کئی مرتبہ فوجیں بھیجیں لیکن مستقل قبضہ نہ ہو سکا، اس لئے ۵۴۹ھ میں وہ خود بہ نفس نفیس نکلا، بکمزا میں بڑا زبردست معرکہ ہوا، مقتفی نے خود دست بدست جنگ کی اٹھارہ دن کی خونریز جنگ کے بعد مسعود بلال کو شکست ہوئی اور اس کا کل سامان مقتفی کے قبضہ میں آیا، اس کی واپسی کے بعد مسعود نے واسط کو لوٹ لیا، اس مرتبہ مقتفی نے وزیر عون الدین ابن ہبیرہ کو بھیجا، اس نے بھی مسعود کو بڑی فاش شکست دی، اور عجمیوں کی قوت بالکل ٹوٹ گئی، اس کے بعد پھر مسعود نے سر اٹھانے کی ہمت نہ کی، مقتفی نے اس خدمت کے صلہ میں ابن ہبیرہ کو سلطان العراق و ملک الجیوش کے معزز لقب سے ملقب کیا،[۲]

ہمدان پر سلیمان شاہ کا قبضہ اور اس کا فرار سلطان مسعود نے اپنے بھائی سلیمان شاہ کو قید کر دیا تھا، اس کی موت کے بعد وہ چھوٹ کر آذربیجان پہنچا، آس پاس کے امرا اور اس کا سالا خوارزم شاہ محمد اس کی مدد کے لئے آمادہ ہوگئے، ان کی مدد سے سلیمان شاہ نے ہمدان پر فوج کشی کر دی، سلطان

---

۱ ابن اثیر ج ۱۱ ص ۶۶ و ۶۷، ۲ ایضاً ص ۳۶ و ۳۷،

میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس نے ہمدان چھوڑ دیا، اور سلیمان نے بغیر کشت و خون کے تاج و تخت پر قبضہ کر لیا، اور فخر الدین کاشی کو وزیر اور خوارزم شاہ کو امیر حاجب بنایا، دوسرے امرار نے اس کو پسند نہ کیا اور سلیمان شاہ کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے، خوارزم شاہ نے اپنی بہن کے ذریعہ سلیمان شاہ کو خبر کر دی کہ امرار اسکو گرفتار کر کے پھر سلطان محمد کو لانا چاہتے ہیں، سلیمان شاہ میں خود کوئی قوت نہ تھی امرار ہی کے سہارے پر وہ تھا، ان کی مخالفت دیکھ کر اس نے راتوں رات ہمدان چھوڑ دیا، اور سلطان محمد پھر واپس آگیا،[1]

ہمدان پر دوبارہ سلیمان شاہ کی فوج کشی اور ناکامی

مقتفی نے سلطان محمد کی پیہم درخواستوں کے باوجود اب تک بغداد میں اس کے نام کا خطبہ نہ جاری کیا تھا،[2] سلیمان شاہ ہمدان سے نکلنے کے بعد پھرتا پھراتا ۵۵۱ھ میں بغداد پہنچا، مقتفی کو ایک مہرہ ہاتھ آیا، اس نے اس کی بڑی پذیرائی کی اور ایران کی حکومت اس کی لئے نامزد کر کے اس کو سلطان محمد کے خلاف کھڑا کر دیا، اس نے آذربیجان کے امرار کو ساتھ لے کر پھر ہمدان پر فوج کشی کی، لیکن اس مرتبہ سلطان محمد نے اسے فاش شکست دی، اور وہ شکست کھا کر موصل چلا گیا، یہاں عماد الدین زنگی کے نائب نے اس کو قید کر دیا،[3]

سلیمان شاہ کی جانب سے اطمینان حاصل ہونے کے بعد سلطان محمد نے بغداد کا محاصرہ کیا، ابھی اس کا سلسلہ جاری تھا کہ سلطان محمد کا دوسرا بھائی ملک شاہ ہمدان پہنچ گیا، اس لئے اس کو لوٹ جانا پڑا، لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی ملک شاہ نے ہمدان چھوڑ دیا،[4]

سلطان محمد کی وفات

بغداد سے واپسی کے بعد ہی سلطان محمد سل میں مبتلا ہو گیا، اور ڈیڑھ سال

---

[1] راحۃ الصدور ص ۲۵۲ تا ۲۶۰ ملخصاً [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۸۰ [3] راحۃ الصدور ص ۲۶۶ [4] ایضاً ۲۶۷ تا ۲۶۹،

کی علالت کے بعد ذی الحجہ ۵۵۴ھ میں انتقال کر گیا، اس کے صرف ایک صغیر السن بچہ تھا، اس کو وہ مرتے وقت امیر قسنقر احمدیلی کے سپرد کر گیا تھا، چنانچہ سلطان کی وفات کے بعد امیر قسنقر اس کو ساتھ لے کر مراغہ چلا گیا، سلطان محمد کی عمر کل ۳۲ سال کی تھی، مدت حکومت آٹھ سال۔

گو سلطان ناکام فرماں روا تھا، لیکن اس میں ذاتی اوصاف و محامد موجود تھے، راوندی لکھتا ہے کہ سلطان محمد خوش جمال، زیبا شمائل، صائب الرائے، نیک سیرت، پابند عہد، دیندار، علم دوست، علماء نواز، شیریں زبان، دقیق النظر اور معانی شناس فرماں روا تھا[۱]۔

عماد الدین زنگی کے صلیبی محاربات سلیمان شاہ کی تخت نشینی کے بعد ہی سلجوقی کا زمانہ ختم ہو گیا، اسی دور میں دوسری جنگ صلیبی ہوئی اور عماد الدین زنگی نے صلیبیوں کے مقابلہ میں بڑے کارنامے انجام دئے، اس کا مختصر حال یہ ہے:

مسترشد کے زمانہ میں معلوم ہو چکا ہے کہ عماد الدین زنگی نے ۵۲۴ھ میں قلعہ اثارب پر قبضہ کر کے نواح حلب میں عیسائیوں کی قوت کمزور کر دی تھی، اس کے بعد سلجوقیوں کی خانہ جنگی اور موصل کے حالات کی وجہ سے اس کو آٹھ دس سال تک شام کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ مل سکا، اس درمیان میں وہ کردستان کو مسلمان امراء کے اثر سے صاف کرتا رہا، ۵۳۱ھ میں پھر وہ شام کی جانب متوجہ ہوا، اس کی راہ میں سب سے زیادہ حائل دمشق کی بوری حکومت تھی، اس کے کمزور فرماں روا اپنی زوال پذیر حکومت کو عماد الدین سے بچانے کے لئے فرنگیوں سے ملے ہوئے تھے، وہ بھی ایک بڑے حریف کے مقابلہ میں اس مہرہ کو غنیمت سمجھتے تھے، اس لئے ۵۳۱ھ میں عماد الدین نے حکومت دمشق کے علاقہ حمص پر فوج کشی کی، لیکن فرنگی اس کی مدد پر تھے[۲]، اس لئے عماد الدین کو کامیابی نہ ہوئی، اور چند دنوں کے محاصرہ کے

---

[۱] راحۃ الصدور ص ۲۷۵ [۲] صلاح الدین لین پول ترجمہ اردو ص ۳۲،

بعد وہ لوٹ گیا[1]،

اور فرنگیوں کو حکومت دمشق کی مدد سے الگ کرنے کے لئے حصن بارین پر جو ان کا بڑا مستحکم قلعہ اور اہم مرکز تھا فوج کشی کی، شام کے تمام فرنگی فرماں رواؤں نے مل کر مقابلہ کیا، عماد الدین نے انھیں فاش شکست دی اور وہ قلعہ میں پناہ گزیں ہو گئے، عماد الدین نے اس کا محاصرہ کر لیا، چند دنوں کے بعد فرنگی محاصرہ کی سختیوں سے گھبرا کر اس شرط پر قلعہ حوالہ کرنے پر آمادہ ہو گئے، کہ انھیں جان بچا کر نکل جانے دیا جائے، عماد الدین نے انکار کر دیا، اسی دوران میں عماد الدین کو اطلاع ملی کہ فرنگیوں کی تازہ دم فوجیں بارین کے محصورین کی مدد کے لئے آ رہی ہیں، بارین کے فرنگیوں کو اس کا علم نہ تھا، انھوں نے پھر درخواست کی، اس مرتبہ عماد الدین نے منظور کر لی، اور فرنگی بارین چھوڑ کر نکل گئے، راستہ میں ان کو امدادی فوجیں ملیں، لیکن اب قلعہ ہاتھوں سے نکل چکا تھا، بارین کے فرنگیوں سے مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچ رہا تھا، انھوں نے حماۃ اور حلب کا علاقہ ویران کر ڈالا تھا، راستے بند ہو گئے تھے، بارین پر قبضہ کے بعد امن و امان قائم ہو گیا،

لین پول لکھتا ہے کہ بارین پر قبضہ کے بعد عماد الدین نے اس کے فرماں روا فلک کے ساتھ بڑا شریفانہ برتاؤ کیا، اور اسے شاہی خلعت عطا کیا[3]،

بارین فرنگیوں کا اہم مرکز تھا، اس کو بچانے کے لئے اس کے محاصرہ کے دوران ہی میں شام کے راہبوں کی ایک جماعت قسطنطنیہ پہنچ گئی تھی اور قیصر کمنی نس کو یقین دلا دیا تھا کہ اگر بارین عیسائیوں کے ہاتھ سے نکل گیا تو مسلمان پورے شام پر قابض ہو جائیں گے، چنانچہ قیصر ایک لشکر جرار لے کر شام پہنچا، حسب معمول دمشق کی حکومت نے اس کا ساتھ دیا، عماد الدین زنگی اس وقت موصل واپس جا چکا تھا، قیصر نے اس کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور اس کے پاس دوستانہ

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۹ [2] تاریخ دولت اتابکیہ موصل ص ۱۰۰ تا ۱۰۶ [3] صلاح الدین ص ۴۷ [4] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰،

پیام اور عقاب اور شکاری چیتے ہدیہ بھیج کر اس سے وعدہ کیا کہ وہ زنگی حکومت کے علاقہ حلب سے کوئی تعرض نہ کرے گا،[۱] اور شام کے فرنگیوں کی مدد سے بزاعہ اور کفرتاب پر قبضہ کر کے اس کی پوری مضافاتی آبادی کو قتل اور بچوں اور عورتوں کو گرفتار کر کے شیزر کا محاصرہ کر لیا، اسکے فرمانروا علی بن منقذ نے عمادالدین سے مدد طلب کی، وہ فوراً آیا اور بزاعہ کے قریب حماۃ میں ٹھہرا قیصر کی فوجیں پہاڑ کی آڑ میں تھیں، عمادالدین نے اس سے کہلا بھیجا کہ کھل کر میدان میں آؤ تاکہ ہمارا تمہارا فیصلہ ہو جائے، لیکن عمادالدین کے خوف سے اس کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی، عمادالدین نے اس کو ہٹانے کے لئے ایک طرف شام کے فرنگی فرماں رواؤں کو یقین دلایا کہ اگر قیصر ایک قلعہ پر بھی قابض ہو گیا تو پھر شام کا کوئی حصہ ان کے قبضہ میں نہ رہنے دیگا، دوسری طرف قیصر کو بدگمان کر دیا کہ شام کے فرنگی اس سے ملے ہوئے ہیں، اس تدبیر سے دونوں میں بدگمانی پیدا ہو گئی، اور قیصر چوبیس دن کے بعد اپنے تمام قلعہ شکن آلات و اسلحہ چھوڑ کر لوٹ گیا،[۲]

لین پول لکھتا ہے کہ عمادالدین کی چند سیاسی چالوں اور معتدبہ رقم نے قیصر کی نیت بدل دی، لاطینی شہزادوں کی بے پروائی اور لہو ولعب سے بھی اسے نفرت ہو چلی تھی، اس لئے چوبیس دن کے بعد بھاگ کھڑا ہوا، اور منجنیقیں اور دیگر قلعہ شکن آلات چھوڑتا گیا، جو عمادالدین کے قبضہ میں آئے اور یورپ کی یہ لشکر کشی بے کار ثابت ہوئی،[۳]

قیصر کی واپسی کے بعد ۵۳۴ھ میں عمادالدین نے دمشق کا محاصرہ کیا اور یہاں کے قبیلہ زناطہ اور احداث کو ملا کر انھیں شہر حوالہ کرنے پر آمادہ کر لیا، لیکن پھر بعض دشواریوں کی بنا پر دمشق چھوڑ کر بعلبک جو مجیرالدین آبق والی دمشق کے کارپرداز سلطنت معین الدین انز کی جاگیر میں تھا، پہنچا اور اس کو شکست دے کر بزور شمشیر بعلبک پر قبضہ کر لیا، اس کے بعد

۱؎ صلاح الدین ص۳۷ ۲؎ دولت اتابکیہ موصل ص ۹۸ تا ۱۰۰ ۳؎ صلاح الدین، ص۴۲

دمشق کی واپسی کا ارادہ کر رہا تھا کہ مجیر الدین آبق نے اس کی اطاعت قبول کر لی[1]، لیکن لین پول لکھتا ہے کہ بعلبک پر قبضہ اور یہاں کی فوج کے قتل عام سے معین الدین، عماد الدین سے اتنا برہم ہو گیا کہ اس نے عیسائیوں سے معاہدہ کر لیا کہ وہ یروشلم کی حکومت کو بیس ہزار اشرفی سالانہ دیا کرے گا اور بانیاس پر اس کا قبضہ کرا دے گا، اس کے معاوضے میں عیسائیوں نے عماد الدین کو شام سے نکال دینے کا وعدہ کیا[2]،

بعلبک پر قبضہ کے بعد عماد الدین زنگی موصل لوٹ گیا اور کئی سال تک وہاں کے اندرونی معاملات میں مشغول رہا، پھر ۵۳۹ھ میں شام کا رخ کیا،

شام میں یروشلم اور انطاکیہ کے بعد عیسائیوں کا سب سے بڑا مرکز رہا کی حکومت تھی، اس کے حدود دیار بکر تک وسیع تھے، اس کا فرماں روا کونٹ جوسلن نہایت متعصب اور مسلمانوں کا بڑا دشمن تھا، اس کی تاخت و تاراج سے کردستان اور دیار بکر کے سارے مسلمان نالاں تھے[3]،

لین پول کا بیان ہے کہ جب تک اتابک زنگی کا پرانا دشمن کونٹ جوسلن رہا پر جو اسقف کا مستقر تھا قابض و متصرف رہا، زنگی اس کے قریب تک نہ آسکا، جوسلن ایک بے قرار اور بے چین آدمی تھا، دیار بکر اور شام میں وہ ہمیشہ قہر کی صورت بنا رہا، ... عیسائیوں کی ریاست رہا سب سے زیادہ مضبوط و مستحکم مقام تھا، لیکن جوسلن اب مر چکا تھا، اس کا جانشین جوسلن ثانی گو باپ ہی کی طرح بہادر تھا، لیکن بہادری کا دورہ کبھی کبھی اٹھتا تھا، ویسے وہ کاہل، سست اور عیش پسند تھا[4]،

اس لئے عماد الدین نے رہا پر فوجکشی کا ارادہ کیا، لیکن اس کا یقین تھا کہ اگر اس نے

---

[1] دولت اتابکیۂ موصل ص ۱۰۴ و ۱۰۵ [2] صلاح الدین ص ۴۹ [3] دولت اتابکیہ موصل ص ۱۱۸ و ۱۱۹ [4] صلاح الدین ص ۵۰،

علانیہ رہا کا ارادہ کیا، تو شام کی کل عیسائی حکومتیں مقابلہ میں اٹھ کھڑی ہوں گی، اس لئے جوسلن کو غافل کرنے کے لئے وہ دیار بکر کے مسلمان امراء سے جنگ میں مشغول ہوگیا، اور جوسلن اسے مشغول دیکھکر شامی مقبوضات کے معائنہ کے لئے چلا گیا[1]، لین پول کا بیان ہے کہ رہا کی حفاظت کالدی اور ارمنی تاجروں کے سپرد کرکے اپنی جاگیر تل باشر چلا گیا، عماد الدین کے جاسوسوں نے اس کو اطلاع دی، وہ اطلاع پاتے ہی رہا پہنچ گیا، اور شہر کے باشندوں سے کہلا بھیجا کہ اگر وہ اطاعت قبول کرکے شہر حوالہ کر دیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا، لیکن انھوں نے انکار کیا، ان کے انکار پر شہر کا محاصرہ کر لیا، رہا بڑا مضبوط و مستحکم شہر تھا، چاروں طرف سنگین شہر پناہ تھی، اتابک زنگی نے قلعہ شکن آلات کے ذریعہ اسکو توڑ دیا، شہر کی آبادی زنگی فوجوں کے روکنے میں ناکام رہی، اور وہ جمادی الثانی ۵۳۹ھ میں رہا میں داخل ہوگئیں[2]،

بقول لین پول عیسائیوں نے رہا پر قبضہ کے زمانہ میں مسلمانوں پر جو مظالم و تشدد کئے تھے اور جس طرح بالڈون کے شہسوار اور جوسلن ان کے لئے قہر خدا بنے ہوئے تھے، اس کے انتقام کا وقت آگیا تھا، چنانچہ رہا پر قبضہ کے بعد اتابکی فوجوں نے عیسائی آبادی کو بے دریغ قتل و گرفتار کیا، ہزاروں عیسائیوں کو لونڈی غلام بنا ڈالا، صلیبیں توڑ دیں، راہبوں کو قتل کیا اور شہر کی ساری دولت پر قبضہ کر لیا،

لیکن اس کے بعد جب خود عماد الدین شہر میں داخل ہوا اور اس کی شان و عظمت اور خوشنما عمارتوں کو دیکھا تو ایسے خوبصورت شہر کو برباد کرنا مناسب نہ معلوم ہوا، اور اپنی سپاہ کو غارتگری سے روک دیا اور عام حکم دیدیا کہ تمام قیدیوں کو رہا کر دیا جائے، جتنے عیسائی لونڈی غلام بنائے گئے ہیں اور جس قدر زر و مال لوٹا گیا ہے، سب واپس کر دیا جائے، اور جو لوگ زندہ بچ گئے تھے انھیں ان کے گھروں

[1] اتابکیہ موصل ص ۱۱۹ [2] ایضاً ص ۱۲۲،

میں آباد کیا تاکہ شہر کی رونق اور مرفہ الحالی میں کمی نہ ہو، اور شروع میں جو غارت گری ہوئی تھی اسکی تلافی میں کوئی دقیقہ محنت اور توجہ کا فروگذاشت نہ کیا،[۱]

رہا فرنگیوں کا نہایت اہم مرکز تھا، اس کے نکل جانے سے ساری عیسائی دنیا میں اضطراب پیدا ہوگیا،[۲] سینٹ برناڈ نے ایک نئی جنگ صلیبی کے لئے وعظ کہنا شروع کیا، لوئی ہفتم اور شہنشاہ کونراڈ نے اس کا بیڑا اُٹھایا، مگر اسکی کوشش بے کار ثابت ہوئی،[۳]

رہا پر قبضہ کے بعد امیر زنگی نے جوسلن کے ایک اور قلعہ حصن بیرہ کا محاصرہ کیا، لیکن اسی دوران میں اس کے نائب نصیر الدین جعفر کے قتل کی خبر آگئی، اس لئے وہ موصل لوٹ گیا،[۴]

امیر زنگی کا واقعہ قتل

ربیع الاول ۵۴۱ھ میں امیر زنگی کے قتل کا اندوہناک واقعہ پیش آیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ زنگی حکومت کے عین وسط میں جعبر کے قلعہ پر بنی مردان قابض تھے ۵۴۱ھ میں امیر زنگی نے اس کا محاصرہ کیا،

اپنے ارمنی رُومی اور ترک غلاموں کے بارہ میں امیر سخت گیر واقع ہوا تھا، اسکی سخت گیری کی وجہ سے بعض غلام اس کے دشمن ہو گئے تھے،[۵] چنانچہ جعبر کے محاصرہ کے دوران میں ایک شب کو جبکہ امیر سویا ہوا تھا ان غلاموں نے موقع پاکر قتل کر دیا، قتل کے وقت ساٹھ سال سے اوپر عمر تھی، مدت حکومت بیس سال،

تاریخ اسلام کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ جب کسی اسلامی حکومت پر سیاسی زوال طاری ہوا یا مسلمانوں پر کوئی نازک وقت آیا تو کوئی نہ کوئی شخصیت ایسی پیدا ہوگئی، جس نے مسلمانوں کی گرتی ہوئی عمارت سنبھال لی، ایک زمانہ تک مسلمانوں میں نئی نئی قوتوں کے ابھرنے کا سلسلہ

۱ھ صلاح الدین صہ۵۲ و دولت اتابکیہ صہ۱۲۳ ۲ھ تاریخ یورپ آیور تھیچرج اول صہ۲۸۵ ۳ھ تاریخ یورپ اے جے گرانٹ صہ۲۵۹ ۴ھ تاریخ اتابکیہ موصل صہ۱۲۶ ۵ھ دولت آل سلجوق صہ۱۸۹،

ایسا قائم رہا کہ ایک خاندان کے زوال کے بعد ہی فوراً دوسرا خاندان اسکی جگہ لے لیتا تھا، چنانچہ سلجوقیوں کے زوال کے بعد اتابکی خاندان پیدا ہو گیا جس نے شام، جزیرہ اور کردستان کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ختم کر کے ایک متحدہ حکومت قائم کر دی، اور شام میں صلیبیوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو روک دیا،

صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ اتابکی خاندان کے وجود میں آنے سے بہت پہلے چھڑ چکا تھا اور شام، مصر اور جزیرہ وغیرہ کے مسلمان فرماں رواؤں نے تابمقدور صلیبیوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ان میں سے کسی میں تنہا مقابلہ کی قوت نہ تھی اور آپس میں ایسا اختلاف تھا اور ان کے اغراض ایک دوسرے سے اتنے مختلف تھے کہ وہ مل کر مقابلہ نہ کر سکتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ شام میں صلیبیوں کا زور بڑھتا جاتا تھا صرف چند چھوٹے چھوٹے مقامات مسلمانوں کے پاس رہ گئے تھے اور وہ بھی صلیبیوں کے زیر اثر ہوتے جاتے تھے، عین ان حالات میں عماد الدین کا ظہور ہوا، سب سے اول اسی نے صلیبیوں پر موثر ضرب لگائی اور آیندہ آنے والوں کیلئے راستہ صاف کر گیا، ایوبی خاندان اسی کا ساختہ و پرداختہ تھا، جس نے بیت المقدس کو ان کے ہاتھوں سے چھڑایا، اس طرح اس مقدس جہاد کا پہلا ہیرو اور اس قافلہ کا پہلا قافلہ سالار عماد الدین ہی تھا،

اس پہلو سے قطع نظر وہ ذاتی اوصاف و محامد اور جہانبانی اور حکمرانی کے نقطۂ نظر سے بھی ایک بہترین فرماں روا تھا، شجاعت و شہامت، تدبیر و سیاست، عدل و انصاف و دینداری تمام اوصاف میں کامل تھا، موصل کی ایک معمولی ریاست کو بیس برس کے عرصہ میں ایک طاقتور حکومت بنا دیا، اس کا دفتری نظام نہایت وسیع تھا، اتابکی حکومت کے دفاتر عظمت و شان اور مصارف کی کثرت میں سلجوقیۂ عظمیٰ کے دفاتر کی ہمسری کرتے تھے، اور ان میں کاموں کی اتنی کثرت اور اتنا تنوع تھا کہ کوئی صاحبِ کمال موصل میں آنے کے بعد بیکار نہ رہنے پاتا تھا،

اور کسی نہ کسی شعبہ میں لگ جاتا تھا، جاسوسی اور خبر رسانی کا محکمہ اتنا وسیع تھا کہ ملک کی چھوٹی سی چھوٹی خبر اور وابستگان دولت کی پرائیویٹ صحبتوں کے حالات تک سے عمادالدین باخبر رہتا تھا، آس پاس کی تمام حکومتوں میں اس کے جاسوس مقرر تھے جو وہاں کی خبریں پہنچاتے رہتے تھے، امیر زنگی مہمات امور سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے معاملات تک کی خود نگرانی کرتا تھا، اس کا قول تھا کہ اگر چھوٹی باتوں کو نظرانداز کر دیا جائے، تو وہی بڑھ کر بڑی بن جائیں گی،

عدل و انصاف کے قیام اور ظلم و جور کے انسداد میں بڑا اہتمام تھا، ملک میں کوئی قوی کسی کمزور پر زیادتی کی جرأت نہ کر سکتا تھا، بلا امتیاز مسلم اور غیر مسلم سب کے ساتھ انصاف ہوتا تھا، شخصی حکومتوں میں رعایا پر ظلم و زیادتی کا ایک بڑا سبب، امراء و عمائد سلطنت کی حرص دولت رہا کی ہے، امیر زنگی نے انھیں قانوناً زمین و املاک حاصل کرنے کی ممانعت کر دی تھی، وہ کہا کرتا تھا کہ جب تک حکومت ہمارے ہاتھوں میں ہے، اس وقت تک امراء کو املاک حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، اور جب حکومت جاتی رہے گی، تو اس کے ساتھ املاک بھی نکل جائے گی، اور جب ملک کی املاک سلطانی امراء کے ہاتھوں میں چلی جائے گی تو وہ لازمی طور پر رعایا پر زیادتی کریں گے اور ان کی ملک غصب کریں گے،

ملک کی آبادی اور سرسبزی و شادابی کی بھی خاص توجہ تھی، موصل کا علاقہ بالکل بنجر اور ایسا ویران تھا کہ ایک مقام سے دوسرے مقام کا سفر دشوار تھا، آبادی اور عمارتیں بہت کم اور باغات اور میووں کا نام و نشان نہ تھا، عمادالدین نے بکثرت عمارتیں بنوائیں، باغات لگوائے آبادیاں قائم کیں، موصل کے امن و امان اور عدل و انصاف کو دیکھ کر دوسرے مقامات کے لوگ بکثرت یہاں آکر متوطن ہو گئے، اور چند دنوں میں موصل کا پورا علاقہ نہایت آباد اور

سرسبز و شاداب ہو گیا،

امرائے دولت کی پوری نگرانی رکھتا تھا، کسی کو اس کے درجہ سے آگے نہ بڑھنے دیتا تھا اور نہ بلا وجہ کسی کو گراتا تھا، ان پر اعتماد بھی رکھتا تھا، لیکن ان کی حد سے آگے بھی نہ بڑھنے دیتا تھا، اس سے اس کی حکومت میں ہمیشہ توازن قائم رہا، مورخین نے اس کے بہت سے اوصاف و کمالات لکھے ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے[۱]،

نور الدین محمود زنگی امیر زنگی کے کئی لڑکے تھے، سیف الدین غازی سب میں بڑا تھا، نور الدین کی وفات کے بعد اس کے نائب زین الدین علی کوچک نے سیف الدین غازی کو تخت نشین کیا، دوسرا لڑکا نور الدین جعبر کے محاصرہ میں باپ کے ساتھ تھا، اس نے امیر کی وفات کے بعد حلب پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی، اس طرح اتابکی حکومت کی دو شاخیں ہو گئیں، موصل اور حلب گو اصل حکومت موصل کی تھی، لیکن نور الدین نے اپنے کارناموں سے حلب کی حکومت کو مرکزی اتابکی حکومت بنا دیا، اور صلیبی جہاد میں بھی اسی نے عماد الدین کی نیابت کی اور ہمارا تعلق صرف مجاہدات صلیبی کی حد تک اتابکی حکومت سے ہے، اس سے آیندہ سطور میں صرف نور الدین کے حالات پیش کئے جائیں گے،

اس کی ساری زندگی میدان جہاد میں گذری اور امیر کی وفات کے بعد ۵۴۱ھ سے لے کر اپنی موت ۵۶۹ھ تک برابر صلیبی مجاہدات میں مشغول رہا، اس مدت میں سیکڑوں معرکے پیش آئے، ان سب کی تفصیل بہت طویل ہے، اس لئے صرف اہم واقعات کو مختصراً لکھنے پر اکتفا کی جائے گی،

رہا پر جوسلن کی فوجکشی اور ناکامی رہا جوسلن کی قوت کا مرکز تھا، اس لئے وہ آسانی کے ساتھ اس کو چھوڑنے والا نہ تھا، لیکن عماد الدین کی زندگی میں اسکی ہمت نہ ہوئی، اس کی وفات کے بعد

۱؎ یہ تمام واقعات دولت اتابکیہ سے ملخصاً ماخوذ ہیں، صفحہ ۱۳۶ تا ۱۵۰،

جوسلن نے رہا کی آبادی سے جو زیادہ تر عیسائی ارمنوں پر مشتمل تھی ساز باز کر کے فوج کشی کر دی، اور ارمنوں نے شہر اس کے حوالہ کر دیا، قلعہ کے محافظ مسلمانوں نے روکنے کی کوشش کی، اس دوران میں نور الدّین فوجیں لے کر پہنچ گیا، اس کے مقابلہ میں جوسلن نہ ٹھہر سکا اور نور الدین نے دوبارہ رہا پر قبضہ کر لیا، اور ارمنوں کی بغاوت کے انتقام میں اس کو بالکل ویران کر ڈالا،

رہا پر قبضہ کے بعد نور الدّین کا بھائی سیف الدّین غازی شام آیا، نور الدین کو خوف کی وجہ سے اس سے ملنے میں تامل ہوا، سیف الدّین نے اسے بلا بھیجا وہ ڈرتے ڈرتے گیا، سیف الدّین نے اسے گلے لگا کر اطمینان دلایا کہ میرے دل میں تمھارے لئے کبھی کوئی برا خیال نہیں پیدا ہوا، تم مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو، تمھارے ساتھ برائی کر کے مجھے زندگی میں کیا لطف حاصل ہوگا، اور اسے پوری طرح مطمئن کر کے یہ کہہ کر حلب واپس کر دیا کہ میں نے صرف اس لئے تم کو بلایا تھا کہ فرنگیوں اور دوسرے فرماں رواؤں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہم دونوں میں پورا اتحاد و اتفاق ہے، اگر کوئی ایک کے ساتھ برائی کرنے کا ارادہ کریگا تو دوسرا اس کا پورا معاون و مددگار رہے گا،[۱]

رہا کی پہلی فتح کے بعد ہی سے یورپ میں دوسری جنگ صلیبی کے لئے کوشش جاری تھی، لیکن حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے دو سال تک اس میں کامیابی نہ ہو سکی، بالآخر سنٹ برنارڈ لوئی ہفتم بادشاہ فرانس اور کونریڈ سوم بادشاہ جرمنی کی سہیم کوششوں سے ۵۴۳ھ مطابق ۱۱۴۸ء میں لوئی ہفتم کی قیادت میں کئی لاکھ فرانسیسی اور جرمن فوجیں ایشیائے کوچک ہوتی ہوئی شام پہنچیں، عماد الدّین کی وفات کے بعد اتابکی حکومت کے ساتھ دمشق کی حکومت کی مخاصمت ختم ہو گئی تھی، اور اس کو فرنگیوں کی ضرورت باقی نہ رہ گئی تھی، اس لئے اس مرتبہ معین الدین انر

---

[۱] دولت اتابکیہ صفحہ ۱۰۱،

نے صلیبیوں کا ساتھ نہ دیا، اور ان کو پاس تک نہ پھٹکنے دیا[1] اس لئے صلیبیوں نے سب سے پہلے اسی کو زیر کرنے کی کوشش کی اور دمشق کا محاصرہ کر لیا، معین الدین انزنے پامردی سے مدافعت کی لیکن متحدہ جرمن و فرانسیسی فوجوں کا مقابلہ تنہا اس کے بس سے باہر تھا، سیف الدین غازی سے مدد کا طالب ہوا، وہ دونوں بھائی فوجیں لے کر پہنچے معین الدین انزنے یورپ کے صلیبیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ شہنشاہ مشرق پہنچ گیا ہے، اگر تم لوگ واپس نہ گئے تو میں دمشق اس کے حوالہ کر دونگا، اس وقت تم اس سے بچ کر نہ جا سکوگے اور شام کے فرنگیوں کے پاس پیام کہلایا کہ تم لوگ بھی ان پردیسیوں کی مدد کر کے کیسی حماقت کر رہے ہو، یاد رکھو اگر انھوں نے دمشق پر قبضہ کر لیا تو پھر تمھارے شامی مقبوضات کی خیر نہیں، وہ سب تم سے چھین لیں گے اور اگر میں نے دمشق سیف الدین کے حوالہ کر دیا تو پھر کوئی قوت بیت المقدس کو اس کے قبضہ سے نہیں بچا سکتی اس لئے تم ان کو واپس کر دو، میں اس کے صلہ میں بانیاس کا قلعہ تم کو دیدوں گا، ان لوگوں میں باہم خود اعتماد نہ تھا، اس لئے شام کے فرنگی اس پر رضامند ہو گئے، اور ان کا ساتھ چھوڑ دیا، ان کی علیحدگی کے بعد جرمن اور فرانسیسی فوجیں بھی محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئیں، اور بقول لین پول ۱۱۴۹ء میں یورپ کے یہ بہادر سورما جو دوسری جنگ صلیبی لڑنے آئے تھے، اپنے اپنے وطن واپس جاتے نظر آئے،[2]

اس سلسلہ میں یہ سبق آموز واقعہ قابل ذکر ہے کہ اس جنگ میں دمشق کے ایک ممتاز ضعیف العمر عالم اور شیخ وقت حجۃ الدین یوسف مغربی بھی شریک تھے، معین الدین انزنے ہر چند ان سے درخواست کی کہ آپ ضعف پیری کی وجہ سے معذور ہیں، آپ میں جنگ کی قوت باقی نہیں ہے، ہم لوگ اس فرض کی ادائیگی کیلئے کافی ہیں، لیکن شیخ نے کلام مجید کی اس آیت

---

[1] صلاح الدین ص ۵۹ [2] دولت آتابکیہ موصل ص ۱۶۰، ۱۶۱، و صلاح الدین ص ۶۰،

اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ میں جان و مال بیچ چکا اور میدانِ جنگ میں لڑکر شہادت حاصل کی[1]، اور نور الدین اور سیف الدین اپنے اپنے مقاموں پر لوٹ گئے،

سیف الدین غازی کا انتقال

دمشق سے واپسی میں نور الدین نے طرابلس الشام کے قلعہ عریمہ پر قبضہ کیا، جمادی الثانی ۵۴۴ھ میں سیف الدین غازی کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد اس کا تیسرا بھائی قطب الدین مودود زنگی تخت نشین ہوا،

اسی سنہ میں نور الدین نے قلعہ انب پر فوجکشی کی، ریمنڈ ڈی پوائٹرس فرمانروائے انطاکیہ مقابلہ کے لئے آیا، اور شکست کھاکر مقتول ہوا، اس کے قتل کے بعد اس کا صغیر السن بچہ بوہیمنڈ جانشین ہوا،

۵۴۶ھ میں نور الدین نے شمالی حلب کے فرنگی علاقے تل باشر، عین تاب اور عزاز پر فوج کشی کی، جوسلن نے اس کو شکست دے کر اس کے سلاحدار کو گرفتار کرکے نور الدین کے خسر مسعود بن قلیج ارسلان سلجوقی والی قونیہ کے پاس بھجوایا، اور یہ پیام کہلا بھیجا کہ "تمھارے پاس تمھارے داماد کے سلح دار کو بھیجتا ہوں، اس کے بعد اس سے بڑا تحفہ (نور الدین) پہنچے گا"، نور الدین پر یہ سخت شاق گذرا، وہ جوسلن کی گرفتاری کے درپے ہو گیا، اور اعلان عام کردیا کہ جو شخص اس کو زندہ یا مردہ لے آئیگا، اس کو نقد اور جاگیر انعام دی جائے گی، اس اعلان پر بہت سے ترکمانی سردار اس کی تاک میں لگ گئے، اتفاق سے اسی زمانہ میں جوسلن شکار کے لئے نکلا، ترکمانوں کو خبر ہو گئی، انھوں نے حملہ کرکے گرفتار کر لیا، جوسلن نے ایک بڑی رقم دے کر رہائی کی کوشش کی، لیکن رقم کے آنے میں دیر ہوئی اور نور الدین کو اطلاع ہو گئی،

---

[1] دولت اتابکیہ موصل ص ۱۶۰،

اس نے اسی وقت فوجیں بھیجکر جوسلن کو چھنوالیا اور علب کے قید خانہ میں قید کر دیا، اور تھوڑے عرصہ کے بعد وہ قید ہی میں مرگیا،

جوسلن کی گرفتاری کے بعد نورالدین نے اس کی حکومت کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا، اور اس کے تمام قلعوں میں دس سال کی جنگ کے بقدر فوجوں، اسلحہ اور سامان رسد کا پورا انتظام کر لیا،

جوسلن شام کے فرنگیوں کا رہنما اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کا پشت پناہ تھا، اس کی گرفتاری کا ان کو بڑا قلق ہوا، چنانچہ ابھی نورالدین جوسلن کے علاقہ ہی میں تھا کہ شام کے سارے فرنگی مل کر اس کے انتقام کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے، دلوک میں بڑی خونریز جنگ ہوئی، نورالدین نے انھیں بڑی فاش شکست دی،[۲]

دمشق پر نورالدین کا قبضہ اور دولت بوریہ کا خاتمہ

دمشق کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی تھی، اس کے اصل کارپرداز معین الدین انر کا انتقال ہوچکا تھا، اور دمشق کے تخت پر مجیرالدین آبق تھا، اس میں کوئی قوت نہ تھی، ۵۴۸ھ میں عسقلان پر جو فاطمیۂ مصر کا علاقہ تھا، صلیبیوں کے قبضہ کے بعد سے مجیرالدین آبق کی حکومت برائے نام رہ گئی تھی، فرنگی اہل دمشق سے ٹیکس وصول کرتے تھے، ان کو بے محابا قتل و گرفتار کرتے تھے، دمشق میں جسقدر عیسائی لونڈی غلام تھے ان کو اختیار دیدیا تھا کہ ان میں سے جس کا دل چاہے اپنے وطن واپس جاسکتا ہے، مجیرالدین آبق کو دم مارنے کی مجال نہ تھی، وہ دمشق کے قلعہ میں نظر بند تھا، اگر فرنگی چاہتے تو آسانی کے ساتھ اس پر قابض ہو جاتے، لیکن انھوں نے نورالدین کے حملہ سے حفاظت کے لئے عمداً اس کو درمیان میں بفر اسٹیٹ کی طرح قائم رکھا تھا،

[۱] اتابکیۂ موصل ص ۱۸۳ و ۱۸۴ [۲] ایضاً ص ۱۸۵

نورالدین عسقلان پر صلیبیوں کے حملہ کے زمانہ ہی سے یہاں کے مسلمانوں کی مدد کیلئے پہنچنا چاہتا تھا، لیکن درمیان میں دمشق کا علاقہ حائل تھا، نورالدین کی فوج کشی کی صورت میں مجیرالدین کا صلیبیوں سے مل جانا یقینی تھا، اسی تذبذب میں عسقلان پر صلیبیوں کا قبضہ بھی ہوگیا اور نورالدین وہاں نہ پہنچ سکا،

اس لئے نورالدین نے دمشق کو تلوار سے فتح کرنے کے بجائے اس کو تدبیر سے زیر کرنے کے لئے مجیرالدین کی بدگمانی دور کرکے اس سے دوستانہ تعلقات پیدا کیے، جب اس کو پورا اعتماد ہوگیا تو نورالدین نے حسن تدبیر سے رفتہ رفتہ ان تمام امرا کو جن کی جانب سے مخالفت کا خطرہ ہو سکتا تھا دمشق سے الگ کرا دیا، اور اتابکی امیر نجم الدین ایوبی کے ذریعہ جو دمشق کی حکومت سے متوسل ہوگیا تھا، اہل دمشق کو جو فرنگیوں کے مظالم سے تنگ آچکے تھے، دمشق حوالہ کرنے پر آمادہ کرکے ۵۴۹ھ میں فوج کشی کر دی، مجیرالدین فرنگیوں کو بعلبک کا قلعہ دے کر ان سے مدد کا طالب ہوا، لیکن نورالدین نے موقع نہ دیا، اور فرنگیوں کی مدد آنے سے پہلے دمشق پہنچ گیا، یہاں کے باشندے اس سے مل چکے تھے، اس لئے آسانی کے ساتھ دمشق پر اسکا قبضہ ہوگیا لیکن مجیرالدین دمشق کے قلعہ میں قلعہ بند ہوگیا، نورالدین نے اس کا محاصرہ کیا، مجیرالدین میں کوئی دم باقی نہ تھا، نورالدین نے اسے حمص کا علاقہ دیکر راضی کر لیا، اور وہ دمشق چھوڑ کر حمص منتقل ہوگیا، اور شام سے پوری حکومت ختم ہوگئی،

حمص جانے کے بعد مجیرالدین نے اہل دمشق سے ساز باز شروع کیا، نورالدین کو خبر ہوگئی، اس نے فرنگیوں کی سازش کے خطرہ سے اس کو حماۃ منتقل کر دینا چاہا، مگر وہ آمادہ نہ ہوا اور حمص سے بغداد چلا گیا، اور وہیں اس کا انتقال ہوا[1]،

---

[1] دولت اتابکیہ موصل ص ۲۰۹ تا ۲۰۹،

دمشق پر قبضہ کے بعد شام میں نور الدین کی قوت بہت بڑھ گئی اور صلیبیوں کے مقابلہ کے لئے میدان صاف ہوگیا، اس سے ان میں بڑا اضطراب پیدا ہوگیا،

حلب کے مغربی سمت حکومت انطاکیہ کا قلعہ حارم مسلمانوں کے لئے خطرناک تھا، ۵۵۱ھ میں نور الدین نے اس پر فوج کشی کی فرنگی مقابلہ نہ کرسکے اور علاقہ حارم کا نصف حصہ دیکر صلح کرلی اور نور الدین حلب لوٹ گیا، اس کی واپسی کے بعد ہی فرنگیوں کی مدد کے لئے یورپ کی تازہ دم فوجیں پہنچ گئیں، ان کا سہارا پاکر انھوں نے حمص و حماۃ وغیرہ مختلف علاقوں میں تاخت و تاراج شروع کردی، بانیاس کا فرماں روا ہمفری بہت پیش پیش تھا، نورالدین نے ان کے مقابلہ کے لئے فوجیں روانہ کیں اور ہمفری کے مقابلہ کے لئے خود نکلا، اور بانیاس کا محاصرہ کرکے ۵۵۲ھ میں اس کو بزور شمشیر فتح کیا، بانیاس میں اس کو بے شمار مال غنیمت حاصل ہوا اور فرنگیوں کی قوت کو بڑا صدمہ پہنچا، اس کی یہ فتح اہم فتوحات میں شمار کیجاتی ہے، اس کے علاوہ اور بھی بعض لڑائیاں ہوئیں خصوصاً اس کے امرا اور صلیبیوں میں بہت سے معرکے ہوئے[۵]،

مقتفی کا انتقال ربیع الاول ۵۵۵ھ میں مقتفی کا انتقال ہوگیا، اس وقت ۶۶ سال کی عمر تھی مدت خلافت چوبیس سال تین مہینے،

مقتفی جامع کمالات خلیفہ تھا، اس میں تدبیر و سیاست، شجاعت و شہامت، جرأت و حوصلہ مندی، علم و عمل، فضل و کمال، زہد و تقویٰ، حسن خلق و شرافت نفس، تمام دینی و دنیاوی محاسن و اوصاف جمع تھے، اس کے پیشرووں نے جس مہم کا آغاز کیا تھا مقتفی نے اس کو انجام تک پہنچایا، اور عراق سے سلجوقیوں کا اقتدار ختم کرکے خلافت بغداد کو ان کے اثر سے بالکل آزاد کردیا

۵ تفصیل کے لئے دیکھو کتاب الروضتین ج اول حالات ۵۵۲ھ تا ۵۵۵ھ،

اس کو زمانہ بھی ایسا ملا تھا جب سلجوقیوں کی قوت ختم ہو چکی تھی، گو سلطان مسعود کے زمانہ میں سلجوقی حکومت کا ظاہری ٹھاٹھ قائم تھا، لیکن خانہ جنگی نے ان کی قوت ختم کردی تھی، سلجوقی حکومت کا نظام بگڑ گیا تھا، خصوصاً غزوں کے ہاتھوں سلطان سنجر کی شکست اور خراسان کی تباہی سے سلجوقی خاندان کی عظمت و شان ختم ہو گئی تھی،

اس نے شروع ہی سے سلطان مسعود کو اس کی حد سے آگے نہ بڑھنے دیا، چنانچہ ۵۴۱ھ میں سلطان نے بغداد میں ٹکسال قائم کی، مقتفی نے اس کے منتظم کو جس نے ٹکسال قائم کرنے کا مشورہ دیا تھا، گرفتار کر لیا، سلطان نے اس کے جواب میں مقتفی کے حاجب کو گرفتار کر لیا، اس نے سخت برہمی ظاہر کی اور تین دن تک مسجدیں بند کر دیں، اس کی یہ برہمی دیکھ کر سلطان مسعود کو مجبور ہو کر حاجب کو رہا کرنا پڑا،[1]

وہ بہ نفس نفیس لڑائیوں میں نکلتا تھا اور عام سپاہیوں کے دوش بدوش لڑتا تھا، اس نے اپنے تمام مخالفین پر فوج کشی کر کے انھیں مغلوب کر لیا،[2]

اس کی اس شجاعت و حوصلہ مندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت بغداد سلجوقیوں کے پنجہ سے بالکل آزاد ہو گئی، ابن اثیر کا بیان ہے کہ دیالمہ کی تولیت خلافت کے بعد سے مقتفی پہلا خلیفہ تھا، جس نے عراق کو سلاطین کے اثر سے چھڑا کر آزاد حکومت قائم کی اور معتضد کی ایک مستثنیٰ مثال کے سوا مستنصر کے بعد وہ پہلا فرماں روا ہے جس کو خلافت بغداد پر اختیار و اقتدار حاصل ہوا اور فوج اور عمال ان حکومت پر اس کی حکومت قائم ہوئی، وہ شجاع و جری تھا، خود لڑائیوں میں نکلتا تھا، خبر رسانی کے شعبہ پر بے دریغ خرچ کرتا تھا، ملک کے کسی گوشہ کی خبر اس سے پوشیدہ نہ رہتی تھی،[3]

ابن جوزی کا بیان ہے کہ مقتفی کے پہلے خلافت بغداد سلاطین کے زیر اقتدار تھی، خلفاء کا

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۴۴۹ [2] ایضاً ص ۴۵۲ [3] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۹۶۔

صرف نام تھا، مقتفی کے زمانہ سے عراق وبغداد کی حکومت خلفاء کے ہاتھوں میں آئی اور ان کا کوئی حریف باقی نہ رہا[1]

ابن سمعانی لکھتا ہے کہ مقتفی پسندیدہ سیرت اور حکومت میں کامیاب تھا، اس میں عقل و دانش علم وفضل تدبیر وسیاست تمام باتیں جمع تھیں، اس نے معالم امامت کو زندہ اور رسوم خلافت کو مرتب ومنظم کیا،

حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ وہ علم وفضل، علم وشجاعت اور حسن اخلاق سے آراستہ تھا اس میں سرداری کی فطری شان تھی، وہ اپنے اوصاف کے اعتبار سے امامت کے منصب کا اہل تھا، خلفاء میں اس کی نظیریں کم تھیں، کوئی چھوٹے سے چھوٹا حکم بغیر اس کے دستخط کے جاری نہ ہوتا تھا،

علم دوست اور علماء نواز بھی تھا، حدیث نبوی سے خاص ذوق رکھتا تھا، علم کے ساتھ وہ باعمل اور زاہد متورع تھا خلافت سے پہلے اس کا سارا وقت عبادت وریاضت، تلاوت قرآن اور علمی مشاغل میں گذرتا تھا[1]،

طبعاً بڑا ازم خو حلیم الطبع اور نیک سیرت تھا[2]، اس کا دور عدل و انصاف اور نیکیوں سے سرسبز وشاداب تھا[3]،

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۴۳۵ [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۹۲ [3] تاریخ الخلفاء ص ۴۵۱،

ابو المظفر یوسف بن مقتفی الملقب بہ مستنجد باللہ

۵۵۵ھ تا ۵۶۶ھ مطابق ۱۱۶۰ء تا ۱۱۷۰ء

مقتفی نے اپنی زندگی میں اپنے لڑکے یوسف کو ولیعہد نامزد کردیا تھا، لیکن مقتفی کی ایک لونڈی یوسف کو محروم کرکے اپنے لڑکے ابوعلی کو تخت نشین کرنا چاہتی تھی، چنانچہ مقتفی کے مرض الموت میں اس نے امراء اور عمائد سلطنت کو رشوتیں دے کر ملا لیا، اور یوسف کو قتل کرنے کی کوشش کی، اس کو باپ کے آخری دیدار کے بہانہ سے بلا بھیجا، جیسے ہی وہ قصر خلافت میں داخل ہوا، مسلح لونڈیوں نے جو پہلے سے متعین تھیں اس پر خنجروں سے حملہ کردیا، لیکن یوسف کی آواز پر داروغہ محل اور فراش پہنچ گئے، انھیں دیکھ کر لونڈیاں بھاگ گئیں اور یوسف بال بال بچ گیا، ابوعلی اور اس کی ماں گرفتار کرکے قید اور حملہ آور لونڈیاں قتل کردی گئیں، مقتفی کی وفات کے بعد شاہی خاندان کے تمام ارکان نے یوسف کے ہاتھوں پر بیعت کی اور ربیع الاول ۵۵۵ھ میں وہ تخت خلافت پر بیٹھا اور مستنجد باللہ لقب اختیار کیا اس وقت ۴۵ سال کی عمر تھی،

مقتفی نے خلافت بغداد سے سلجوقیوں کی مداخلت بالکل ختم کردی تھی، خود ان کی قوت بھی زوال پذیر تھی، اور ان کو اپنے معاملات سنبھالنے سے فرصت نہ تھی، اس لئے مستنجد ان کی جانب سے مطمئن رہا، صرف بعض معمولی واقعات پیش آئے، جن کا بروقت

تدارک ہوگیا،

قبیلہ خفاجہ کی بغاوت اور اس کا استیصال

عرب قبیلہ خفاجہ کو جو عراق میں آباد تھا، خلافت عباسیہ کی جانب سے بطور رسوم کچھ غذا اور کھجور ملا کرتا تھا، اس کے ملنے میں کچھ تعویق ہوگئی اس لئے ۵۵۶ھ میں وہ اس کے مطالبہ کے لئے حلہ اور کوفہ میں جمع ہوئے، امیر ارغش والی کوفہ نے دینے سے انکار کیا، حلہ کے شحنہ امیر قیصر نے بھی اس کی تائید کی، ان کے انکار پر خفاجہ نے سواد کو لوٹ لیا، امیر قیصر اور ارغش نے ان پر فوج کشی کر کے رحبہ تک تعاقب کیا، خفاجہ نے صلح کرنی چاہی، لیکن ارغش نے منظور نہ کیا، اس درمیان میں اور عرب قبائل خفاجہ کی مدد کو پہنچ گئے، ان سب نے مل کر امیر ارغش کو شکست دیدی، وہ خود زخمی ہوا اور امیر قیصر مارا گیا، اور بغدادی فوج کا بڑا حصہ تلف ہوگیا، امیر ارغش نے رحبہ میں پناہ لی، یہاں کے شحنہ نے اس کو اپنی حفاظت میں بغداد بھجوایا، اس شکست سے بغدادی فوج کو بڑا نقصان پہنچا تھا، اس لئے وزیر ابن ہبیرہ خود خفاجہ سے انتقام لینے کے لئے نکلا، لیکن وہ صحرائی علاقے میں نکل گئے اور ابن ہبیرہ کو ناکام واپس جانا پڑا، اس کی واپسی کے بعد خفاجہ نے مستنجد کے پاس کہلا بھیجا کہ ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں ہے، ہم نے جنگ سے بچنے کے لئے اپنا گھر بار تک چھوڑ دیا تھا، ہم پر فوج کشی کر کے ہم کو لڑنے پر مجبور کیا گیا، ورنہ ہم اب بھی اطاعت پر قائم ہیں، اس لئے درگذر سے کام لیا جائے، مستنجد نے انکی معذرت قبول کرلی،[1]

بنی اسد کا استیصال

قبیلہ بنی اسد بھی عراق میں آباد تھا، اور یہاں اکثر فتنہ و فساد برپا کرتا رہتا تھا، بغداد پر سلطان محمد کی فوج کشی کے زمانہ میں اس نے سلطان کی مدد کی تھی، اس لئے ۵۵۸ھ میں مستنجد نے امیر یزدن بن قماج کو حکم دیا کہ بنی اسد کو عراق سے

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ صفحہ ۱۰۲،

نکال دیا جائے، اس نے حلہ مزیدیہ میں ان کا محاصرہ کرکے ان سے ہتھیار رکھوا لئے اور چار ہزار آدمیوں کو قتل کرکے باقی پورے قبیلہ کو عراق سے نکال دیا[۱]،

سلیمان شاہ بن سلطان محمد بن ملک شاہ اول اور ارسلان شاہ بن طغرل بن محمد

سلطان محمد کا انتقال مقتفی کے آخری زمانہ ذی الحجہ ۵۵۴ھ میں ہوا تھا، اس نے کسی کو ولیعہد نہیں بنایا تھا، امیر اقسنقر احمدیلی اس کی وصیت کے مطابق اس کے صغیر السن بچے کو لیکر مراغہ چلا گیا تھا، اس لئے سلطان محمد کی وفات کے بعد اس کی جانشینی کے مسئلہ میں سلجوقی امراء میں اختلاف ہوگیا، اکثریت سلیمان شاہ بن سلطان محمد کے حق میں تھی، وہ موصل میں قید تھا، ان اسباب کی بناء پر سلطان محمد کی موت اور سلیمان شاہ کی تخت نشینی کے درمیان کئی مہینہ کا وقفہ ہوگیا، اس دوران میں مقتفی کی موت اور مستنجد کی تخت نشینی کے تمام مراحل طے ہوگئے اور سلطان سلیمان شاہ سلطان محمد کی وفات کے چھ مہینے بعد ربیع الاول ۵۵۵ھ میں تخت نشین ہوا[۲]،

لیکن یہ بڑا نااہل ثابت ہوا، اسے امور مملکت سے کوئی سروکار نہ تھا، ہر وقت شراب میں مست رہتا تھا، دربار میں بھانڈوں اور مسخروں کا مجمع تھا، امراء و ارکان دولت کی کوئی عزت نہ تھی، انھیں مشکل سے باریابی کا موقع ملتا تھا، مسخروں کے مقابلہ میں علانیہ ان کی تحقیر ہوتی تھی، اس لئے وہ سب اس کے خلاف ہوگئے، اس کے کاربردار سلطنت شرف الدین کردباز نے ہر چند سمجھانے کی کوشش کی، لیکن سلیمان پر کوئی اثر نہ ہوا، اور الٹے مسخروں سے شرف الدین کو مذاق اڑوایا، اس لئے وہ بھی خلاف ہوگیا، اور اتابک شمس الدین ایلدکز والی آذربیجان سے مل کر شوال ۵۵۵ھ میں سلیمان کو گرفتار

---

[۱] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۱۱ [۲] ایضاً ص ۹۵ و ص ۹۶ و راحۃ الصدور ص ۲۷۵،

کر کے معزول کر دیا، اور ارسلان شاہ بن طغرل بن محمد کو تخت نشین کیا،[1]

معزولی کے چند مہینوں بعد سلیمان شاہ ربیع الثانی ۵۵۶ھ میں قتل کر دیا گیا، اسکی مدت حکومت کل سات آٹھ مہینے تھی،

ارسلان شاہ کے باپ کی وفات کے وقت اس کی عمر ایک سال سے بھی کم تھی سلطان مسعود نے اس کی پرورش کی تھی اور امیر شمس الدین ایلدگز اسکا اتالیق مقرر کیا تھا شمس الدین نے اس کی بیوہ ماں سے شادی بھی کر لی تھی، اس لئے ارسلان شاہ کو بہت عزیز رکھتا تھا، اور ہمیشہ اس کا ہوا خواہ رہا،

وہ سلطان مسعود کے ممتاز امرا میں تھا، اس نے سلجوقی خاندان کی خانہ جنگی میں کوئی حصہ نہ لیا تھا، اور اپنے علاقہ اران و آذربیجان کے انتظام میں مصروف رہا، اس لئے اس کی قوت بالکل محفوظ تھی، اور اس نے بڑی عظمت و شان حاصل کر لی تھی،[2]

اس نے ارسلان کو سلیمان شاہ کا ولیعہد بھی بنوایا تھا، پھر سلیمان کی معزولی کے بعد اسی کی کوشش سے ارسلان کو تاج و تخت ملا، اس نے بھی ایلدگز کی بڑی قدر دانی کی، اور تخت نشینی کے بعد اس کو سلطنت کا مختار کل بنا دیا،[3]

اگرچہ ارسلان صرف نام کا بادشاہ تھا، اختیارات تمام تر شمس الدین کے ہاتھوں میں تھے، لیکن وہ ہمیشہ ارسلان کا ہوا خواہ رہا، انتظامی صلاحیت بھی رکھتا تھا، سلجوقی حکومت کا بگڑا ہوا نظام دوبارہ قائم کر دیا، اور اس کی بھی کوشش کی کہ سلطان مسعود کے زمانہ میں سلجوقی حکومت اور خلافت بغداد کے درمیان جو تعلقات و روابط تھے وہ پھر قائم ہو جائیں اور بغداد میں ارسلان کے نام کا خطبہ پڑھا جائے، لیکن ان تعلقات کی تجدید کے معنی یہ تھے کہ پھر

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۹۹ و ۱۰۰ و راحۃ الصدور ص ۲۷۷، ۲۷۸ [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۰۰ [3] راحۃ الصدور ص ۲۸۳ و تاریخ دولت آل سلجوق ص ۲۸۰ و تاریخ گزیدہ

خلافت بغداد میں سلجوقیوں کو مداخلت کا موقع مل جاتا، اس لئے اس میں کامیابی نہ ہوئی اور شمس الدین کا قاصد بغداد سے نہایت ذلت کے ساتھ واپس کر دیا گیا،[1]

ارسلان کی تخت نشینی کے وقت کئی سلجوقی شاہزادے مختلف مقامات میں تھے، اور ان میں سے ہر ایک کو کسی نہ کسی امیر کی حمایت حاصل تھی، سلطان محمد کا لڑکا امیر آقسنقر احمدیلی کے پاس مراغہ میں تھا، خود ارسلان کا بھائی [illegible] بن طغرل فارس میں تھا، اور امیر حسام الدین اینانج والی رے اور امیر عز الدین صتمار والی اصفہان اس کے حامی تھے،[2] ابن اثیر کے بیان کے مطابق ایک اور شاہزادہ محمد بن ملک شاہ، زنگی بن وکلا سلغری والی فارس کے پاس تھا، ان امرار کی اطاعت کے بغیر ارسلان شاہ کی حکومت کے لئے خطرات تھے اس لئے امیر شمس الدین نے انکو ارسلان شاہ کی اطاعت قبول کرنے کے لئے لکھا،

خلافت بغداد اور امیر شمس الدین کے تعلقات کشیدہ تھے، اور عباسی وزیر ابن ہبیرہ اس کی جانب سے مطمئن نہ تھا، اس لئے اس نے ان امرار کو ان شاہزادوں کے خطبہ کی طمع دلا کر شمس الدین کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا، اور خود ان کو بھی آپس میں لڑانے کی کوشش کی،[3]

امیر شمس الدین ایلدکز نے عز الدین صتمار اور حسام الدین اینانج پر فوج کشی کر کے ان کو مغلوب کر لیا،[4] زنگی بن وکلا سلغری والی فارس نے ابتدا میں اس کا پورا مقابلہ کیا لیکن پھر اینانج وغیرہ کو فوجی مدد دے کر خود خاموش ہو گیا تھا، البتہ آقسنقر کو شمس الدین زیر نہ کر سکا اس نے اس کے لڑکے پہلوان کو جو ارسلان شاہ کا ماں جایا بھائی تھا، بڑی فاش شکست دی، لیکن اور دوسرے امرار کی اطاعت کے بعد آقسنقر سے کوئی خاص خطرہ نہ رہ گیا تھا،

---

۱ ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۰۰ ۲ راحۃ الصدور ص ۲۸۶ ۳ ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۰۰، ۱۰۱

۴ راحۃ الصدور ص ۲۸۶،

اس لئے شمس الدین خاموش ہوگیا،

ان مہموں میں شمس الدین کی مشغولیت کے زمانہ میں، ابخازی کرجوں نے آذربیجان کو خالی پاکر حملہ کردیا، اور اس کے سرحدی شہر ودین پر قبضہ کرکے اسے لوٹ کر ویران کردیا دس ہزار آدمی قتل اور بہت سے مرد اور عورتیں گرفتار کرکے ان کی بے حرمتی کی، شمس الدین نے اندرونی لڑائیوں سے فراغت کے بعد ارسلان شاہ، امیر آقسنقر اور شاہ ارمن والی خلاط کو ساتھ لے کر پچاس ہزار فوج کے ساتھ کرج پر فوج کشی کرکے انھیں شکست دی، اور ان کی بڑی تعداد قتل و گرفتار ہوئی، ابخاز کا فرماں روا اسیر ہوا، اور اس کے بہت سے مقبوضات قبضہ میں آئے[1]،

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سلجوقی حکومت اور خلافت بغداد کے تعلقات اچھے نہ تھے، ایک سلجوقی شاہزادہ شملہ والی خوزستان کے پاس تھا، ۵۶۱ھ میں ارسلان شاہ نے اسکو خلافت عباسیہ کے علاقہ بصرہ اور واسط کی حکومت کا پروانہ دیدیا، شملہ، قلعہ ماہکی پر فوج کشی کرکے مستنجد سے عراق کے بعض حصوں کی حکومت کا طالب ہوا، مستنجد نے اس کے مقابلہ کیلئے فوجیں روانہ کیں، اور ایک شخص یوسف دمشقی کو علیحدہ بھیجا کہ وہ شملہ کو ڈرا دھمکا کر واپس کردے، شملہ نے اس کو سلطان کا پروانہ دکھایا، اور کہا کہ اگر مجھ کو اس کا ایک تہائی حصہ بھی مل جائے تو میں اس پر قناعت کرلوں گا، یوسف نے واپس جاکر مستنجد سے صورت حال بیان کی، اس دوران میں عباسی امیر ارغش مسترشدی نے شملہ کے بھتیجے قلج ارسلان پر حملہ کرکے اس کو گرفتار کرلیا، اس کی گرفتاری کے بعد شملہ نے صلح کی کوشش کی، لیکن مستنجد نے منظور نہ کی اور شملہ اپنی قوت کمزور دیکھ کر لوٹ گیا[2]،

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۰۷، و راحۃ الصدور ص ۲۸۷ و تاریخ گزیدہ ص ۴۷۱ [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۲۳،

باطنی | سلطان مسعود نے اپنے زمانہ میں باطنیوں کی قوت توڑ دی تھی، لیکن اس کے بعد کی خانہ جنگی سے پھر ان کو اُبھرنے کا موقع مل گیا، اور انھوں نے قزوین کے نواح میں ایک قلعہ تعمیر کرکے اس میں سامان جنگ کا ذخیرہ جمع کر لیا، اس لئے ابخاز کی مہم سے فراغت کے بعد ارسلان شاہ قزوین پہنچا اور باطنیوں کو قتل کرکے قلعہ مسمار کر دیا، ان کا دوسرا مرکز قہاب تھا، یہاں بھی ان کا ایک سنگین قلعہ تھا، قزوین کے بعد ارسلان نے قہاب کے قلعہ کو فتح کرکے ارسلان کشا اس کا نام رکھا اور باطنیوں سے حفاظت کے لئے یہاں نبرد آزما سپاہیوں کا ایک دستہ متعین کیا، اس مہم سے واپسی میں زنگی بن دکلا سلغری والی فارس نے بھی ارسلان شاہ کی اطاعت قبول کر لی[1]،

نورالدین زنگی اور مجاہدات صلیبی | ۵۵۱ھ تک نورالدین زنگی کے مجاہدات کا حال اوپر گذر چکا ہے، اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً اس کا سلسلہ قائم رہا، لیکن کوئی اہم واقعہ پیش نہیں آیا اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ۵۵۱ھ میں نورالدین نے حصن حارم پر فوج کشی کی تھی، اور فرنگیوں نے حارم کی آدھی ولایت دے کر صلح کر لی تھی، اس کے بعد ۵۵۷ھ میں دوسری مرتبہ فوجکشی کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی، تیسری مرتبہ ۵۵۹ھ میں اپنے زیر اثر تمام امراء اور فرمانرواؤں کو جمع کرکے بڑے اہتمام سے فوجکشی کی، شام کے کل عیسائی اسکے مقابلہ کے لئے متحد ہو گئے، بڑے بڑے خانقاہ نشین راہب تک حجروں سے نکل اور شام کے سارے فرنگی فرمانرواؤں نے ملکر متحدہ مقابلہ کیا، تین مہینہ کی خونریز معرکہ آرائی کے بعد صلیبیوں کو بڑی فاش شکست ہوئی ان کے بہت سے ممتاز امراء و فرمانروا بوہمینڈ والی انطاکیہ، قمص والی طرابلس، جنرل ڈیوک اور جوسلین کے لڑکے وغیرہ گرفتار ہوئے اور رمضان ۵۵۹ھ میں حارم پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، بوہمینڈ نے زر فدیہ ادا کرکے رہائی حاصل کی[2]،

---

[1] راحۃ الصدور ص ۲۸۹ و ۲۹۰ [2] تاریخ اتابکیہ موصل ص ۲۲۱ تا ۳۲۲ ملخصاً،

حارم پر قبضہ کے بعد ۵۶۰ھ میں بانیاس پر فوج کشی کی حارم کی شکست سے صلیبیوں کو بڑا نقصان پہنچا تھا، انھوں نے نئی قوت فراہم کرنے کی کوشش کی لیکن اس سے پہلے ہی نورالدین نے بانیاس کو فتح کر لیا اور اسکی حفاظت کا سامان کر کے واپس گیا، پھر ۵۶۱ھ میں حصن منیطرہ پر قبضہ کر لیا،

فاطمیۂ مصر کی حالت اسی سنہ میں نورالدین کے نامور امیر اسدالدین شیرکوہ نے فاطمی وزیر شاور سعدی کی دعوت پر مصر پر پہلی مرتبہ فوج کشی کی، اسکی تفصیل یہ ہے کہ پانچویں صدی کے آخر سے فاطمیۂ مصر پر زوال طاری ہو گیا تھا، سیوطی کا بیان ہے کہ مستنصر باللہ فاطمی (۴۲۷ھ – ۴۸۷ھ) کے زمانہ سے مصر کی حکومت کا نظام بگڑ گیا تھا، خلفاء کی حیثیت اور ان کے اختیارات ختم ہو گئے تھے، اور حکومت تمامتر وزراء امراء کے ہاتھوں میں آگئی تھی، ان کے مقابلہ میں خلفاء کی بے بسی کا وہی حال ہو گیا تھا، جو دیالمہ کے دور عروج میں عباسی خلفاء کا تھا،[1]
پھر ان وزراء و امراء کی خود غرضی اور آپس کی کشمکش کی وجہ سے حالت اور گرتی گئی اور نورالدین کے زمانہ میں اس کا حال دمشق کی بوری حکومت کے جیسا ہو گیا تھا، وزراء کو اپنے جاہ و اقتدار کے تحفظ سے فرصت نہ تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۵۴۸ھ میں صلیبیوں نے عسقلان پر جو شام میں مصری حکومت کا نہایت اہم مقبوضہ تھا، قبضہ کر لیا،[2]
اس کے نکل جانے سے فاطمیہ کو بڑا نقصان پہنچا، فائز باللہ فاطمی (۵۴۹ھ – ۵۵۵ھ) کے زمانہ میں یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ وہ اپنی حکومت کو صلیبیوں سے بچانے کے لئے ان کو سالانہ رقم دیتا تھا،[3]
فائز کے بعد اس کے وزیر طلائع بن رزیک الملقب بہ الملک الصالح نے فاطمی خاندان کے ایک نوعمر لڑکے عاضد کو تخت نشین کیا، اور اپنی لڑکی اس کے ساتھ بیاہ کر حکومت مصر کا

---

[1] حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۱۰ [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۷ [3] ایضاً ج ۱۱ ص ۱۰۹ و ۱۱۰،

مختار کل بن گیا، اور ان تمام امرار کو جن کی جانب سے مزاحمت کا خطرہ ہو سکتا تھا، قاہرہ سے باہر مختلف مقاموں پر بھیج دیا، اس کے استبداد سے تمام امرار اس کے خلاف ہو گئے اور خود عاضد کی پھوپھی نے جو حرم سلطانی کے اندر اس کے استبداد سے نالاں تھی، امرار کو ملا کر طلائع کو قتل کرادیا، اس کے قتل کے بعد عاضد نے اس کے لڑکے زریک بن طلائع الملقب بہ الملک العادل کو منصب وزارت عطا کیا،

طلائع کے زمانہ ہی میں اس کے ساختہ و پرداختہ ایک امیر شاور سعدی والی صعید مصر نے اتنا عروج حاصل کر لیا تھا، کہ خود طلائع اس سے ڈرتا تھا، اور اپنے لڑکے زریک کو وصیت کرتا گیا تھا کہ شاور کو نہ چھیڑنا، ورنہ نقصان اٹھاؤ گے، لیکن اس نے ناتجربہ کاری سے شاور کی معزولی کا پروانہ جاری کر دیا، اس نے قاہرہ پر فوج کشی کر دی، اور زریک کو قتل کر کے اس کے منصب پر قابض ہو گیا، لیکن چند ہی دنوں کے بعد ایک دوسرے فاطمی امیر ضرغام نے اس کو نکال دیا، اور اپنے تحفظ کے لئے تمام فاطمی امراء کو چن چن کر قتل کرادیا[1]

مصر پر شیرکوہ کی فوج کشی

شاور مصر سے نکل کر شام پہنچا اور نور الدین سے درخواست کی کہ اگر وہ اسکو اسکے منصب پر بحال کرادے تو وہ مصر کے ایک تہائی حصہ پر اس کا قبضہ کرادیگا، اور اس کی ہدایت کے مطابق مصر کی حکومت چلائے گا، مصر پر قبضہ نور الدین کے اصل مقصد صلیبیوں کے مقابلہ کے لئے نہایت مفید تھا، لیکن مختلف اسباب کی بنا پر اس کو مصر پر فوج کشی میں تامل ہوا، پھر غور و فکر کے بعد ۵۴۹ھ میں اس نے اپنے نامور اور تجربہ کار امیر اسد الدین شیرکوہ[2] سے

ل[1] یہ حالات ابن اثیر کے مختلف سنین سے ماخوذ ہیں [2] نور الدین کے زمانہ میں ایک نیا خاندان ایوبی پیدا ہوا، اسد الدین شیرکوہ اسی کا ایک ممتاز رکن تھا، اتابکی حکومت کے دامن میں اس خاندان کی نشو و نما ہوئی، اسنے کارناموں سے اس نے اتنی ترقی کی کہ فاطمی حکومت کو ختم کر کے مصر میں ایوبی حکومت قائم کر لی، (بقیہ حاشیہ ضمیمہ ۳۵)

کو فوجیں دے کر شاور کے ساتھ کر دیا، اس کے حریف ضرغام میں اتابکی فوجوں کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس لئے وہ قاہرہ چھوڑ کر نکل گیا اور شاور کو اس کا منصب حاصل ہو گیا، لیکن اسوقت اس نے سارے وعدے فراموش کر دیئے اور اسد الدین کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ شام لوٹ جائے،

(بقیہ حاشیہ ۲۴۹) اور نور الدین کی وفات کے بعد، اس کے نامور فرماں روا صلاح الدین ایوبی نے صلیبی مجاہدات میں اس کی نیابت کی، اور بیت المقدس کو عیسائیوں کے ہاتھ سے چھڑایا، جس کی تفصیل آیندہ آئیگی، اس خاندان کی مختصر تاریخ یہ ہے، ایوبی خاندان صلاح الدین ایوبی کے والد نجم الدین ایوب کی جانب منسوب ہے، نجم الدین کا باپ شادی بن مروان نسلاً کرد اور آذربیجان کے علاقہ دوین کے عمائد میں تھا، بعض روایتیں اس کے عربی النسل ہونے کی بھی ہیں، لیکن وہ سراسر غلط ہیں،[۱] شادی کا ایک ہموطن اور دوست مجاہد الدین بہروز سلطان مسعود سلجوقی کے دربار سے متوسل ہو گیا تھا، اور اپنی قابلیت و کارگذاری سے بڑی ترقی حاصل کی، جمال الدولہ کے لقب سے ملقب اور بڑے بڑے مناصب پر ممتاز ہوا اور اس کا شمار ممتاز سلجوقی امراء میں ہونے لگا، اس کے اور شادی کے بڑے گہرے تعلقات تھے، اس نے شادی کو فائدہ پہنچانے کے لئے اپنے پاس بلا بھیجا، وہ مع اہل وعیال کے شادی کے پاس چلا گیا، اس نے اسکی بڑی مدارات کی،

کچھ دنوں کے بعد سلطان مسعود نے مجاہد الدین کو بغداد کی شحنگی پر مامور کیا، وہ شادی کو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا، اور اس کو تکریت کے قلعہ کا حاکم بنا دیا، لیکن چند ہی دنوں کے بعد شادی کا انتقال ہو گیا، اس کے دو لڑکے تھے، نجم الدین ایوب اور اسد الدین شیرکوہ شادی کے بعد بڑے لڑکے نجم الدین کو باپ کی جگہ ملی اس نے بڑی قابلیت اور خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دیئے،[۲]

اسی زمانہ میں عماد الدین زنگی کو سلجوقی امیر قراجہ ساقی کے مقابلہ میں شکست ہوئی، واپسی میں وہ تکریت پہنچا، نجم الدین نے اس کے لئے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کر دیں، دجلہ عبور کرنے کیلئے کشتیاں

[۱] ابن خلکان ج ۲ صفحہ ۳۷۶ [۲] ابن خلکان ج اول صفحہ ۸۵

اس کی اس بدعہدی پر اسد الدین نے بلبیس اور مصر کے مشرقی حصہ پر قبضہ کر لیا، شاور میں اس کو روکنے کی طاقت نہ تھی، وہ صلیبیوں سے مدد کا طالب ہوا، مصر پر نور الدین کا قبضہ ان کے لئے پیام موت تھا، اس کے علاوہ شاور کی دعوت پر خود انھیں مصر پر

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۰) کا سامان کر دیا، اس سے عماد الدین بہت متاثر ہوا، اس طرح اتابکی خاندان سے نجم الدین کے تعارف کا آغاز ہوا، چند دنوں کے بعد نجم الدین کے چھوٹے بھائی اسد الدین شیرکوہ نے جو اس کے ساتھ تکریت میں تھا ایک شخص کو قتل کر دیا، اس لئے مجاہد الدین نے دونوں بھائیوں کو الگ کر دیا، عماد الدین سے نجم الدین کا تعارف ہو چکا تھا، اس لئے وہ تکریت سے نکل کر موصل پہنچا، عماد الدین نے اسے اپنی فوج میں داخل کر کے جاگیر عطا کی، پھر بعلبک پر قبضہ کے بعد نجم الدین کو اس کا حاکم بنا دیا، اور اسد الدین کو اپنے لڑکے نور الدین کی خدمت پر مامور کیا،

عماد الدین زنگی کی موت کے بعد مجیر الدین آبق فرماں روائے دمشق نے بعلبک پر فوج کشی کر دی، نجم الدین کے پاس مقابلہ کی قوت نہ تھی، عماد الدین کا لڑکا سیف الدین غازی دوسری مہموں میں مشغول تھا، اس لئے وہ بھی مدد نہ بھیج سکا، نجم الدین نے جب دیکھا کہ بعلبک کا بچانا اس کے امکان سے باہر ہے تو مجیر الدین آبق سے سمجھوتہ کر کے بعلبک اس کے حوالہ کر دیا، اس کے صلہ میں مجیر الدین نے اس کو اپنے امراء میں داخل کر لیا، نجم الدین نے اپنی قابلیت وکارگذاری سے دمشق میں بڑا اثر و رسوخ قائم کر لیا

اسد الدین شیرکوہ برابر نور الدین ہی کی خدمت میں رہا، وہ اپنے خاندان میں سب سے زیادہ بہادر شجاع اور نور الدین کی فتوحات میں اس کا دست راست تھا، نور الدین بھی اس کا بڑا قدردان تھا، اسکو جاگیر عطا کی اور اتابکی فوج کا سپہ سالار اعظم بنا دیا، نور الدین نے جب دمشق پر فوج کشی کی تو اسد الدین نے اپنے بھائی نجم الدین کو لکھ کر جس کا دمشق میں بڑا اثر تھا، دمشق پر قبضہ کرا دیا، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اس خدمت کے صلہ میں نور الدین نے دونوں بھائیوں کو دمشق میں بہت بڑی جاگیر دی (بقیہ حاشیہ ص ۲۵۲ پر)

قبضہ کر لینے کا خیال پیدا ہو گیا، چنانچہ بیت المقدس کا فرنگی فرماں روا اموری فوجیں لیکر مصر پہنچا، اسد الدین کے پاس زیادہ قوت نہ تھی، اس لئے وہ بلبیس چلا آیا، مصریوں اور صلیبیوں نے مل کر بلبیس کا محاصرہ کر لیا، اسد الدین تین مہینے تک بڑی پامردی کے ساتھ مدافعت کرتا رہا،

(بقیہ حاشیہ ص۲۵۱) ۔ ۔ نجم الدین بھی نور الدین کے دامن سے وابستہ ہو گیا، (دولت اتابکیہ موصل ص ۳۱۳، ۳۱۵)

اسی نجم الدین کا فرزند صلاح الدین ایوبی تھا، صلاح الدین ۵۳۲ھ میں تکریت میں جب نجم الدین وہاں کا حاکم تھا پیدا ہوا، اس کی ولادت کے بعد ہی نجم الدین کو تکریت چھوڑنا پڑا، اس لئے صلاح الدین کی ولادت نامسعود سمجھی گئی، لیکن یہی مولود نامسعود آگے چل کر جنگ صلیبی کا ہیرو بنا، صلاح الدین برابر باپ کے ساتھ رہا، دمشق پر نور الدین کے قبضہ کے وقت اس کی عمر سولہ سترہ سال سے زیادہ نہ تھی، اس وقت سے وہ برابر نور الدین کے ساتھ رہا، اسی زمانہ سے اس میں بلندی کے آثار نمایاں تھے، اسلئے اس پر نور الدین کی بڑی نظر توجہ تھی، اور وہ اسے بہت مانتا تھا، اسی کے فیض صحبت و تربیت سے صلاح الدین میں وہ کمالات پیدا ہوئے، جنھوں نے آگے چل کر اسکو صلاح الدین اعظم بنایا (ابن خلکان ج ۲ ص ۴۷)

وہ نوعمری ہی سے بڑے بڑے معرکوں میں شریک ہوتا تھا، ۵۶۴ھ میں مصر کی فوج کشی میں اپنے چچا کے ساتھ تھا، اسکی وفات پر مصر کے عہدۂ وزارت پر ممتاز ہوا، جو اس کی آیندہ زندگی کا دیباچہ ثابت ہوئی،

بعض واقعات عجیب و غریب طریقہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں، اور وہ امور جو بظاہر ایک شخص کے لئے باعث تکلیف ہوتے ہیں، اور جن کو وہ قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا، آیندہ ترقی کا ذریعہ بن جاتے ہیں، صلاح الدین مصر کی فوج کشی میں جو اس کی ترقیوں کا سنگ بنیاد تھی، بادل ناخواستہ بلکہ جبری شریک ہوا تھا، اس کا بیان ہے کہ جب سلطان نور الدین نے (بقیہ حاشیہ ص۲۵۳ پر)

نورالدین کو جس وقت مصر پر صلیبیوں کی فوج کشی کی خبر ہوئی تھی، اسی وقت ان کو روکنے کے لیے اس نے ان کے علاقہ حارم پر فوج کشی کر دی تھی، جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، چنانچہ صلیبیوں کے بلبیس کے محاصرہ کے دوران ہی میں حارم پر نورالدین کے قبضہ اور بانیاس پر فوج کشی کی خبر آگئی، اس لئے صلیبی اس کو بچانے کے لئے محاصرہ اٹھا کر شام لوٹ گئے، لیکن ان کے پہنچتے پہنچتے بانیاس پر بھی نورالدین کا قبضہ ہو چکا تھا، ان کی واپسی کے بعد اسدالدین بھی شام لوٹ گیا[۱] اس کو شاور کی بدعہدی اور صلیبیوں سے استمداد پر بڑی برہمی تھی، اس لئے مصر سے واپسی کے بعد ہی سے وہ نورالدین کو دوبارہ اس پر فوج کشی کے لئے آمادہ کرتا رہا، دو سال کے بعد اس نے اجازت دیدی، اور ۵۶۲ھ میں اسدالدین نے دوسری مرتبہ فوج کشی کی اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۲) میرے چچا نجم الدین کو مصر جانے کا حکم دیا تو وہ خود خوشدلی سے آمادہ نہ تھا لیکن نورالدین کے اصرار سے وہ مجبور ہو گیا، اور اس نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا، اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے دل میں چھری بھونک دی، میں نے کہا گذشتہ فوج کشی میں اسکندریہ میں میں نے جو تکلیفیں اٹھائی ہیں انھیں کبھی بھول نہیں سکتا، اگر اب مجھے مصر کی حکومت بھی دیجائے تو بھی میں نہ جاؤنگا، اس نے نورالدین سے کہا کہ صلاح الدین کا میرے ساتھ جانا ضروری ہے، اس نے مجھے حکم دیا، میں نے سامان کی کمی کا عذر کیا، لیکن کچھ نہ سنا اور میرے لئے سامان مہیا کر دیا، اور مجھے چار و ناچار جانا پڑا، لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجھے موت کی طرف لئے جا رہے ہیں، لیکن یہی موت کا راستہ میرے لئے حکومت کا ذریعہ بن گیا (دولت اتابکیہ موصل صفحہ ۲۵۴) اگر تقدیر صلاح الدین کو کشاں کشاں مصر نہ لے گئی ہوتی تو غالباً تاریخ میں اس کی حیثیت ایک معمولی اتابکی امیر سے زیادہ نہ ہوتی عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ کے یہی معنی ہیں،

[۱] تاریخ دولت اتابکیہ موصل ص ۲۱۵ تا ۲۱۷ ملخصاً

دریائے نیل کو عبور کرکے مصر کے مغربی علاقہ پر قبضہ کرلیا، مصریوں نے اس کو روکنے کے لئے پھر صلیبیوں کی جانب رجوع کیا اس مرتبہ وہ پہلے سے بھی زیادہ تیاری اور جوش کے ساتھ مصر پہنچے، اسد الدین اس وقت صعید مصر میں تھا، اس کے پاس کل ایک ہزار سپاہ تھی، اور صلیبیوں کی قوت اس سے کہیں زیادہ تھی، جاسوسوں نے اسد الدین کو اسکی اطلاع دی اسکو خود صلیبیوں کی کثرت تعداد کی پرواہ نہ تھی، لیکن اسے خطرہ تھا کہ ملک کی اجنبیت، سامان رسد کی قلت اور مرکز سے دوری کی بنا پر دوسرے ساتھی کمزوری نہ دکھائیں، اس لئے ان سے مشورہ کیا، انھوں نے جنگ کی مشکلات اور دشواریاں بیان کرکے واپس چلنے کی رائے دی، لیکن نور الدین کے ایک بہادر غلام شرف الدین برغش نے کہا جو شخص قتل و گرفتاری سے ڈرتا ہو اسے سلاطین کی ملازمت نہ کرنی چاہیئے، بلکہ کاشتکار بننا چاہیئے، اور گھر میں عورتوں کے ساتھ بیٹھنا چاہیئے اگر تم لوگ کامیابی حاصل کئے بغیر واپس گئے تو سلطان کو کیا منہ دکھاؤگے، اسی دن کے لئے اس نے تم کو بڑی بڑی جاگیریں دی ہیں، سلطان کو حق ہوگا کہ وہ ان کو تم سے چھین لے، مسلمانوں کا مال تو لیتے ہو اور ان کے دشمنوں کے مقابلہ سے منہ موڑتے ہو، مصر جیسے ملک کو کافروں کے ہاتھوں میں چھوڑے جاتے ہو" اس پرجوش تقریر پر سب کی رائے بدل گئی، اور وہ نہایت جوش سے مقابلہ کے لئے آمادہ ہوگئے، اس دوران میں مصری اور صلیبی فوجیں بھی پہنچ گئیں، بابین میں دونوں کا مقابلہ ہوا اور اتابکی فوجوں کی جانبازی اور اسد الدین کی جنگی قابلیت سے کل ایک ہزار مسلمانوں نے بے شمار صلیبی اور مصری فوجوں کو بڑی فاش شکست دی، ان کی بڑی تعداد قتل و گرفتار ہوئی، اس کامیابی سے اتابکی فوجوں کا حوصلہ بہت بڑھ گیا، اور اسد الدین ساحلی علاقہ فتح کرتا ہوا، اسکندریہ تک بڑھتا چلا گیا، یہاں کے باشندوں نے بغیر کسی مزاحمت کے شہر حوالہ کردیا، اسد الدین نے اس کی حفاظت کے لئے

اپنے بھتیجے صلاح الدین کو چھوڑ کر صعید مصر کے باقی علاقہ کو زیر نگیں کیا، اس دوران میں مصری اور صلیبی دوبارہ تیاری کر کے اسکندریہ پہنچے، اسد الدین کو خبر ہوئی تو وہ فوراً اسکندریہ واپس آیا، لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی، مصریوں نے بطور تاوان جنگ کے پچاس ہزار اشرفی اسد الدین کو دے کر صلح کر لی، اس نے اس شرط پر منظور کیا کہ صلیبی مصر کو بالکل خالی کر دیں گے، اس کا ایک قریہ بھی ان کے پاس نہ رہنے پائے گا، اور اسکندریہ حکومت مصر کو واپس دے کر ذیقعدہ ۵۶۲ھ میں شام واپس گیا[1]

مصری حکومت میں کوئی دم نہ تھا، وہ دوسروں کے سہارے پر جی رہی تھی، اس لئے اسد الدین کی واپسی کے بعد صلیبیوں نے اس کو مجبور کر کے اس پر راضی کر لیا کہ ان کا ایک شحنہ مصر میں رہا کریگا، قاہرہ کے شہر پناہ کی حفاظت فرنگی افسروں کے ہاتھ میں رہے گی، اور اس کے معاوضہ میں مصری حکومت ان کو ایک لاکھ اشرفی سالانہ ادا کرے گی،

ان شرائط کے بعد صلیبی مصر کی حکومت میں پورے طور سے دخیل ہو گئے، بلکہ اس پر ان کا تسلط ہو گیا، اور انھوں نے مسلمانوں پر بڑے مظالم کئے، اور اموری فرماں روائے یروشلم کو لکھ بھیجا کہ اس وقت مصر میں کوئی مزاحم قوت موجود نہیں ہے، اس پر قبضہ کر لینے کا یہ بہترین موقع ہے، دوسرے فرنگی فرماں رواؤں نے بھی اس کی تائید کی لیکن خود اموری اس کے خلاف تھا، وہ کہتا تھا کہ مصر کی آمدنی کا ایک معتدبہ حصہ اس وقت بھی ہم کو مل رہا ہے، جس کے ذریعہ ہم نور الدین کا مقابلہ کر سکتے ہیں، اگر ہم نے مستقل قبضہ کرنے کا ارادہ کیا تو مصر کی حکومت اور رعایا دونوں ہمارے خلاف اور ہمارے مقابلہ میں نور الدین کو مصر حوالہ کر دینے پر تیار ہو جائیں گے اور مصر پر اس کا قبضہ ہمارے لئے

[1] تاریخ دولت اتابکیۂ موصل ص ۲۳۰ تا ۲۳۲ ملخصاً،

پیام موت ہے، پھر وہ ہم کو شام سے نکالے بغیر نہ رہے گا، لیکن دوسرے فرنگی امرا اور فرماں رواؤں نے اس کو مجبور کیا کہ اس وقت مصر بالکل خالی ہے، اگر فوراً فوج کشی کردیجائے تو جب تک نورالدین کو خبر ہوگی اور وہ فوج بھیجے گا، اس وقت تک ہم اس پر قابض ہوچکے ہونگے اور خود اس کے لئے ہمارا مقابلہ دشوار ہوجائے گا، ان کے اصرار پر اموری کو بادل ناخواستہ مصر پر فوج کشی کرنی پڑی اور اس نے بلبیس پر قبضہ کرکے اس کو لوٹ کر ویران کرڈالا، اور اس کی پوری آبادی قید کرلی، بلبیس کے بعد قاہرہ کا محاصرہ کیا، بلبیس کے انجام کو دیکھکر قاہرہ والوں نے مدافعت میں جان لڑادی اور صلیبیوں کو شہر میں نہ داخل ہونے دیا، لیکن بیرونی امداد کے بغیر زیادہ دنوں تک ان کا روکنا ان کے لئے مشکل تھا، اس لئے شاور نے آگ لگاکر شہر کو جلوادیا، اور عاضد نے اپنی بیوی کے بال تراش کر نورالدین کے پاس بھیجے کہ وہ تم سے مدد کی خواستگار ہیں، کہ انھیں فرنگیوں کے ہاتھ سے بچاؤ، اسی مضمون کا خط اسدالدین کے پاس بھی بھیجا، اور اس کے معاوضہ میں مصر کا تہائی ملک پیش کیا، اس پر نورالدین نے ۵۶۴ھ میں شیرکوہ کو ایک بڑی فوج کے ساتھ مصر روانہ کیا، اس مرتبہ خود مصری صلیبیوں کے خلاف ہوگئے تھے اور ان میں تنہا اسدالدین کے مقابلہ کی ہمت نہ تھی، اسلئے اس کے مصر پہنچنے کے بعد انھوں نے مصر چھوڑ دیا، اور ربیع الاول سنہ مذکور میں اسدالدین قاہرہ پہنچ گیا، عاضد نے اسے خلعت عطا کیا، اور بڑی فیاضی کے ساتھ پوری فوج کی میزبانی کی اور اسے انعامات دئے،

صلیبیوں کی مصیبت ٹلنے کی بعد اس مرتبہ بھی شاور کی نیت میں فتور آگیا وہ اتابکی فوج کی پذیرائی کو اور مصر کا ایک جزو بھی نورالدین کو دینا پسند نہ کرتا تھا، لیکن عاضد کی وجہ سے مخالفت نہ کرسکا، اور اس معاملہ کو ٹالتا رہا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ مصر کی اب کوئی صورت

نظر نہ آئی تو اس نے شیرکوہ کو دعوت کے بہانہ سے بلاکر گرفتار کر لینے کا ارادہ کیا، اس کے لڑکے کامل میں ملی حمیت تھی، اس نے مخالفت کی اور باپ سے کہا اگر آپ اس ارادہ سے باز نہ آئے تو میں شیرکوہ کو اس کی اطلاع دیدوں گا، شاور نے کہا اگر میں اس کو گرفتار نہیں کرتا ہوں تو ہم سب قتل کر دیئے جائیں گے، کامل نے کہا یہ صحیح ہے لیکن اگر ہم اسلام کی حالت میں قتل کر دئے جائیں اور مصر مسلمانوں کے قبضہ میں باقی رہے تو وہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ ہم قتل بھی کئے جائیں اور مصر فرنگیوں کے ہاتھ میں چلا جائے، جیسے ہی ان کو شیرکوہ کی گرفتاری کی خبر ہوگی وہ فوراً پہنچ جائیں گے، اس وقت اگر عاضد خود بھی نورالدین کے پاس جائیگا تو وہ ایک سوار بھی مدد کے لئے نہ بھیجے گا، اور صلیبی مصر پر قابض ہونے کے بعد سخت فساد برپا کریں گے، کامل کے اصرار سے شاور اپنے فاسد ارادہ سے باز آگیا، لیکن یہ تہائی مصر کے حوالہ کرنے کے مسئلہ کو برابر ٹالتا رہا، اس کی روش دیکھ کر شیرکوہ کے بھتیجے صلاح الدین یوسف اور امیر عزالدین جوروک نے شاور کو گرفتار کر لیا، اور وہ عاضد کے حکم سے قتل کر دیا گیا اس کے قتل کے بعد عاضد نے اسد الدین کو منصب وزارت اور "الملک المنصور" کا معزز لقب عطا کیا، اس طرح فاطمی حکومت نورالدین کے ماتحت ہوگئی، لیکن وزارت ملنے کے کل دو ہی مہینے کے بعد جمادی الثانی ۵۶۴ھ میں شیرکوہ کا انتقال ہوگیا،

اس کے بعد عاضد نے صلاح الدین یوسف کو منصب وزارت پر مامور کیا، اور الملک الناصر کا لقب عطا کیا، اس نے مصر میں نورالدین کا خطبہ جاری کر دیا، اور اس کے زیر ہدایت اپنے فرائض انجام دینے لگا، مصر کی وزارت آنا بڑا اعزاز تھا کہ مصری امراء کے علاوہ بہت سے اتابکی امراء بھی صلاح الدین کے خلاف ہوگئے، لیکن اس نے ان سب کو زیر کر لیا، اور رفتہ رفتہ مصر میں اس کا پورا اقتدار قائم ہوگیا، اصل حکومت اس کے

ہاتھوں میں تھی عاضد محض برائے نام حکمراں تھا[1]،

دولت فاطمیہ میں موتمن خلافت یعنی محلات شاہی کی داروغگی بڑا معزز و مقتدر عہدہ تھا، عاضد کے زمانہ میں ایک حبشی خواجہ سرا اس عہدہ پر مامور تھا، اسے ایک نو وارد کا اقتدار گوارا نہ تھا، چنانچہ اس نے صلاح الدین کو مصر سے نکالنے کے لئے صلیبیوں کے پاس خط لکھا، یہ خط پکڑ لیا گیا، صلاح الدین بالکل خاموش اور موقع کا منتظر رہا اور چند دنوں کے بعد موتمن خلافت کو گرفتار کرکے قتل کرا دیا، اور قصر سلطانی کا سارا عملہ بدل دیا، موتمن کے انتقام میں اس کے ہمقوم پچاس ہزار زنگی جمع ہو گئے، ان میں اور اتابکی فوجوں میں بڑا زبردست معرکہ ہوا، آخر میں زنگی اس کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوئے، صلاح الدین نے درگذر سے کام لیا، لیکن ان کو قاہرہ سے جیزہ منتقل کر دیا[2]،

مصر میں صلاح الدین کے اقتدار اور نور الدین کے اثر سے فرنگیوں میں بڑی تشویش پیدا ہو گئی، انھوں نے اندلس اور سسلی کی حکومتوں کو لکھا کہ اگر مصر کے اس نئے انقلاب کا تدارک نہ کیا گیا، تو بیت المقدس کے نکل جانے کا خطرہ ہے، شام کے قسیس اور راہبوں نے علحدہ اندلس اور سسلی کا سفر کرکے یہاں کے باشندوں کو شام کے فرنگیوں کی مدد کے لئے ابھارا، انھوں نے فوج اسلحہ اور مال سے پوری امداد کی، اور شام کے صلیبیوں نے ۵۶۵ھ میں مصر پر فوج کشی کرکے دمیاط کا محاصرہ کر لیا، صلاح الدین نے بھی پوری قوت سے ان کا مقابلہ کیا، اور اپنی کل فوجیں نیل کے راستہ دمیاط بھیج دیں، نور الدین نے علحدہ امدادی فوجوں کا تانتا باندھ دیا، اور خود فرنگیوں کے شامی مقبوضات پر پیہم تاخت شروع کر دی، ایک مہینہ تک دمیاط کا محاصرہ قائم رہا، لیکن فرنگیوں کو کوئی کامیابی نہیں ہوئی، انھوں نے جب دیکھا کہ مصر میں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے

---

[1] دولت اتابکیہ موصل ص ۲۴۲ تا ۲۵۷، ملخصاً [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۲۹، ۱۳۰،

اور شام علیحدہ نور الدین کے حملوں سے زیر و زبر ہوا جاتا ہے، تو پانچ مہینہ کے بعد محاصرہ اٹھا کر ناکام لوٹ گئے[1]،

مستنجد کی وفات ربیع الثانی ۵۶۶ھ میں مستنجد کے قتل کا واقعہ پیش آگیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس کے وزیر ابو جعفر بن بلدی استاد دار امیر عضد الدین ابو الفرج اور امیر قطب الدین قایماز میں باہم مخالفت تھی، مستنجد وزیر ابو جعفر کے ساتھ تھا، اس نے ابو جعفر کو دونوں امیروں کو گرفتار کر لینے کا حکم دیا، عضد الدین اور قطب الدین کو اس کی خبر ہوگئی، اتفاق سے اسی زمانہ میں مستنجد زیادہ بیمار ہوگیا، اس کا طبیب عضد الدین اور قطب الدین سے ملا ہوا تھا، ان کے ایما سے اس نے مستنجد کو حمام کرنے کا مشورہ دیا، اس میں کمزوری کی وجہ سے حمام کی طاقت نہ تھی، لیکن دونوں امیروں نے اسے زبردستی لیجا کر حمام میں بند کر دیا، اور وہ اسی میں گھٹ کر مر گیا[2]، اس وقت چھپن سال کی عمر تھی، مدت خلافت دس سال،

اوصاف مستنجد عدل پرور، رعایا نواز اور شفیق خلیفہ تھا، اپنے زمانہ میں ہر قسم کے ٹیکس بند کر دیئے تھے، جس قدر مال ناجائز طریقہ سے وصول کیا گیا تھا سب کو واپس کر دیا، شورش اور فتنہ انگیزی کو سخت ناپسند کرتا تھا اور فتنہ انگیزوں کو پوری سزا دیتا تھا،

ایک مرتبہ ایک شورش پسند گرفتار کر کے اس کے پاس لایا گیا، مستنجد نے اسے قید کرا دیا، بڑے بڑے امرا نے اس کے بارہ میں سفارش کی اور اس کی رہائی کے معاوضہ میں دس ہزار اشرفیاں پیش کیں، مستنجد آمادہ نہ ہوا، اور امرا سے کہا کہ تم اور فسادیوں کو گرفتار کر کے لاؤ میں تم کو اتنا ہی معاوضہ دوں گا تاکہ مخلوق کو ان کے شر سے نجات ملے، بغداد کے

---

[1] دولت اتابکیہ موصل ص ۲۵۸ تا ۲۶۰، [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۳۵،

ایک قاضی ابن مرخم بڑے جابر تھے، انھوں نے بڑی دولت جمع کی تھی، مستنجد نے انھیں گرفتار کرکے کل دولت ضبط کرلی اور اس کو ان کے مستحق ساتھیوں میں تقسیم کردیا،[1]

ابن جوزی کا بیان ہے کہ مستنجد عاقل، فہیم، صائب الرائے، ذہین و ذکی اور فاضل خلیفہ تھا، علم و فن کا بڑا مذاق رکھتا تھا، اصطرلاب اور فلکی آلات بنانے میں مہارت رکھتا تھا، اس کی نظم و نثر دونوں بلیغ ہوتی تھی،[2]

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۳۵ [2] تاریخ الخلفاء ص ۴۵۳، بحوالہ ابن جوزی،

ابو محمد حسن بن مستنجد الملقب بہ مستضی بامر اللہ

۵۶۶ھ تا ۵۷۵ھ مطابق ۱۱۷۰ء تا ۱۱۷۹ء

مستنجد کے قتل کرنے کے بعد امیر عضد الدین و قطب الدین نے اس کی موت کا اعلان کر دیا، چونکہ وہ بیمار زیادہ تھا، اس لئے کسی کو کوئی شبہہ نہیں ہوا، سب نے طبعی موت کا یقین کر لیا، لیکن دونوں قاتلوں کو وزیر ابو جعفر کی جانب سے اطمینان نہ تھا، اس لئے مستنجد کے قتل کے بعد ہی عضد الدین نے اس کے لڑکے ابو محمد حسن سے اپنے لئے وزارت، اپنے لڑکے کے لئے استاددار اور قطب الدین کے لئے سپہ سالاری کے عہدے طے کر کے اس کو خلیفہ بنا دیا، اور ربیع الثانی ۵۶۶ھ میں وہ تخت نشین ہوا، خاندان شاہی کے ارکان نے بھی بیعت کر لی اور ابو محمد نے مستضی بامر اللہ کا لقب اختیار کیا، اس وقت ۳۲ سال کی عمر تھی،

وزیر ابو جعفر کو اس مخفی کارروائی کا علم ہوا تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا، عضد الدین وغیرہ نے اس کو بیعت کے بہانہ سے بلا بھیجا، اس کا ٹالنا ممکن نہ تھا، ابو جعفر کو چار و ناچار جانا پڑا، اسکو قتل کر کے لاش دجلہ میں پھکوا دی گئی،[1]

مستضی کے زمانہ میں خاص عباسی خلافت کی کوئی سیاسی تاریخ نہیں ہے، اس

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۳۶،

عہد میں سب سے بڑا انقلاب یہ ہوا کہ مصر سے فاطمی حکومت ختم ہو گئی، اور اس کی جگہ ایوبی حکومت قائم ہوئی، اور کئی صدیوں کے بعد مصر میں پھر عباسی خطبہ جاری ہوا، یہ واقعات نورالدین محمود ہی کے کارناموں کی کڑی ہیں، اس لئے پہلے ان کو سن لینا چاہئے،

موصل پر نورالدین محمود کا قبضہ ۵۶۵ھ میں نورالدین کے بھائی قطب الدین مودود زنگی والی موصل کا انتقال ہو گیا تھا، اس کا بڑا لڑکا عماد الدین ولیعہد اور فخر الدین عبد المسیح نائب السلطنت تھا، فخر الدین بڑا ظالم اور بد کردار تھا، اس لئے نورالدین اس کو سخت ناپسند کرتا تھا، اور اپنے بھائی قطب الدین کو اس کی زندگی میں اسے سر چڑھانے پر ملامت کرتا تھا، عماد الدین کو نورالدین سے زیادہ تعلق تھا، اس لئے فخر الدین کو خطرہ پیدا ہوا کہ اگر وہ بادشاہ ہو گیا تو نورالدین کے اشاروں پر چلے گا، اور اسے اپنے منصب سے الگ ہونا پڑیگا، اس نے قطب الدین کی دوسری بیوی یعنی عماد الدین کی سوتیلی ماں اور اتابکی امراء کو ملا کر قطب الدین کے دوسرے لڑکے سیف الدین غازی کو جو اس کے بطن سے تھا تخت نشین کر دیا، اس میں کوئی صلاحیت نہ تھی، اس لئے حکومت کی باگ فخر الدین کے ہاتھوں میں آگئی، اور اس نے ظلم و جور کا بازار گرم کر دیا، نورالدین پہلے ہی سے اس کے خلاف تھا، اس کے جور و استبداد کی خبریں سن کر موصل پر فوج کشی کر دی، یہاں کے باشندے فخر الدین کے مظالم سے نالاں اور اس کے خلاف تھے، اس لئے وہ نورالدین کو موصل حوالہ کرنے پر آمادہ ہو گئے، فخر الدین نے جب دیکھا کہ اس کے لئے مفر کی کوئی صورت نہیں ہے، تو اس نے چند شرائط پر نورالدین کی اطاعت قبول کر لی، ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اسکو موصل سے الگ نہ کیا جائے گا، نورالدین نے اس کے سوا، باقی اور سب شرطیں

[1] تاریخ دولت اتابکیہ موصل ص ۲۶۷ تا ۲۷۹،

مال نہیں اور فخر الدین سے کہا کہ میں اپنے بچوں کا ملک چھیننے نہیں آیا ہوں، بلکہ لوگوں کو تمھارے مظالم سے چھڑانے کے لئے آیا ہوں، تمھارے بجائے میں خود ان کی نگرانی کروں گا، جمادی الثانی ۵۶۶ھ میں فخر الدین نے موصل نور الدین کے حوالہ کر دیا، اس نے سیف الدین غازی کو موصل پر برقرار رکھا، البتہ قطب الدین کی میراث شریعت کے مطابق اس کے سب لڑکوں میں تقسیم کر دی، سنجار کا علاقہ عماد الدین کو دیا اور فخر الدین کے مقرر کردہ کل ٹیکس موقوف کرکے کل بیس دن کے بعد شام لوٹ گیا، فخر الدین کو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا، شام میں لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو موصل کا قیام بہت پسند خاطر تھا، پھر اس قدر جلد واپسی کیوں عمل میں آئی، اس نے کہا موصل کے بارہ میں میری نیت میں فتور آچلا تھا، اگر زیادہ قیام کرتا تو ممکن تھا، میرے ہاتھوں سے ظلم ہو جاتا، اور وہاں کے قیام سے جہاد میں بھی تاخیر ہوتی، (تاریخ دولت اتابکیہ ص ۲۶۷ تا ص ۲۶۹)

طرابلس الشام پر حملہ ۵۶۶ھ میں لاذقیہ کے فرنگیوں نے معاہدہ کے خلاف دو اسلامی جہازوں کو جو مصر سے تجارتی سامان لے کر شام جا رہے تھے، گرفتار کر لیا، نور الدین نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا، فرنگی انھیں واپس دینے پر آمادہ نہ ہوئے، اور یہ جھوٹا عذر کیا کہ وہ جہاز ٹوٹ گئے تھے، اور ان میں پانی بھر گیا تھا، اس لئے نور الدین نے انطاکیہ اور طرابلس الشام پر جو فرنگی علاقہ تھے، تاخت و تاراج شروع کر دی، فرنگیوں نے مجبور ہو کر جہاز واپس کرکے دوبارہ معاہدہ کی تجدید کی، ان جہازوں پر جن جن لوگوں کا سامان تھا، نور الدین نے اپنے سامنے سب کو واپس کرا دیا،

مصر پر صلاح الدین کا قبضہ اور فاطمی حکومت کا خاتمہ صلاح الدین کی وزارت مصر تک کے حالات اوپر گذر چکے ہیں، جب اس کے مخالفین کی قوت مصر سے بالکل ختم ہوگئی

اور اس کے قدم پوری طرح جم گئے، اس وقت نور الدین نے اس کو لکھا کہ وہ عاضد فاطمی کا خطبہ بند کرکے مستضی کا خطبہ جاری کردے، گو اب فاطمی حکومت بالکل چراغ سحری تھی، لیکن اس کے کئی صدیوں کے اثرات کی بناء پر مستضی کے خطبہ سے عام مخالفت کا خطرہ تھا، اس لئے صلاح الدین نے اس کی دشواریاں ظاہر کرکے معذرت چاہی، مگر نور الدین نے مجبور کیا، کہ جس طرح بھی ممکن ہو عباسی خطبہ جاری کیا جائے، اتفاق سے اسی زمانہ میں عاضد مرض الموت میں مبتلا ہوگیا، اس لئے نور الدین کو موقع مل گیا، اور اس نے محرم ۵۶۷ھ میں تجربہ کے طور پر خطبہ میں مستضی کے لئے دعا کرائی، کسی نے اس کی مخالفت نہ کی، اس لئے دوسرے جمعہ کو سارے مصر میں عاضد کا خطبہ بند کرکے مستضی کا خطبہ جاری کرادیا، اسکی مخالفت میں بھی کوئی آواز نہ اٹھی، عاضد کی خاطر شکنی کے خیال سے اس کو خبر نہیں کی گئی اور اس کے دو ہی تین دن کے بعد ۵۶۷ھ میں عاشورہ کے دن اس کا انتقال ہوگیا،

فاطمی خاندان بالکل ختم ہوچکا تھا، اس کے کسی فرد میں کوئی ہمت و حوصلہ نہ رہ گیا تھا، فاطمی امراء اور ہوا خواہوں کو جن کی جانب سے مخالفت کا خطرہ ہوسکتا تھا صلاح الدین پہلے ہی مصر سے الگ کرچکا تھا، اس لئے عاضد کے بعد کوئی حکومت کا دعویدار نہ کھڑا ہوا، اور تقریباً پونے تین صدیوں کے بعد فاطمی خاندان کا خاتمہ ہوگیا، اور مصر میں ایوبی حکومت قائم ہوگئی، فاطمی حکومت نے اپنے زمانہ میں علم و تمدن کی بڑی خدمت انجام دی لیکن اسکی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے،

فاطمی خلفاء تنہا دنیاوی بادشاہ نہ تھے، بلکہ خلفائے بغداد کی طرح ان کو ایک طبقہ کی مذہبی سیادت و پیشوائی کا منصب بھی حاصل تھا، ان کے محلات زر و جواہر اور بیش قیمت ساز و سامان اور نادرہ روزگار عجائبات سے معمور تھے، یہ سارا

ذخیرہ صلاح الدین کے قبضہ میں آیا،

ابن اثیر کا بیان ہے کہ فاطمیوں کا سازوسامان حد شمار سے باہر تھا، ان کے پاس ایسے بیش بہا جواہرات اور نادرۂ روزگار چیزیں تھیں جن کی مثال دنیا میں ناپید تھی، سالم زمرد کی چھڑی کی ایک موٹھ تھی، ستره مثقال کا ایک یاقوت تھا، ایک ہار میں چار انگل لمبا اور اسی قدر چوڑا زمرد تھا، ایسے ایسے در یتیم تھے کہ دنیا میں ان کا جوڑ نہ مل سکتا تھا، ایک لاکھ نادر و نایاب کتابوں کا بیش قیمت کتب خانہ تھا، جو خطاطی کا بھی مرقع تھیں[۱]،

لین پول کے بیان سے فاطمیوں کی شوکت و عظمت اور ان کی بے اندازہ دولت کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے، وہ لکھتا ہے:

فاطمیوں کے قصر کبیر میں چار ہزار کمرے اور ایک بڑا عالیشان ایوان طلا کار تھا، جس میں سونے کی جالی کے پشت پر سونے کا تخت بچھا ہوا تھا، جہاں خلیفہ جلوس کرتا تھا، خلیفہ کے ارد گرد دربار کے خادم اور اشراف حاضر رہتے تھے، عیدین میں جب خلیفہ جلوس کرتا تو اسی جالی سے اپنے درباریوں کو دیکھتا تھا۔ .. قصر زمردین جس میں سنگ مرمر کے ستون تھے دیوان خاص کا کام دیتا تھا .. .. قصر کے اندر جاہ و حشم کے جو جو سامان تھے ان کا ذکر مورخوں نے کم کیا ہے، لیکن قیساریہ کے ہیوگ نے وہاں کے خزائن اور جواہرات کا جو عجیب و غریب حال دیکھ کر بیان کیا ہے، اس سے وہاں کی دولت کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے، خلیفہ عاضد کے انتقال پر صلاح الدین نے اس کے جواہرات میں سے ایک زمرد دیکھا جو بارہ انگشت کا تھا اور ایک یاقوت نظر سے گذرا جس کا نام جبل نور تھا، اس یاقوت کا وزن انگریزی حساب سے دو ہزار چار سو کیرٹ تھا، اس یاقوت کا خود ابن اثیر

---

[۱] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۳۸ و دولت اتابکیہ موصل ص ۲۸۲ تا ۲۸۶،

نے وزن کیا تھا، فاطمیین کی دولت جو جواہرات یا زیورات کی شکل میں تھی، مدتوں ضرب المثل رہی، ان ہی خلفاء میں سے ایک خلیفہ کے جواہرات کی فہرست میں کثرت سے موتیوں اور زمردوں کی تعداد پڑھنے میں آتی ہے، اسی طرح بلور کے تراشیدہ ظروف نقشین اور مینا کاری کی طلائی چیزیں، صندوق اور صندوقچے جن پر طرح طرح کی سونے کی پچیکاری تھی، کرسیاں اور مکرموں کا دیگر سامان، آرائش کی چیزیں جو آبنوس، ہاتھی دانت اور صندل کی تھیں درج ملتی ہیں، اعلیٰ ترین قسم کی چینی کے پیالے اور صراحیاں جن میں کافور اور مشک بھرا رہتا تھا، فولاد کے آئینے جن کے چوکھٹے سونے اور چاندی کے تھے، اور چوکھٹوں کے حاشیوں پر زمرد اور لال جڑے تھے، سنگ سماق کی میزیں، بے شمار برنجی ظروف جن پر سونے چاندی کا کام تھا، دیوار پوش، بھاری زری کے ریشمیں پارچے جن پر بادشاہوں کی تشبیہیں زری میں بنی ہوئی تھیں، یہ کل دولت جو صلاح الدین کو ملی اس میں ایک چیز بھی اس نے اپنے پاس نہ رکھی، کچھ چیزیں سلطان نور الدین زنگی کے پاس بھیجدیں کچھ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیں، کتب خانہ میں ایک لاکھ بیس ہزار قلمی نسخے تھے، یہ کل کتابیں اس نے اپنے وزیر قاضی فاضل کو نذر کر دیں، باقی کل سامان فروخت کرکے اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی، جو سب کے نفع کے لئے تھا[1]،

فاطمی حکومت خلافت بغداد کی حریف مقابل تھی، اس کے خاتمہ پر بغداد میں بڑا جشن مسرت منایا گیا، مستضی نے نور الدین، صلاح الدین اور مصر کے تمام خطیبوں کے لئے علٰحدہ علٰحدہ ان کے رتبہ کے مطابق خلعتیں اور اپنا نشان سیاہ علم بھیجے[2]،

نور الدین اور صلاح الدین دنیائے سیاست میں ایک ہی درجہ کے دو فرماں رواؤں کا ایک

[1] صلاح الدین لین پول ص ۹۹ و ۱۰۰ [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۳۸،

دوسرے کے ماتحت رہنا ممکن نہیں، اس لئے مصر میں صلاح الدین کے استقلال کے بعد ہی نور الدین اور صلاح الدین میں اختلاف کی صورت پیدا ہو گئی، لیکن صلاح الدین کے باپ نجم الدین کی دانشمندی سے بڑھنے نہ پائی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۵۶۷ھ میں نور الدین نے فرنگیوں کے قلعہ کرک پر جو مصر کی سرحدی سمت میں تھا فوج کشی کا ارادہ کیا اور صلاح الدین کو بھی مصری فوجوں کے ساتھ کرک پہنچنے کا حکم دیا، صلاح الدین اس کی تعمیل کے لئے آمادہ ہو گیا، اور نور الدین کو اس کی اطلاع دیدی، لیکن اس کے بعض ناعاقبت اندیش ساتھیوں نے اس کو نور الدین سے ڈرایا کہ اگر مصر و شام کے درمیانی علاقے سے فرنگی ہٹ گئے تو پھر کوئی روک نہ رہ جائے گی، اور نور الدین مصر پر قبضہ کرلے گا، یہ بات ایسی لگتی ہوئی تھی کہ صلاح الدین کی بھی سمجھ میں آگئی، اس نے کرک جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا، اور نور الدین کو لکھ بھیجا کہ اس وقت وہ مصر کے اندرونی خلفشار کی وجہ سے یہاں سے ہٹنے سے معذور ہے، نور الدین پر اس کی یہ عدول حکمی سخت شاق گذری، اس نے یہ عذر قابل قبول نہ سمجھا، اور مصر پر فوج کشی کا عزم کر لیا، صلاح الدین کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے اعزہ اور امراء سے مشورہ کیا، اس کے نوجوان بھتیجے تقی الدین عمر نے کہا اگر سلطان نے مصر کا قصد کیا تو ہم اس کا مقابلہ کریں گے اور اعزہ نے بھی اس کی تائید کی، لیکن صلاح الدین کے کہن سال اور تجربہ کار باپ نجم الدین نے تقی الدین کو ڈانٹ کر خاموش کر دیا، اور صلاح الدین سے کہا میں تمہارا باپ اور یہ شہاب الدین تمہارے ماموں ہیں، کیا تم سب کو ہمارے ہی برابر خیر خواہ سمجھتے ہو، اس نے کہا نہیں نجم الدین نے کہا تو پھر سن لو میں تمہارا باپ اور شہاب الدین ماموں ہو کر بھی اس کی ہمت نہیں کر سکتے کہ سلطان کو دیکھ کر زمین بوس نہ ہوں، اگر وہ ہم کو تمہاری گردن بھی مارنے کا حکم دیگا تو

ہم اس کی تعمیل کریں گے، جب ہمارا یہ حال ہے، تو دوسروں کا کیا ذکر، اس وقت جو اُمرا تمھارے سامنے موجود ہیں، ان میں سے ایک بھی سلطان پر نظر پڑنے کے بعد اپنی زین پر قائم نہیں رہ سکتا، سب سواری سے اتر کر اس کے سامنے زمین بوس ہوں گے، یہ سارا ملک سلطان کا ہے، اس نے اپنی طرف سے تم کو صرف اس کا حاکم بنایا ہے، اگر وہ تم کو معزول کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے فوج کشی کی زحمت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے، اس کی ایک تحریر کافی ہے اور امراء سے کہا تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ، ہم سب سلطان کے غلام ہیں ہمارے بارہ میں اس کو پورا اختیار ہے جو فیصلہ چاہے کرے،

امراء کے ہٹنے کے بعد صلاح الدین سے کہا تم ابھی ناواقف اور ناتجربہ کار ہو، مجمع عام میں اپنے دل کی بات ظاہر کرتے ہو، اگر نورالدین کو اس کی خبر ہو جائے گی تو وہ تمھارے مقابلہ کو خاص مقصد بنائے گا، اس وقت ان امراء میں سے ایک بھی تمھارا ساتھ نہ دے گا، بلکہ یہی لوگ تم کو پکڑ کر اس کے حوالہ کریں گے، میں نے ان کے سامنے جو باتیں کہی ہیں، اس کی خبر وہ ضرور نورالدین کو دیں گے، تم بھی اسکو لکھو کہ میرے معزول کرنے کے لئے حضور کو زحمت گوارا کرنے کی کیا ضرورت ہے، ایک ادنیٰ خادم کو بھیج دیجئے، وہ میری گردن میں رسی ڈال کر مجھے حاضر کر دے، صلاح الدین نے باپ کے حکم کی تعمیل کی نجم الدین کا خیال صحیح نکلا، امراء نے نورالدین کو اس کی باتوں کی خبر کر دی، اس لئے وہ مطمئن ہو گیا، اور مصر پر فوج کشی کا خیال ترک کر دیا[1]،

اینیائے کوچک پر فوجکشی اور قلج ارسلان کی اطاعت	پہلی جنگ صلیبی کے دفاع میں قلج ارسلان سلجوقی والی قونیہ کا بڑا حصہ تھا، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، لیکن اس کا پوتا

[1] دولت اتابکیہ موصل ص ۲۸۶ تا ۲۸۸،

عزالدین قلیج ارسلان یونانی حکومت سے صلح کرکے گوشۂ عافیت میں بیٹھ گیا تھا، اور صلیبی لڑائیوں میں کوئی حصہ نہ لیتا تھا، مذہبی عقائد کے بارہ میں بھی وہ متہم تھا، اس لئے نورالدین اس سے خوش نہ تھا، اتفاق سے اس نے ذوالنون بن دانشمند والی ملطیہ وسیواس کا علاقہ چھین لیا، اس نے نورالدین سے فریاد کی، نورالدین نے قلیج ارسلان کو لکھا کہ وہ ذوالنون کا ملک اسے واپس کردے، لیکن اس نے نہ سنا، اس لئے نورالدین نے اس پر فوج کشی کرکے ذوالنون کا علاقہ اسے واپس دلایا، اس کے بعد خاص قلیج ارسلان کے مقبوضات کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا، قلیج ارسلان میں اس کو روکنے کی طاقت نہ تھی، اس لئے وہ معافی کا خواستگار ہوا، نورالدین کا مقصد صرف اس کی اصلاح وتادیب تھا، اس لئے حسب ذیل شرائط پر صلح منظور کرلی کہ قلیج ارسلان اس کے قاصد کے ہاتھوں پر اپنے فاسد عقائد سے توبہ کرکے تجدید اسلام کریگا، سرحدی رومیوں سے یا خود جہاد کرے گا یا صلیبی جہاد میں نورالدین کی فوجی مدد کریگا، اور اپنی لڑکی کی شادی نورالدین کے بھتیجے سیف الدین غازی کے ساتھ کردیگا، قلیج ارسلان نے یہ سب شرطیں منظور کرلیں اور نورالدین تھوڑی سی فوج سیواس کی حفاظت کے لئے چھوڑکر شام لوٹ گیا[1]

وفات | اس کے ایک سال کے بعد اس مجاہد فی سبیل اللہ کے لئے بھی وہ وقت آگیا جس سے کسی انسان کو مفر نہیں، اور چند مہینے خناق کے مرض میں بیمار رہ کر ۱۱ شوال ۵۶۹ھ میں اپنے رب کے روبرو حاضر ہوگیا، پہلے دمشق کے قلعہ میں تجہیز وتکفین عمل میں آئی، پھر کچھ دنوں کے بعد لاش اس کے تعمیر کردہ مدرسہ میں جو اس نے علمائے احناف کے لئے بنوایا تھا، منتقل کردی گئی، انتقال کے وقت اٹھاون[5] سال کی عمر تھی، مدت حکومت اٹھائیس سال

[1] دولت اتابکیۂ موصل ص ۲۹۰ و ۲۹۱،

اخلاق و سیرت نور الدین جن اوصاف و کمالات کا فرمانروا تھا، اور اس نے جو گوناگوں مذہبی کارنامے انجام دیئے اس کی تفصیل کے لئے مستقل کتاب چاہیے، صلیبی جہاد اس کے مختلف النوع کارناموں کا صرف ایک رخ ہے، اور اس کے جو حالات اوپر لکھے گئے ہیں، وہ بھی اس کے مجاہدات کی ناتمام تصویر ہے،

وہ جن اوصاف و خصوصیات کا حامل تھا اور اس نے اسلامی حکومت کا جو نمونہ پیش کیا، اس کی نظیر خلفاے راشدین کے سوا تاریخ اسلام میں مشکل سے مل سکتی ہے، اس کی تفصیل بہت طویل ہے، اس لئے صرف ابن اثیر کے بیان پر جن کی حیثیت نور الدین کے حالات میں گویا عینی شاہد کی ہے، اکتفا کی جاتی ہے[1]، وہ لکھتے ہیں:

میں نے اسلامی عہد کے پہلے کے فرماں رواؤں سے لے کر اس وقت تک کے تمام بادشاہوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا، خلفاے راشدین اور عمر بن عبد العزیز کے سوا نور الدین سے زیادہ بہتر فرماں روا میری نظر سے نہیں گذرا، اس نے عدل و انصاف کی اشاعت جہاد اور ظلم و جور کے استیصال، عبادت و ریاضت اور احسان و کرم کو مقصد زندگی بنا لیا،

---

[1] ابن اثیر صاحب تاریخ کامل، نور الدین کے ہم وطن بھی تھے اور قریب العہد بھی ۵۵۵ھ میں جزیرہ میں نور الدین کی ولادت اور موصل میں نشو و نما ہوئی، نور الدین کی وفات کے وقت ان کی عمر پندرہ سولہ سال کی تھی، ان کے والد ابو المکرم محمد بن محمد کا اتابکی خاندان سے تعلق بھی تھا، اس لئے انکے حالات میں ابن اثیر کا بیان گویا چشمدید واقعات کی حیثیت رکھتا ہے، انھوں نے اتابکی حکومت کے حالات میں ایک مستقل کتاب دولت اتابکیہ موصل لکھی ہے، جو اتابکی حکومت کی سب سے زیادہ مستند تاریخ ہے، یہ کتاب فرنچ ترجمہ کے ساتھ پیرس سے شائع ہوئی ہے، ہم نے نور الدین کے حالات زیادہ تر اسی سے لکھے ہیں،

تھا، اسی میں اس کے لیل و نہار بسر ہوتے تھے، اگر کسی یورپی قوم میں بھی اس کے اور اس کے باپ کے جیسے دو فرماں روا گذرے ہوتے تو بھی اس قوم کے فخر کے لئے کافی تھا، نہ کہ ایک ہی گھرانے میں خدا نے دو فرماں روا پیدا کر دیئے، اس کے عدل و انصاف کی مثال حضرت عمرؓ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی، ممالک محروسہ میں جس قدر ناجائز ٹیکس تھے سب موقوف کر دئے تھے، مصر میں سو دینار پر چالیس درہم ٹیکس لیا جاتا تھا، سلطان نے اسے یک قلم بند کر دیا، اس کے علاوہ دوسرا فرمانروا مشکل سے اتنی بڑی آمدنی سے دستبردار ہو سکتا تھا، اس کے ایوان عدالت میں قوی و ضعیف، بڑے اور چھوٹے سب برابر تھے، وہ مظلوم کے ساتھ خواہ کسی درجہ کا ہو پورا انصاف کرتا تھا، مظلوموں کی شکایتیں بلا واسطہ براہ راست خود سنتا تھا، اور خود ہی اس کی تفتیش کرتا تھا، اگر وہ خود بھی مدعا علیہ ہوتا تو عام آدمیوں کی طرح بغیر کسی امتیاز کے قاضی کی عدالت میں حاضر ہوتا، ایک مرتبہ ایک شخص نے کسی زمین یا جائداد کے بارے میں اس پر دعویٰ دائر کیا، عدالت کا چپراسی عین اس وقت جبکہ سلطان گوے وچوگان کھیل رہا تھا، پہنچا، سلطان فوراً اس کے ہمراہ قاضی کی عدالت میں حاضر ہو گیا، اور قاضی سے کہا کہ اس وقت میں مدعی علیہ کی حیثیت سے آیا ہوں، اس لئے میرے ساتھ وہی برتاؤ کیجئے جو عام مدعی علیہ کے ساتھ کیا جاتا ہے، قاضی نے اس کو مدعی کے برابر بٹھا کر فریقین کے بیانات اور شہادتیں سنیں، تحقیقات سے جائداد مدعی کے بجائے نور الدین کی ثابت ہوئی، اس لئے قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا، اس فیصلہ کے بعد نور الدین نے متنازعہ فیہ جائداد اپنی طرف سے مدعی کو ہبہ کر دی، اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا مجھے معلوم تھا کہ مدعی کا دعویٰ غلط ہے، لیکن صرف اس لئے عدالت میں حاضر ہو گیا تھا

کہ یہ خیال نہ کیا جائے کہ میں نے اس پر ظلم کیا ہے، اب جب کہ عدالت سے میرا حق ثابت ہو گیا تو میں نے مدعی کو ہبہ کر دیا،

نور الدین کے قیام دمشق کے زمانہ میں اس کے بہت سے امرا وہاں آباد ہو گئے تھے، اور انھوں نے املاک اور جائدادیں حاصل کر لی تھیں، اور اپنے پڑوسی زمینداروں اور مالکوں پر بڑی زیادتیاں کرتے تھے، قاضی کمال الدین کی عدالت میں استغاثوں اور دعوؤں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی قاضی صاحب اور امرا کی تو کوئی رعایت نہ کرتے اور ان کے مقابلہ میں بے لاگ انصاف کرتے تھے لیکن امیر الامراء اسد الدین شیرکوہ کے جاہ و اقتدار کی وجہ سے اس کے خلاف کارروائی میں انھیں دشواری پیش آتی تھی، انھوں نے نور الدین کو ادھر توجہ دلائی، اس نے امرا کے مقدموں کی سماعت کے لئے دار العدل کے نام سے ایک خاص عدالت قائم کی، اور اس میں خود بیٹھنا شروع کیا، اسد الدین کو معلوم ہو گیا کہ یہ اہتمام صرف اس کی وجہ سے کیا گیا ہے، اس نے اپنے تمام ماتحت امرا کو بلا کر ان سے کہا کہ میرے علاوہ قاضی کمال الدین کو اور کسی امیر سے مزاحمت کا خطرہ نہیں ہے، اور یہ عدالت صرف میری وجہ سے قائم ہوئی ہے، اگر تم میں سے کسی کے باعث مجھ کو عدالت میں حاضر ہونا پڑا تو اس کو سولی پر چڑھا دوں گا، جن جن لوگوں کے ساتھ تمھارے تنازعات ہوں ابھی جا کر ان کا فیصلہ کر لو، اور جس قیمت پر بھی ہو سکے مدعیوں کو رضامند کرو، خواہ اس میں میری کل املاک میرے ہاتھ سے نکل جائے، امرا نے کہا اگر ان لوگوں کو اس کی خبر ہو جائے گی تو وہ مطالبہ میں بڑی زیادتی کریں گے، اسد الدین نے کہا کچھ بھی ہو، میری کل املاک کا ہاتھوں سے نکل جانا میرے لئے اس سے زیادہ آسان ہے کہ نور الدین مجھکو ظالم سمجھے، اور زمرۂ عوام میں شامل کرے، اس حکم پر تمام امرا

کو اپنے اپنے فریقوں کو رضامند کرنا پڑا، اور دار العدل میں ان کے خلاف ایک مقدمہ بھی پیش نہ ہو سکا، دو تین دن عدالت میں بیٹھنے کے بعد نور الدین نے قاضی کمال الدین سے کہا کہ اسد الدین کے خلاف کوئی مدعی نظر نہیں آتا، اس وقت کمال الدین نے پورا واقعہ بیان کیا، یہ سن کر نور الدین سجدہ شکر بجالایا، اور کہا خدا کا شکر ہے کہ میرے ساتھی خود انصاف کر لیتے ہیں، اور اس کے لئے ان کو میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں رہتی،

اس سلسلہ میں ایک بڑا سبق آموز واقعہ ابن اثیر نے لکھا ہے' وہ یہ ہے کہ نور الدین کے زمانہ میں اس کے عدل و انصاف اور ملک کے امن و امان کی وجہ سے دوسرے مقامات کے بہت سے آدمی آکر اس کی حکومت میں آباد ہوگئے تھے نور الدین کی وفات کے بعد صلاح الدین ایوبی کے کسی فوجی نے ایک شخص پر کچھ زیادتی کی، مظلوم نے صلاح الدین سے فریاد کی، لیکن اس نے کوئی شنوائی نہ کی، وہ مایوس ہو کر روتا پیٹتا ہوا نور الدین کے مزار پر پہنچا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ نور الدین آج تمھارا عدل و انصاف کہاں ہے، جس ظلم کا ہم لوگ شکار ہیں، اگر تم اس کو دیکھ سکتے تو تم کو ہماری حالت پر رحم آجاتا، صلاح الدین کے امراء کی زیادتیوں کی شکایت عام طور سے تھی، اس لئے آدمیوں کا ایک انبوہ اس شخص کے ساتھ ہو گیا تھا، اتفاق سے صلاح الدین اس وقت دمشق میں موجود تھا، اسے خبر ہوئی تو فوراً اس شخص کو بلا کر اس کی شکایت رفع کی، اور روپیہ دے کر اسکی دلجوئی کی، اس پر وہ اور زیادہ رویا، صلاح الدین نے پوچھا اب کیوں روتے ہو، اس نے کہا اس بادشاہ کو روتا ہوں جس کی موت کے بعد بھی اس کی عدالت قائم اور اس کے عدل کا فیض جاری ہے صلاح الدین نے کہا سچ کہتے ہو، ہم میں جو کچھ بھی عدل و انصاف ہے، وہ صرف اسی کے فیض کا نتیجہ ہے

عام طور سے ظلم و جور کا انسداد سخت گیری کے بغیر نہیں ہوتا، اور ایک ظلم کا

انسداد دوسرے ظلم کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ نورالدین کے قیام عدل کی یہ خاص خصوصیت تھی کہ اس سلسلہ میں کسی پر کوئی ناروا زیادتی نہ ہونے پاتی تھی، محض ظن و گمان اور الزام و تہمت پر مواخذہ نہ کرتا، بلکہ شرعی شہادت کے مطابق تحقیقات اور ثبوت جرم کے بعد صرف شرعی سزا دیتا تھا اور اس میں ادنیٰ زیادتی نہ ہونے پاتی تھی، اس کے عدل کا نتیجہ یہ تھا کہ اس کی سلطنت سے شر و فساد کا نام و نشان مٹ گیا تھا، اور ہر شخص امن و امان کی زندگی بسر کرتا تھا جس کو دوسرے فرماں روا اپنی سخت گیریوں کے باوجود نہ کر سکتے تھے۔

بیت المال کی حفاظت میں اس کا اہتمام عہد عمری کا نمونہ تھا، اتنی عظیم الشان سلطنت اور اس کے وسیع ذرائع دولت اور بے شمار آمدنی میں سے اپنے لئے صرف اسی قدر لیتا تھا، جتنی از روے شریعت علمار نے اس کو اجازت دی تھی، اس سے ایک حبہ زیادہ نہ لیتا تھا، اسی محدود آمدنی میں اپنے اخراجات پورے کرتا تھا، اس کے علاوہ اسکی تھوڑی سی ذاتی ملکیت تھی، جو اس نے مال غنیمت کی آمدنی سے خریدی تھی، لیکن اس کی آمدنی اتنی محدود تھی کہ اس سے اخراجات پورے نہ ہوتے تھے، ایک مرتبہ اس کی بیوی نے کہلا بھیجا کہ سلطان اس کو گھر کے مصارف کے لئے جو رقم دیتا ہے، وہ اخراجات کے لئے کافی نہیں ہے، اس میں کچھ اضافہ کیا جائے، یہ سن کر اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا، اور اس نے جواب میں کہلایا کہ اس سے زیادہ اور کہاں سے لاکر دوں، اگر وہ یہ سمجھتی ہے کہ میرے پاس جو مال ہے وہ میرا ذاتی ہے تو غلط ہے، یہ مسلمانوں کا مال ہے اور انہی کے مصالح کے مصارف کے لئے ہے، میں صرف اس کا خزانچی اور امین ہوں، اس میں خیانت کرکے اس کے لئے جہنم کا ایندھن نہ بنونگا اور حمص کی چند معمولی دوکانیں جو اس کی ذاتی ملک تھیں، جن کی آمدنی محض برائے نام تھی بیوی کو دیدیں۔

ناجائز آمدنی کا ایک حبہ بیت المال میں داخل نہ ہونے پاتا تھا، ایک مرتبہ وہ بیت المال کے معائنہ کے لئے گیا، وہاں کچھ آمدنیاں یا چیزیں ایسی نظر آئیں جن کو سلطان ناجائز سمجھتا تھا، دریافت سے معلوم ہوا کہ قاضی کمال الدین نے فلاں مد سے بھیجی ہیں، سلطان نے کہا اس مال پر بیت المال کا کوئی حق نہیں، ہے، اور اسے اس کے مالک کو واپس کرنے کے لئے قاضی صاحب کے پاس بھجوا دیا، انھوں نے پھر بیت المال میں واپس بھیجدیا اور کہلا دیا کہ اگر آئندہ سلطان اس کے متعلق کچھ پوچھے تو میری طرف سے کہہ دینا کہ وہ سلطان ہی کا مال ہے، اتفاق سے تھوڑے دنوں کے بعد پھر سلطان بیت المال گیا، اور پھر اس مال پر نظر پڑی، بیت المال کے کارکنوں سے پوچھا، ابھی تک اسے واپس کیوں نہیں کیا گیا انھوں نے قاضی کمال الدین کا جواب بیان کر دیا، سلطان نے اسی وقت قاضی صاحب کے پاس بھجوا دیا، اور زبانی کہلا بھیجا کہ آپ میں اس بار کے اٹھانے کی طاقت ہے، لیکن میری گردن کمزور ہے، میں اس کو نہیں اٹھا سکتا،

وہ خود بڑا عابد و زاہد و متقی تھا، اور شریعت مطہرہ کے احکام کے نفاذ و قیام میں بڑا انہماک رکھتا تھا، ابن اثیر لکھتے ہیں کہ وہ زمرۂ سلاطین میں عدل و انصاف کے قیام، محرمات شرعیہ کے اجتناب اور اتباع سنت کا مجدد تھا، اس سے پہلے کے حکمران زمانۂ جاہلیت کے حکمرانوں کی طرح تھے، جن کا مقصد زندگی صرف خواہشات نفسانی کی تکمیل تھی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے انھیں کوئی علاقہ نہ تھا، تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے نور الدین کو حکمران بنایا، اس نے شریعت کے اوامر و نواہی کی خود پابندی کی اور اپنے حاشیہ نشینوں اور متعلقین کو ان کا پابند بنایا، انھیں دیکھکر دوسروں نے تقلید کی، اور پابندی مذہب کا ایسا عام جذبہ پیدا ہو گیا کہ لوگ اپنے گذشتہ خلافِ شرع اعمال کے ذکر سے شرمانے لگے،

اصول دین کی حفاظت میں اس کو ادنیٰ مسامحت بھی گوارا نہ تھی، اس کے سامنے کوئی شخص دین کے صحیح عقائد کے خلاف کسی مبتدعانہ خیال پر لب کشائی کی جرأت نہ کر سکتا تھا، اور ایسا کرنے والوں کی پوری تنبیہ کرتا تھا، وہ کہا کرتا تھا کہ اگر چوروں اور لٹیروں سے راستوں کی حفاظت ہمارا فرض ہے تو کیا دین کی حفاظت جو اصل اساس و بنیاد ہے ہم پر ضروری نہیں ہے، دمشق کے ایک مقوف نے جن کے زہد و ورع کا بڑا چرچا تھا، اور عوام ان کے عقیدتمند تھے تشبیہ کے بعض خیالات ظاہر کئے نور الدین کو خبر ہوئی تو اس نے ان کو گدھے پر بٹھا کر سارے شہر میں ان کی تشہیر کرائی، نقیب آواز دیتا جاتا تھا کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو دین میں بدعت پیدا کرتا ہے، اور تشہیر کے بعد شہر سے نکال دیا،

سارے ممالک محروسہ میں شراب نوشی اور شراب کی تجارت قانوناً روک دی تھی، اور اس کی درآمد و برآمد بالکل بند کر دی تھی، شرابیوں پر خواہ کسی درجہ اور مرتبہ کے ہوں شرعی حد جاری کرتا تھا،

اپنے زمانہ میں بہت سے مذہبی اور رفاہ عام کے کام انجام دئے، دمشق میں ایک دار الحدیث قائم کیا، اور محدثین اور حدیث کے طلبہ کے مصارف کے لئے بڑی جائداد وقف کی، اسلامی تاریخ میں خاص دار الحدیث کے قیام کی یہ پہلی مثال تھی، تمام بڑے بڑے شہروں میں مدارس قائم کئے، اور ان کے علاوہ خاص یتیموں کے لئے علیحدہ مستقل مکاتب و مدارس قائم کئے، معلمین اور طلبہ کے وظائف اور تنخواہیں مقرر کیں، بکثرت مسجدیں بنوائیں، پرانی مسجدوں کی مرمت کرائی، اور ان میں یتیموں کے لئے مکاتب قائم کئے، اور ان کے اخراجات کے لئے جائدادیں وقف کیں، ان میں سے موصل اور حماۃ

کی جامع مسجد بڑی عظیم الشان تھی، حکومت کی امداد کے علاوہ نورالدین ان کے مصارف کے لئے خود اپنی ذاتی آمدنی سے اوقاف کئے، اُن میں ایک وقف جس کی آمدنی نو ہزار اشرفی ماہوار تھی، ابن اثیر کے زمانہ تک قائم تھا،

اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت اور ان کی راحت و آسایش کے اتنے کام انجام دیئے جس کی مثال مشکل سے ملے گی، صلیبیوں کے حملوں سے حفاظت کے لئے حلب، حمص، حماۃ، دمشق، بارین، شیزر، منبج وغیرہ تمام بڑے شہروں اور اہم مقامات کی مضبوط شہر پناہیں بنوائیں اور مستحکم قلعے تعمیر کرائے، ہر شہر میں شفاخانے قائم کئے، دمشق کا شفاخانہ بڑا عظیم الشان تھا، اس کے مصارف کے لئے بہت بڑی جائداد وقف تھی، یہ شفاخانہ بلاامتیاز امیر و غریب سب کے لئے وقف تھا، بڑے بڑے امرار یہاں سے تبرکاً مفت دوائیں لیجاتے تھے، قافلوں کے راستوں اور مسافروں کی گذرگاہوں پر سرائیں تعمیر کرائیں اور رہنمائی کے لئے جابجا اونچے اونچے مینار بنوائے، سرحدی مقاموں پر سر بفلک برج تھے جن میں حفاظتی چوکیاں قائم تھیں اور نامہ بر کبوتر موجود رہتے تھے، جیسے ہی دشمن دور سے نظر آتے، کبوتروں کے ذریعہ اہل شہر کو اس کی خبر کر دیجاتی اور لوگ محتاط ہو جاتے، صوفیہ و مشایخ کے لئے رباطیں اور خانقاہیں بنوائیں اور ان کے مصارف کے لئے جائدادیں وقف کیں اور اس قسم کے بیشمار کام انجام دیئے،

ذاتی حیثیت سے وہ صاحب علم اور بڑا متقی و متورع تھا، اس کا سارا وقت جہاد کی تیاری، امور مملکت پر غور و فکر اور اس کے متعلق صلاح و مشورہ اور یا عبادت و ریاضت میں گذرتا تھا، رات کو عشا کے بعد سو جاتا تھا، پھر آدھی رات سے صبح تک تہجد اور دعا و وظائف میں مصروف رہتا تھا، دن نکلنے کے بعد سلطنت کے کاموں

میں مشغول ہو جاتا تھا،

ریشم سونا اور چاندی وغیرہ جن کا استعمال شریعت نے مسلمانوں کے لئے حرام کیا ہے کبھی استعمال نہیں کیا، اس کی مجلس وقار و سنجیدگی کا نمونہ ہوتی تھی، اس میں علم و فن اور دین مذہب کے تذکرے اور جہاد کے صلاح و مشورہ کی گفتگوؤں کے علاوہ اور کسی لغویات کا گذر نہ تھا،

علماء و فقہا و مشائخ و صوفیہ کی بڑی عزت و توقیر کرتا تھا، جب کوئی شیخ اس کے پاس جاتا تو نظر پڑتے ہی وہ اسکی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا، اور معانقہ کر کے اپنے ساتھ مسند پر بٹھاتا اور اس توجہ سے اس کی باتیں سنتا کہ معلوم ہوتا کہ اس سے زیادہ کسی کو سلطان کے مزاج میں تقرب حاصل نہیں ہے، ان کی خدمت میں نذر اور ہدیے پیش کرتا، اور لوگوں سے کہتا کہ بیت المال پر ان بزرگوں کا بڑا حق ہے، اگر وہ تھوڑے پر قناعت کر لیتے ہیں تو یہ ان کا احسان ہے، ایک مرتبہ سلطان کے لئے مصر سے ایک قیمتی مغرق ریشمی عمامہ آیا، سلطان نے اس کو ایک صوفی کی نذر کر دیا تو لوگوں نے کہا بھی کہ یہ عمامہ شیخ کے لئے موزوں نہیں ہے، اگر کسی اور شخص کو دیا جاتا تو زیادہ مناسب ہوتا، لیکن سلطان نے شیخ ہی کو دلوایا، انھوں نے اس کو بغداد بھیجا کہ چھ یا سات ہزار اشرفیوں میں بیچا،

دیندار علماء کی اتنی تعظیم و توقیر کرتا تھا، کہ دربار کے بڑے بڑے امراء کو رشک حسد ہوتا تھا، اور وہ سلطان کی نگاہ میں ان کو سبک کرنے کے لئے ان کی برائیاں بیان کرتے، لیکن سلطان مطلق توجہ نہ کرتا، اور جواب دیتا کہ ہم میں سے کون معصوم ہے، کامل وہی ہے جو اپنے گناہوں کا محاسبہ کرتا ہو، سلطان نے خراسان کے ایک مشہور

عالم شیخ قطب الدین نیشاپوری کو دمشق بلا لیا تھا، اور ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ ایک امیر کو ان پر رشک آیا، اس نے سلطان سے ان کی کچھ برائی بیان کی، اس نے جواب دیا، اگر تمہارا یہ بیان صحیح بھی ہے تو شیخ کے پاس ایک ایسی خوبی ہے جس سے ان کی تمام لغزشیں معاف ہو جائیں گی، وہ علم دین ہے، اور تم اور تمہارے ساتھی اس سے کہیں زیادہ بڑی برائیوں میں مبتلا ہو، اور اس کے مقابلہ میں تم میں کوئی ایسی خوبی نہیں ہے جس سے برائیوں کی تلافی ہو سکے، اگر تم میں عقل و شعور ہوتا تو تم کو خود اپنے عیبوں سے اتنی فرصت نہ ملتی، کہ دوسروں کے عیوب پر نگاہ ڈالتے، ایسی حالت میں جبکہ تم لوگوں میں کوئی خوبی نہیں ہے میں تمہاری برائیاں انگیز کرتا ہوں تو اگر بالفرض تمہارے بیان کے مطابق شیخ میں کوئی عیب ہو بھی جسے میں قطعاً غلط سمجھتا ہوں تو کیا ان کی خوبیوں کے مقابلہ میں ان کا ایک عیب بھی گوارا نہ کیا جائے، اگر آیندہ تم نے میرے سامنے ان کی برائی کی تو تم کو اس کی سزا ملے گی، اس تنبیہ کے بعد پھر اس امیر کو کبھی اس کی جرأت نہ ہوئی۔

اس کا کوئی کام حسن نیت سے خالی نہ ہوتا تھا، حتی کہ گوے و چوگاں بھی وہ جہاد کی تیاری کے لئے کھیلتا تھا، جزیرہ کے ایک شیخ نے جن سے سلطان کو عقیدت تھی، ایک مرتبہ اس کو لکھ بھیجا کہ میں تمہارے متعلق یہ خیال نہیں کر سکتا تھا کہ تم بھی لہو و لعب میں وقت ضائع کرتے ہوگے اور بغیر کسی دینی فائدہ کے گھوڑوں کو تکلیف دیتے ہوگے، اس نے ان کو جواب میں لکھا کہ میں لہو و لعب کے لئے گوے چوگاں نہیں کھیلتا، بلکہ ہم لوگ سرحد پر دشمن کے قریب رہتے ہیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ دفعۃً پہنچ جاتے ہیں، اور ہم کو فوراً مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑا ہونا پڑتا ہے، یہ ممکن نہیں ہے کہ بغیر کسی وقفہ کے مسلسل جہاد میں مشغول رہیں، فوجوں کو آرام دینا بھی ضروری ہے، اس لئے اگر گھوڑے بھی تھان

پر بیکار چھوڑ دئے جائیں تو وہ مٹھے پڑ جاتے ہیں، اور ان میں چستی اور پھرتی باقی نہیں رہتی، اس لئے ان کو چاق و چوبند رکھنے کے لئے گوے و چوگان میں مشغول رکھنا ضروری ہے، اس سے تفریح ولہو ولعب مقصود نہیں،

دنیاوی فہم و فراست و تدبیر و سیاست میں بھی اس کا پایہ بہت بلند تھا، ابن اثیر نے اس کے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے[۱]،

صلیبی مجاہدین تک جو نور الدین کے سب سے بڑے دشمن تھے، اس کے محاسن کے معترف تھے، ولیم صوری کا بیان ہے کہ

"گو ہم میں اور نور الدین میں قوم و مذہب کا اختلاف تھا، مگر نور الدین ایک عادل بادشاہ تھا، دانشمند اور پکا دیندار تھا، گو عیسائیوں پر وہ بہت سخت تھا مگر عدل وہ صفت تھی جس کی قدر و قیمت اس کے دل میں خدا کے بعد تھی، اس کی رعایا میں سے اگر کوئی شخص اسے قاضی کے سامنے عدالت میں طلب کراتا تو حاضر ہو جاتا، اور قاضی سے اصرار کرتا کہ اس کے اعلیٰ مرتبہ کے خیال سے کوئی رعایت اس کے ساتھ نہ کرے، چنگی اور عشر دونوں محصول اپنی قلمرو میں اس نے بند کر دئے تھے، سادگی اور کفایت شعاری کے ساتھ اپنی ذاتی آمدنی پر بسر اوقات کرتا تھا، بیت المال کے روپیہ کو ہاتھ تک نہ لگاتا، ایک مرتبہ جب اس کی بیوی نے افلاس کی شکایت کی اور نور الدین نے حمص کی اپنی تین دکانیں جن کی سالانہ آمدنی بیس اشرفی تھی اسے ہبہ کرنی چاہیں اور بیوی نے اسے قبول نہ کیا تو بگڑ کر

[۱] یہ تمام واقعات دولت آتابکیہ ص ۹ ۲۹ تا ۲۶ ۳۱ سے ملخصاً ماخوذ ہیں، ابن اثیر نے انھیں بغیر کسی ترتیب کے متفرق طور سے لکھا ہے، ہم نے حتی الامکان ترتیب قائم کر دی ہے،

بیوی سے کہنے لگا میرے پاس اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے، باقی جو کچھ ہے وہ میرا اپنا نہیں ہے، بلکہ رعایا کی امانت ہے، اور اسی امانت کا خیال کر کے اس نے شہروں میں اہل شہر کی حفاظت کے لئے قلعے تعمیر کرائے، مدارس اور دار العوام، خانقاہیں، شفاخانے، کارواں سرائیں رعایا کی جسمانی و روحانی فلاح کے لئے بنوائیں، علماء و مشائخ کی صحبت میں جو لطف اسے حاصل ہوتا تھا، وہ کسی اور کو نہ ہوتا تھا، دین کے جملہ احکام کا جیسا وہ پابند تھا دوسرا نہ تھا، اس کی سنجیدگی اور متین آنکھوں کا پرسکوت عالم، بارعب پیشانی اور گندم گوں رنگ میں ایک گھلاوٹ پیدا کرتا تھا، چہرہ تقریباً بے ریش تھا، اس میں ایک سچے مشرقی شریف انسان کا انداز خودداری اور صدق و صفا پایا جاتا تھا، جہاں کہیں وہ ہوتا خاموشی اور سکوت طاری رہتا[1]،

الملک الصالح نور الدین کی وفات کے بعد شوال ۵۵۹ھ میں اتابکی امرار نے اس کے گیارہ سالہ بچے اسمٰعیل الملقب بہ الملک الصالح کو تخت نشین کیا، اس وقت اتابکی امرار میں شمس الدین علی المعروف بہ ابن دایہ، شمس الدین محمد المعروف بہ ابن مقدم، حسام الدین عیسیٰ اور سعد الدین گمشتگین زیادہ ممتاز تھے، اور ان میں ابن دایہ سب سے زیادہ نامور اور با اقتدار تھا لیکن وہ فالج میں مبتلا تھا، اس لئے ابن مقدم کارپرداز سلطنت قرار پایا،

الملک الصالح کی کم سنی کی وجہ سے بہت جلد امرار میں رشک و رقابت اور حصول اقتدار کی کشمکش شروع ہوگئی، اور نور الدین کی آنکھ بند ہوتے ہی، اتابکی حکومت

[1] صلاح الدین لین پول ص۱۱۶ ترجمہ اردو،

شیرازہ بکھر گیا، اور چند دنوں کے بعد صلاح الدین نے اس پر قبضہ کر لیا، اس کی تفصیل آئندہ آئے گی،

نورالدین کی وفات کے بعد ہی اس کے بھتیجے سیف الدین غازی والی موصل نے جزیرہ کے علاقہ پر قبضہ کر لیا، اتابکی حکومت کا امیر کبیر حلب میں بے کار پڑا تھا، وہ فالج کی وجہ سے خود نقل و حرکت نہ کر سکتا تھا، اس نے ابن مقدم کے پاس دمشق کہلا بھیجا کہ وہ سیف الدین غازی کے مقابلہ کے لئے الملک الصالح کو حلب بھیج دے لیکن اس نے محض اس خطرہ سے کہ ابن دایہ کے لڑکے الملک الصالح کو اپنے قابو میں کر کے اس کو اس کے عہدہ سے برطرف نہ کرا دیں، اس حکم کی تعمیل نہیں کی، اور جزیرہ پر سیف الدین کا مستقل قبضہ ہو گیا،

اتابکی امرار نے محض اپنی خود غرضی اور اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے سب سے بڑے اتابکی امیر صلاح الدین ایوبی کو جو آڑے وقتوں میں کام آسکتا تھا، بالکل الگ رکھا تھا اور اس سے کسی قسم کا صلاح و مشورہ نہ لیتے تھے، اس لئے وہ ابتدا سے ان سے برہم تھا، جزیرہ پر سیف الدین کے قبضہ کی خبر سن کر اس نے الملک الصالح کو لکھ بھیجا کہ اسے سیف الدین کی فوج کشی کی اطلاع کیوں نہ دی گئی کہ وہ خود آکر اس کو روکتا، اور اتابکی امرائ کو ایک غضب آلود خط لکھا کہ اگر سلطان نورالدین کو مجھ سے زیادہ تم لوگوں پر اعتماد ہوتا اور وہ یہ جانتا کہ میری مفوضہ خدمات تم انجام دے سکتے ہو تو وہ مصر جیسے بڑے ملک کی حکومت میرے بجائے تمھارے سپرد کرتا، اگر اتنی جلد اس کا وقت آخر نہ ہو گیا ہوتا تو وہ اپنی اولاد کی تربیت و خدمت کی ذمہ داری میرے علاوہ اور کسی کے سپرد نہ کرتا، تم لوگوں نے میرے آقا کی خدمت سے مجھ کو بالکل الگ رکھا ہے، میں خود عنقریب

سلطان مرحوم کا حق نمک ادا کرنے کے لئے پہنچتا ہوں، اور تم سب کو تمھارے کرتوتوں اور حکومت کے فرائض سے تمھاری غفلت کا مزا چکھاؤں گا،،

اس دوران میں امیر سعد الدّین بن کمشتگین الملک الصالح کو سمجھا بجھا کر حلب سے لے گیا، اور امیر الامراء شمس الدّین ابن دایہ اور حلب کے دوسرے اتابکی امراء کو گرفتار کر کے حکومت کی باگ اپنے ہاتھوں میں لے لی، ابن مقدم دمشق میں تھا، اسے خبر ہوئی تو اس نے جوش انتقام میں سیف الدّین غازی کو دمشق حوالہ کرنے کے لئے بلا بھیجا، لیکن وہ اسے فریب سمجھ کر نہ آیا،

دمشق کے تمام امراء سعد الدّین کے اقتدار و استبداد کی وجہ سے اس کے خلاف ہو گئے تھے، انھوں نے متفقہ طور سے صلاح الدّین ایوبی کو دمشق آنے کی دعوت دی[1]

اس زمانہ میں شام کے حالات کچھ ایسے تھے کہ اس کو صلیبیوں سے بچانے کی اس کے سوا کوئی صورت ہی نہ تھی، کہ یہاں کی زوال پذیر اتابکی حکومت کو ختم کر کے ایک طاقتور حکومت قائم کر دی جائے، اتابکی حکومت کے قیام سے پہلے شام پر صلیبیوں کا جتنا غلبہ ہو گیا تھا، اور ان کے ہاتھوں یہاں کے مسلمان جس نوبت کو پہنچ گئے تھے اسکی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اگر خدا نے عماد الدّین زنگی اور نور الدّین محمود کو نہ پیدا کر دیا ہوتا تو صلیبی سارے شام پر قابض ہو جاتے اور خدا جانے مسلمانوں کا کیا حشر ہوتا، ان دونوں باپ بیٹوں نے ان کا زور توڑا، لیکن ابھی یہ مہم پوری نہ ہوئی تھی کہ نور الدّین کا وقت آخر ہو گیا، بیت المقدس بدستور عیسائیوں کے قبضہ میں تھا، اور شام میں ان کی کئی حکومتیں قائم تھیں، اور سارا یورپ ان کی پشت پناہی پر تھا، ان کے مقابلہ کے لئے

---

[1] دولت اتابکیہ موصل ص ۳۰۸ تا ۳۹۱،

ایک بڑی طاقت کی ضرورت تھی، اس کے بغیر شام پر ان کا قابض ہو جانا یقینی تھا، اتابکی حکومت کا یہ حال تھا کہ نورالدین کی آنکھ بند ہوتے ہی اتابکی خاندان کی دونوں شاخوں دمشق اور موصل میں اختلافات شروع ہو گئے تھے، سیف الدین غازی فرمانروائے موصل نے دمشق کی حکومت کے مقبوضات پر فوج کشی شروع کر دی تھی، اور صلاح الدین ایوبی کے خطرہ سے بچنے کے لئے صلیبیوں سے مل گیا تھا، نورالدین کا لڑکا صغیر السن تھا، اس کے امراء خود غرضی اور جاہ و اقتدار کی کشمکش میں مبتلا تھے، اور کسی قیمت پر بھی صلاح الدین کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہ تھے، ان کے علاوہ شام کے اور چھوٹے چھوٹے حکمراں کسی شمار میں نہ تھے، صلیبیوں کے مقابلہ میں صرف صلاح الدین ایوبی ہی نورالدین کی صحیح جانشینی کر سکتا تھا، لیکن زوال پذیر اتابکی حکومت کی موجودگی میں سرزمین شام میں صلیبیوں کا مقابلہ ناممکن تھا، اس کی حیثیت صلاح الدین کے زمانہ میں ویسی ہی تھی جیسی نورالدین کے زمانہ میں دمشق کی پوری حکومت کی تھی، اس لئے صلیبیوں کے مقابلہ کے لئے اس کانٹے کو صاف یا کم از کم اس کی مضرتوں کو دور کرنا ضروری تھا، اتابکی حکومت کی اس ابتری اور شام کی حفاظت کے لئے صلاح الدین کی ضرورت کا اعتراف لین پول تک کو ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے،

دمشق میں ملک الصالح اور یروشلم میں بالڈون حاسد اور جاہ پرست مشیروں کے سپرد ہو گئے تھے، ایسی صورت میں وہ ایک شدید العزم حملہ آور کے مقابلہ میں کوئی بڑی مزاحمت کی طاقت نہ رکھتے تھے، بالخصوص اس حالت میں جبکہ اس حملہ آور کے پاس ایک زبردست اور آزمودہ کار لشکر بھی موجود ہو محض حب جاہ بہت سے لوگوں کو ایسی حالت میں جیسی کہ صلاح الدین اس وقت رکھتا تھا اس طرف راغب کرتی ہے،

کہ وہ اپنے ہمسایوں کی کمزوری سے نفع اٹھائیں، لیکن صلاح الدین کی نسبت ایسا خیال کرنا تاریخ کو غلط پڑھنے کے برابر ہوگا، جب تک صلاح الدین یہ نہ سمجھ لیتا کہ مسلمانوں کے عام فوائد بالخصوص ان کے دین کی حفاظت کے لئے اسے دخل دینے کی ضرورت پیش ہے اس وقت تک وہ اپنی سلطنت کو بڑھانے میں تامل ہی کرتا رہتا، اور ایک ایسے شخص کو نقصان پہنچا کر اپنا نفع مرتب کرنے کی ہوس نہ ہوتی، جس سے زندگی میں قریب کے تعلقات تھے، اور جس کا باپ صلاح الدین کا آقا اور سرپرست رہ چکا تھا شام کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ جو کچھ صلاح الدین نے کیا، اس کے سوا دوسرا چارہ کار ہی نہ تھا، ورنہ پھر یہ دیکھنا پڑتا کہ وہ سلطنت جسے عماد الدین زنگی اور اس کے فرزند نور الدین نے بڑی جانفشانی سے قائم کی تھی، پارہ پارہ ہو کر یا تو ایسے امیروں میں تقسیم ہو جاتی جو باہم حریف و دشمن تھے، یا عیسائیوں کا اس پر قبضہ ہو جاتا، بے انصافی و بدنظمی ہر طرف پھیل رہی تھی، سلطان نور الدین کے فرزند ملک الصالح کے چچا کا بیٹا والی موصل اس کی اطاعت سے نہ صرف سرتابی کر چکا تھا، بلکہ وہ الرہا کے علاقے اور دیگر صوبہ جات شام پر قابض و متصرف بھی ہو گیا تھا، اور جس امیر کی سپردگی میں حلب تھا، وہ ان لوگوں کا جانی دشمن ہو رہا تھا، جو ملک الصالح اسمٰعیل کے دربار میں پیش پیش تھے شام کے اکثر بڑے بڑے جاگیرداروں نے خودمختاری اختیار کی تھی گویا اسلام کا آجکل شام میں کوئی سردار باقی نہ رہ گیا تھا، اگر افرنگی خود ہی خراب نہ ہوتے تو پھر زنگی سلطان کے اجزا کا جو ان کے جی میں آتا وہ حال کرتے ہے[1]

آگے چل کر کہتا ہے:

---

[1] صلاح الدین لین پول ص ۱۱۷ و ۱۱۸،

دمشق کی مجلس وزرا چپ بیٹھی یہ دیکھا کی کہ سیف الدین غازی شہروں کو لوٹ رہا ہے، اور افرنگیوں کو روپیہ دے کر ان کو راضی کر لیا، یہ بات ایسی تھی جو صلاح الدین کو جلا کر خاک کر دینے والی تھی اور ان امیروں کی طرف سے بے حد نفرت پیدا کرنے والی تھی، امرائے دمشق دونوں طرف کے ہمسایوں سے خائف رہتے تھے، ایک طرف تو اتابک موصل سیف الدین غازی تھا، اور دوسری طرف مصر کا مالک صلاح الدین تھا، ان دونوں سے محفوظ رہنے کے لئے امرائے دمشق وہی حرکت کرتے تھے جو عماد الدین زنگی سے محفوظ رہنے کے لئے دمشق کے وزیر معین الدین نے کی تھی، یعنی ان امیروں نے بھی صلیبیوں سے ویسا ہی میل ملاپ کر لیا، جیسا کہ اس نے کیا تھا،[۱]

یہ وہ حالات تھے جنھوں نے صلاح الدین ایوبی کو اہل دمشق کی دعوت قبول کرنے پر مجبور کیا، چنانچہ ربیع الاول ۵۷۰ھ میں وہ دمشق پہنچا، اور اتابکی امرا، نے شہر اس کے حوالہ کر دیا، اس نے الملک الصالح کے اطمینان کے لئے اعلان کیا کہ میرے آنے کا مقصد ملک چھیننا نہیں ہے، بلکہ میں صرف اپنے آقازادہ کی خدمت اور اس کے ملک کو سیف الدین غازی کے قبضہ سے چھڑانے آیا ہوں[۲]"

لیکن جو مقصد صلاح الدین کے پیش نظر تھا، اس کی تکمیل کے لئے تنہا دمشق پر قبضہ کافی نہ تھا، اس لئے دمشق کے بعد اس نے حمص اور حماۃ کا رخ کیا، یہاں کے باشندوں نے روکنے کی کوشش کی، لیکن صلاح الدین نے انھیں شکست دیکر قبضہ کر لیا، اس کے بعد حلب پہنچا، الملک الصالح یہاں موجود تھا، اس نے اہل حلب سے رو رو کر فریاد کی کہ یہ ظالم احسان فراموش میرے باپ کے احسانات بھلا کر میرا ملک چھیننے کیلئے

---

[۱] صلاح الدین لین پول ص ۱۱۹، [۲] دولت اتابکیہ موصل ص ۳۲۲،

آیا ہے، اس کو خدا اور مخلوق کسی کی شرم باقی نہیں ہے۔ اس کی اس دردانگیز فریاد سے اہل حلب بہت متاثر ہوئے، اور انھوں نے صلاح الدین کے مقابلہ میں پوری قوت صرف کردی، اور اس کو آگے نہ بڑھنے دیا، اسی دوران میں اتابکی امراء کے اشارہ سے صلیبیوں نے حمص پر فوج کشی کردی، اس لئے صلاح الدین کو انھیں روکنے کے لئے لوٹ جانا پڑا، صلیبیوں کا مقصد صرف اُسے حلب سے ہٹانا تھا، اس لئے وہ بھی واپس چلے گئے، اسی سلسلہ میں صلاح الدین نے بعلبک پر قبضہ کرلیا،

بعلبک پر صلاح الدین کے قبضہ کے بعد صالح، سیف الدین سے مدد کا طالب ہوا، گو ان دونوں میں باہم اختلاف تھا، لیکن شام میں صلاح الدین کی قوت سیف الدین کے لئے بھی خطرہ سے خالی نہ تھی، اس لئے اس نے اپنے بھائی عزالدین مسعود کو فوجیں دے کر مدد کے لئے بھیجا، صلاح الدین کا مقصد اتابکی حکومت کا مٹانا نہیں، بلکہ محض اسکی مضرتوں کا دور کرنا تھا، اس لئے اس نے دمشق لینے کے بعد اس سے صلح کرلینی چاہی، اور سیف الدین غازی کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر ملک الصالح کے نائب کی حیثیت سے صرف دمشق اس کے پاس رہنے دیا جائے تو وہ حمص و حماۃ وغیرہ واپس کرنے کے لئے تیار ہے، لیکن سیف الدین نے اسے منظور نہ کیا اور جواب دیا کہ جب تک ہمارے کل مقبوضات واپس نہ کروگے اس وقت تک صلح نہیں ہوسکتی، صلیبیوں کے مقابلہ کے لئے دمشق کا قبضہ میں رکھنا ضروری تھا، اس لئے صلاح الدین اس کو واپس کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوا، اور اسے مجبور ہو کر عزالدین کے مقابلہ میں آنا پڑا، اور اس کو شکست دیکر حلب کا محاصرہ کرلیا، پھر چند دنوں کے بعد اس شرط پر صلح ہوگئی کہ شام کے جن حصوں پر صلاح الدین کا قبضہ ہوچکا ہے، وہ بدستور اس کے قبضہ میں رہیں گے، اور باقی اتابکی علاقہ کی طرف وہ قدم

نہ بڑھائے گا،

اس مصالحت کے بعد صلاح الدین اتابکی حکومت کی برائے نام ماتحتی سے بھی آزاد ہوگیا، اور اپنے ملک میں اپنے نام کا خطبہ وسکہ جاری کر دیا، اور مستکفی نے اسے خلعت اور پروانہ حکومت عطا کر دیا، لیکن یہ صلح زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی ۵۷۱ھ میں سیف الدین غازی صلاح الدین کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، اس نے سیف الدین کو شکست دیکر بزاعہ، بنبج اور قلعہ عزاز پر قبضہ کر لیا اور ۵۷۲ھ میں حلب پر فوج کشی کر دی، اہل حلب میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اسلئے انھیں جھک کر صلح کرنا پڑی،

عزاز کا قلعہ نہایت اہم تھا، اس کے بغیر حلب کی حفاظت نہیں ہوسکتی تھی، اس لئے اہل حلب سلطان نور الدین کی ایک چھوٹی بچی کو صلاح الدین کے پاس لے گئے، اور اسے سکھایا کہ اگر صلاح الدین تم کو کچھ دینا چاہے تو تم عزاز کا قلعہ مانگنا، صلاح الدین اپنی آقا زادی کے ساتھ بڑی عزت اور لطف و محبت سے پیش آیا اور بہت سے ہدایا تحائف دئے، لڑکی نے کہا مجھے عزاز کا قلعہ چاہیئے، سلطان نے اس کے سوال کو رد نہ کیا، اور عزاز کا قلعہ واپس کر دیا،[1]

حلب اور عزاز کے محاصرہ کے دوران میں اسماعیلی باطنیوں نے دو مرتبہ سلطان پر قاتلانہ حملہ کیا، لیکن خدا نے دونوں مرتبہ بچا لیا، فاطمی حکومت کا داغ آسانی سے فاطمیوں کے دل سے مٹنے والا نہ تھا، لیکن صلاح الدین کے مقابلہ میں بے بس تھے، اس لئے انھوں نے ایک طرف اس پر بزدلانہ حملے شروع کر دئیے، دوسری طرف اس کی مخالفت میں جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، فرنگیوں سے مل گئے، سب سے پہلی مرتبہ انھوں نے حلب

---

[1] یہ حالات ملخصاً ابن اثیر سے ماخوذ ہیں،

کے پہلے محاصرہ کے دوران میں سلطان پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن سلطان کو کوئی گزند نہ پہنچا اور حملہ آور گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا، دوسری مرتبہ ۵۷۲ھ میں عزاز کے محاصرہ کے دوران میں خنجر سے وار کیا لیکن خود کی وجہ سے کارگر نہ ہوا اور چہرہ پر خفیف خراش آ کر رہ گئی، سلطان نے حملہ آور باطنی کو زمین پر گرا دیا اور وہ قتل کر دیا گیا، اس کے بعد یکے بادیگرے کئی باطنی حملہ آور ہوئے لیکن سب مارے گئے،[۱]

اس درمیان میں وقتاً فوقتاً فرنگیوں سے بھی جنگ کا سلسلہ جاری رہا، بعض اہم واقعات یہ ہیں، ۵۶۶ھ میں صلاح الدین نے عسقلان پر جو ساحل شام پہ فرنگیوں کا بہت اہم مقام تھا حملہ کیا، اموری فرماں روائے یروشلم مقابلہ میں آیا، صلاح الدین نے اس کو بڑی فاش شکست دی، اس شکست کے بعد فرنگیوں نے ایلہ میں اجتماع کیا، صلاح الدین نے بری اور بحری دو سمتوں سے حملہ کر کے ایلہ فتح کر لیا،

مصر سے فاطمیوں کے اثرات بڑی حد تک زائل ہو چکے تھے لیکن ان کی حامی بعض خفیہ جماعتیں اب تک موجود تھیں، جن کی کوششیں صلاح الدین کے خلاف جاری تھیں، چنانچہ ۵۶۹ھ میں چند اشخاص عمارۃ بن ابو الحسن یمنی، عبد الصمد کاتب، قاضی عویرض اور فاطمیوں کے داعی اعظم نے شام کے فرنگیوں اور سسلی وغیرہ کے فرماں رواؤں سے امداد کا وعدہ کر کے انھیں مصر پر حملہ کے لئے آمادہ کیا لیکن اس سازش کا علم صلاح الدین کو ہو گیا، اس نے ان سب کو پکڑ کر سولی پر لٹکا دیا،

شام کے عیسائیوں کو اس کی اطلاع ہو گئی، اس لئے انھوں نے تو ارادہ ملتوی کر دیا لیکن سسلی والوں کو خبر نہ ہو سکی، انھوں نے دو سو جہازوں کے ساتھ اسکندریہ

[۱] کتاب الروضتین ج اول ص ۲۵۸،

بحری حملہ کیا، اس وقت صلاح الدین ناقوس میں تھا، اسکندریہ میں فوج بھی کم تھی، اس کے باوجود یہاں کے باشندوں نے بڑی شجاعت و پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا، اور فرنگیوں کے چھکے چھڑا دئے، اس دوران میں صلاح الدین پہنچ گیا، اس کی آمد سے اہلِ اسکندریہ میں ایک نئی قوت پیدا ہوگئی، اور انھوں نے فرنگیوں کو بڑی فاش شکست دی، وہ اس بدحواسی سے بھاگے کہ بہت سے سمندر میں ڈوب گئے، اور اس کشمکش میں ان کے کئی جہاز غرق ہوگئے، اور وہ باحال تباہ سسلی واپس گئے،[1]

دمشق پر صلاح الدین کے قبضہ کے بعد جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، شام میں صلاح الدین کی قوت بڑھ گئی تھی اور فرنگیوں کو اس کی جانب سے خطرہ پیدا ہوگیا تھا اسلئے انھوں نے ۵۷۱ھ میں اس سے صلح کر لی،[2]

لیکن شام سے صلاح الدین کے مصر واپس جانے کے بعد ہی انھوں نے دمشق کے علاقہ پر حملہ کر دیا، صلاح الدین کے بھائی تورانشاہ نے مقابلہ کیا، لیکن اس کو بڑی فاش شکست ہوئی، فرنگیوں نے اس کے بہت سے امرار گرفتار کر لئے اور دمشق کے سارے علاقہ میں پھیل گئے،[3]

صلاح الدین اس وقت بعض دوسری مہموں میں مشغول تھا، اس لئے ادھر متوجہ نہ ہو سکا، ۵۷۳ھ میں جب کہ ساحل شام کے فرنگی دوسری سمتوں میں منتشر تھے صلاح الدین نے میدان خالی پاکر عسقلان پر حملہ کردیا، اور مسلمان پورے علاقہ میں پھیل گئے، خود صلاح الدین رملہ کی طرف بڑھا، راستہ میں ایک دریا کو عبور کر رہا تھا کہ دفعۃً فرنگی فوجیں نمودار ہوگئیں، صلاح الدین کے پاس اس وقت کل چند سو آدمی تھے، تاہم اس کے بھتیجے محمد اور فقیہ عیسیٰ

---

[1] کتاب الروضتین ج اول ص ۲۴۴ [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۶۴ [3] ایضاً ص ۱۶۵،

نے بڑی شجاعت سے مقابلہ کیا، لیکن دونوں کی قوت میں کوئی تناسب نہ تھا، محمد نے شہادت حاصل کی، فقیہ علیسی گرفتار ہو گئے، اور صلاح الدین کو شکست ہوئی، اس نے ساٹھ ہزار اشرفی زرفدیہ دیکر فقیہ علیسی کو چھڑایا، اسی سنہ میں فرنگیوں نے حماۃ پر حملہ کیا، لیکن اسمیں کامیابی نہ ہوئی اور اہل حماۃ نے انھیں شکست دیکر واپس کر دیا۔[۱]

مستضی کی وفات | ذیقعدہ ۵۷۵ھ میں مستضی بامر اللہ کا انتقال ہو گیا، اس وقت ۳۹ سال کی عمر تھی، مدت خلافت نو سال سات مہینے،

وہ بڑا صالح، نیک سیرت اور کامیاب خلیفہ تھا، دنیاے اسلام کے اکثر فرمانروا اس کے مطیع تھے، اور وسط ایشیا سے لے کر مصر و مغرب تک میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، ملک کے امن وامان اور مرفہ الحالی کے اعتبار سے بھی اس کا زمانہ ممتاز تھا،

ابن اثیر کا بیان ہے کہ مستضی عادل اور رعایا کے ساتھ شفیق تھا، بے دریغ روپیہ صرف کرتا تھا، مقررہ محاصل کے علاوہ رعایا سے ایک حبہ زیادہ نہ لیتا تھا، اس کے زمانہ میں ملک کو اس قدر امن وسکون اور راحت وطمانیت حاصل تھی، جس کی مثال نہیں ملتی، مزاج میں حلم وعفو غالب تھا، خطاؤں پر بھی کم مواخذہ کرتا تھا، درگذر اور چشم پوشی سے کام لیتا تھا، رعایا کے لئے اس کا زمانہ ہر روز روز عید اور ہر شب شب برات تھا،[۲]

کان ایامہ من حسن سیرتہ　　　　مواسم الحج والاعیاد والجمع

ابن جوزی کا بیان ہے کہ تخت نشینی کے بعد ہی اس نے تمام ناجائز ٹیکس موقوف کر دئے جس کی جو چیز ظلم وزیادتی سے لی گئی تھی واپس کر دی گئی، اور اتنا عدل وانصاف اور لطف وکرم ظاہر کیا کہ ہم نے ساری عمر میں نہ دیکھا تھا، بنی ہاشم علویوں، علماء اور مدارس وخانقاہوں پر بے دریغ صرف کرتا تھا، اس کی نگاہ میں مال وزر کی کوئی وقعت نہ تھی،

---

[۱] کتاب الروضتین ج اول ص ۲۷۰ [۲] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۷۳،

اسکا ابرِ کرم ہمیشہ برستا رہتا تھا، تخت نشینی کے وقت تمام وابستگان دولت اور عمالان حکومت کو بیش قیمت خلعتیں عطا کیں، جن میں سترہ سو صرف ریشمی قبائیں تھیں، عام مجمعوں میں بہت کم نکلتا تھا، اور جب کبھی نکلتا تھا تو پورے شکوہ و تجمل کے ساتھ[1]،

ذہبیؔ کا بیان ہے کہ وہ بڑا اخیر فیاض اور حامی سنت تھا، اس کے زمانہ میں سارے ملک میں امن و امان رہا[2]، اللہ تعالیٰ نے اس کے زمانہ میں بڑی سعادت عطا فرمائی تھی، یمنؔ سے لے کر مصرؔ و مغربؔ تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، اور سارے فرمان روا اس کے مطیع و منقاد تھے[3]،

[1] تاریخ الخلفا ص ۵۵۴ و ۵۷۴ [2] دول الاسلام ج ۲ ص ۴۴ [3] تاریخ الخلفا ص ۵۷۴،

------ . . . ------

ابو العباس احمد بن مستضی الملقب بہ ناصر لدین اللہ

۵۷۵ھ تا ۶۲۳ھ مطابق ۱۱۷۹ء ۱۲۲۵ء

مستضی کی وفات کے بعد ذیقعدہ ۵۷۵ھ میں اس کا لڑکا احمد الملقب بہ ناصر لدین اللہ تخت نشین ہوا، اس وقت ۲۲ سال کی عمر تھی،

مستضی کے زمانہ میں دنیائے اسلام میں دو اہم واقعے رونما ہوئے، ایک سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس کو صلیبیوں کے قبضہ سے چھڑایا اور تیسری جنگ صلیبی ہوئی، دوسرے تاتاریوں کا طوفان اٹھا جس نے دنیائے اسلام کو زیر و زبر کر ڈالا آیندہ صفحات میں ان دونوں کے مختصر حالات پیش کئے جاتے ہیں،

سیف الدین غازی والی موصل اور الملک الصالح والی حلب کا انتقال

ناصر کی تخت نشینی کے دوسرے سال صفر ۵۷۶ھ میں سیف الدین غازی والی موصل کا انتقال ہو گیا، اس کے دو لڑکے تھے معز الدین سنجر شاہ اور ناصر الدین، یہ دونوں صغیر السن تھے، اس لئے سیف الدین غازی نے مرتے وقت اپنے چھوٹے بھائی عز الدین مسعود کو جو خاندان میں سب سے زیادہ اہل تھا، اپنا جانشین بنایا،

سیف الدین غازی کی وفات کے سال ہی ڈیڑھ سال کے بعد رجب ۵۷۷ھ میں الملک الصالح والی حلب کا وقت بھی آخر ہو گیا، اس کی عمر کل انیس سال تھی، وہ لا ولد تھا، اس لئے مرتے وقت وہ بھی عز الدین مسعود کو ملک حوالہ کرنے کی وصیت کر گیا،

ملک الصالح بڑا صالح و سعید تھا، نوجوانی میں بھی وہ پاکدامن رہا، مرض الموت میں طبیبوں نے دوا میں شراب کا استعمال تجویز کیا، اس نے فقہار سے پوچھا، انھوں نے دوا کے طور پر استعمال کے جواز کا فتویٰ دیدیا، ملک الصالح نے سوال کیا کہ کیا اس کے استعمال سے موت کا وقت ٹل سکتا ہے، فقہا نے کہا نہیں، ملک الصالح نے پینے سے انکار کر دیا، اور کہا پھر میں خدا کی حرام کی ہوئی چیز کو استعمال کرکے اس سے نہ ملوں گا،[1]

اس کی موت کے بعد اتابکی امرار نے اس کی وصیت کے مطابق حلب عزالدین مسعود کے حوالہ کر دیا، لیکن چند ہی دنوں کے بعد اس کے دوسرے چچیرے بھائی عمادالدین والی سنجار نے سنجار کو صلاح الدین کے حوالہ کرنے کی دھمکی دے کر سنجار سے حلب کا تبادلہ کر لیا،

عزالدین کی مخالفت اور صلاح الدین کا شام میں ورود

عزالدین مسعود اور عمادالدین دونوں صلاح الدین کے خلاف تھے، خاص طور سے عزالدین کو سلطان سے بڑا عناد تھا، چنانچہ ان دونوں نے سلطان کی مخالفت شروع کر دی، عمادالدین نے صلاح الدین کے علاقہ راوندان پر حملہ کر دیا، اور عزالدین صلاح الدین کے خلاف فرنگیوں اور باطنیوں سے مل گیا اور انھیں سلطان کے خلاف ابھارا، اور باطنیوں کو علاقہ دینے اور حلب میں ان کا تبلیغی مرکز قائم کرنے کا وعدہ کیا،[2]

سلطان اور حلب و موصل کے سابق فرماں رواؤں میں عہد و پیمان تھا، اس کی مدت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی، اس لئے عزالدین اور عمادالدین کی اس مخالفت کے باوجود سلطان نے ان کی جانب کوئی اقدام مناسب نہیں سمجھا، مگر ان دونوں کی مخالفانہ سرگرمی برابر جاری رہی، اس کا نتیجہ نہ صرف سلطان بلکہ شام کے مسلمانوں کے لئے سخت مضر تھا، اس لئے

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۷۸ [2] کتاب الروضتین ج ۲ ص ۲۳ و ۲۴،

اسے مجبور ہو کر شام کا قصد کرنا پڑا، لین پول لکھتا ہے:

جب رعایا کی حفاظت کے لئے صلاح الدین نے پھر شام پہنچنے کا قصد کیا تو معلوم ہوا کہ خاندان زنگی کے شہزادوں (عزالدین و عمادالدین) نے اپنا ایمان اور اپنی عزت اتنی فراموش کر دی ہے کہ ایک باضابطہ عہد نامہ نہ صرف عیسائیوں بلکہ شیخ الحشاشین[۱] سے اس مضمون کا کر لیا ہے کہ سب مل کر صلاح الدین کا مقابلہ کریں گے کیونکہ صلاح الدین حشاشین اور عیسائیوں کا یکساں دشمن ہے، لیکن اس پر بھی صلاح الدین اپنے قول و عہد سے نہ پھرا، رعایا کی حفاظت کے خیال سے وہ شام آیا، مگر تا وقتیکہ صلح کی میعاد ختم نہ ہوئی، اس نے کوئی مخالف کارروائی اپنے دغاباز اتحادیوں کے ساتھ نہ کی،[۲]

صلاح الدین کی مصر سے روانگی کے ساتھ ہی فرنگیوں نے کرک کے قریب اس کو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ دوسری سمت سے نکل گیا، اور طبریہ و بیسان وغیرہ فرنگی علاقوں پر حملہ کرتا ہوا، عکا تک بڑھتا چلا گیا، اور فرنگیوں کو شکست دیکر دمشق واپس گیا،

اس دوران میں اس کے دمشقی نائب عزالدین فرخ شاہ نے دبوریہ وشقیف کے فرنگی قلعوں پر جو عین اسلامی سرحد پر تھے فتح کر کے یہاں مسلمانوں کی چوکی قائم کی،[۳]

اسی سنہ میں صلاح الدین نے بیروت پر بحری و بری دونوں سمتوں سے حملہ کیا، حملہ کے دوران میں اطلاع ملی کہ بیت المقدس کے فرنگی زائرین کا ایک جہاز دمیاط آرہا ہے، بیروت بڑا مستحکم شہر تھا، اس کی تسخیر کے لئے عرصہ درکار تھا، اس لئے سلطان اسے چھوڑ کر فرنگی جہازوں کی تلاش میں روانہ ہو گیا، اور ان پر حملہ کر کے ایک ہزار چھ سو فرنگی گرفتار کئے،[۴]

---

[۱] حشیش عربی میں بھنگ کو کہتے ہیں، چونکہ باطنی بھنگ استعمال کرتے تھے، اس لئے ان کو حشاشین بھی کہتے تھے،

[۲] صلاح الدین ص ۱۶۲ [۳] کتاب الروضتین ج ۲ ص ۲۸ [۴] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۸۱

جزیرہ پر سلطان کا قبضہ سلطان کے مقاصد میں سب سے زیادہ مزاحم زنگی خاندان اور شام و جزیرہ کے وہ چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمراں تھے جو بیشتر اتابکی حکومت سے متوسل تھے، ان کی جانب سے اطمینان حاصل کئے بغیر یکسوئی سے فرنگیوں کا مقابلہ مشکل تھا، اتفاق سے اسی زمانہ میں اتابکی حکومت کا ایک متوسل امیر مظفر الدین کوکبری والی حران عزالدین مسعود کے خلاف ہوگیا، اور سلطان سے مل کر اس کو جزیرہ پر حملہ کی دعوت دی اس کی دعوت پر سلطان بیروت سے واپسی کے بعد فرات کو عبور کرکے جزیرہ کی طرف بڑھا اور اعلان عام کر دیا کہ جو فرماں روا اس کی اطاعت قبول کرے گا، اسکو اس کے علاقہ پر بحال رکھا جائیگا، ورنہ بزور شمشیر اسکو مطیع بنایا جائے گا، اس اعلان پر بہت سے فرماں رواؤں نے سلطان کی قوت و سطوت سے ڈر کر اس کی اطاعت قبول کرلی، سلطان نے انھیں انکے علاقوں پر بحال رکھا، جنھوں نے سرتابی کی انھیں بزور شمشیر مطیع بنایا، اور جزیرہ کا بڑا حصہ اس کے زیر نگیں ہوگیا۔[1]

یہ صورت دیکھ کر عزالدین مسعود اور عماد الدین دونوں سلطان کے مقابلہ کے لئے متحد ہوگئے اور عماد الدین نے اپنا علاقہ عزالدین کی حفاظت میں دیدیا،

موصل پر فوج کشی اور سنجار پر قبضہ ۵۸۰ھ میں سلطان نے موصل پر فوج کشی کر دی، سلطان نور الدین مرحوم جیسے تجربہ کار نے جنگی نقطہ نظر سے اس کے استحکامات تعمیر کئے تھے، اس کے علاوہ عزالدین کے نائب مجاہد الدین قائماز نے مدافعت کے انتظامات بھی نہایت مکمل کئے تھے، اس لئے صلاح الدین کی پوری فوجی قوت اور جنگی تدبیریں اس کی تسخیر میں ناکام رہیں، عزالدین مسعود نے سلطان سے صلح کرنے کی کوشش کی، لیکن اس نے ایسے شرائط پیش کئے جو عزالدین کے لئے ناقابل قبول تھے، اس لئے صلح نہ ہوسکی،

---

[1] ابو شامہ نے اس کی طویل تفصیل لکھی ہے، ہم نے خلاصہ نقل کیا ہے،

سلطان نے جب دیکھا کہ موصل کی تسخیر کے لئے عرصہ درکار ہے تو اسے چھوڑ کر عزالدین مسعود کے بھائی شرف الدین کے علاقہ سنجار پر فوج کشی کی، اس نے پورا مقابلہ کیا، لیکن سلطان نے اسے شکست دے کر فتح کر لیا، اور اپنے سالے سعد الدین مسعود کو یہاں کا حاکم بنایا،[1]

آمد پر قبضہ | سنجار کے قریب ہی آمد کی دولت مند ریاست تھی، اس کا خزانہ طلائی و نقرئی سامانوں اور عجائبات و نوادر سے بھرا ہوا تھا، لیکن یہاں کا فرماں روا نہایت غافل اور نااہل تھا اور حکومت کی باگ ایک جابر امیر بہاء الدین بن نیسان کے ہاتھوں میں تھی، اس کے مظالم سے رعایا تنگ تھی، چنانچہ آمد کا ایک امیر محمد بن قرا ارا اس کے خلاف ہو گیا اور سلطان صلاح الدین کو آمد پر حملہ کی دعوت دی، اس کی دعوت پر سنجار سے فراغت کے بعد سلطان نے آمد پر فوج کشی کی، آمد بھی موصل کی طرح نہایت سنگین و مستحکم تھا، اور اس کا فتح کرنا بہت مشکل تھا، سلطان نے تیروں کے ذریعہ شہر میں یہ تحریر پھکوائی کہ جو لوگ اطاعت قبول کر لیں گے ان کے ساتھ فتح کے بعد احسان کیا جائیگا، اور جو مقابلہ کریں گے ان سے پورا بدلہ لیا جائے گا، اہل شہر خود بہاء الدین کی زیادتیوں سے تنگ تھے، اس لئے انھوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا اور سلطانی فوجوں نے شہر پناہ توڑ دی، یہ صورت دیکھ کر ابن نیسان نے سلطان کے وزیر قاضی فاضل کے ذریعہ اس شرط پر شہر حوالہ کر دیا کہ تین دن کے اندر جتنا سامان وہ لیجا سکے گا، لیجانے دیا جائے گا، چنانچہ تین سو آدمی برابر تین دن تک سامان ڈھوتے رہے، اس کے باوجود اس کا دسواں حصہ بھی نہ جا سکا، اور چوتھے دن ابن نیسان کو مع باقی سامان کے شہر چھوڑ دینا پڑا، اور محرم ۵۷۹ھ میں آمد پر سلطان کا قبضہ ہو گیا، آمد کا کتب خانہ اتنا عظیم الشان تھا کہ اس میں دس لاکھ چالیس ہزار کتابیں تھیں، یہ سب

[1] کتاب الروضتین ج ۲ صہ ۳۳ و ابن اثیر ج ۱۱ صہ ۱۸۱،

سلطان نے قاضی فاضل کو دیدیں، سلطان نے محمد بن قرا رسلان کے لڑکے نور الدین کو آمد کا حاکم مقرر کیا، یہ سات برس تک آمد کے باقیماندہ غیر ضروری سامانوں کو فروخت کرتا رہا اور سارا ملک اس سے بھر گیا،[1]

حلب پر قبضہ آمد پر قبضہ کے بعد سلطان دمشق واپس گیا، اور تل خالد اور عینتاب فتح کر کے اسی سنہ میں حلب پر فوج کشی کی اتابکی امراء نے بڑی پامردی سے مدافعت کی لیکن عماد الدین خود اپنے بخل اور جنگی مصارف کی کثرت اور بعض امراء کی مخالفت کی وجہ سے ہمت ہار گیا، اور سنجار، نصیبین، خابور، رقہ اور سروج جیسے چھوٹے چھوٹے مقامات لے کر ان کے بدلہ میں حلب جیسا اہم مقام سلطان کے حوالہ کر دیا،[2] حلب پر قبضہ کے بعد شام میں سلطان کی قوت بہت بڑھ گئی، دریائے دجلہ سے رود نیل تک اور افریقہ کے ساحل پر طرابلس تک تمام بڑے بڑے شہر اس کے زیر نگیں اور مختلف قوتیں اس کے تابع فرمان ہوگئیں، اور مکہ معظمہ سے بغداد کی مسجدوں تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا،[3]

شام کے فرنگی فرمان رواؤں میں ریجی نالڈ (برنس ارطاۃ) والی کرک سب سے زیادہ فریب کار، فتنہ پرست اور مسلمانوں کا دشمن تھا، شر و فساد اس کی فطرت میں داخل تھا، زیادہ تر وہی صلیبیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا، لین پول نے اس کو مکار اور قزاق کے لقب سے یاد کیا ہے،[4] عہد و پیمان کی اس کی نگاہ میں کوئی وقعت نہ تھی، معاہدوں کے توڑنے میں اس کو خاص شہرت حاصل تھی، اس کو اس بات میں خاص مسرت ہوتی تھی کہ عافیت پسند مسلمان تاجروں کے کاروانوں اور غریب حاجیوں کے قافلوں کو جو مکہ یا مصر سے آتے تھے لوٹ لیتا،[5]

---

[1] کتاب الروضتین ج ۲ ص ۴۳ و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۸۳ [2] کتاب الروضتین ج ۲ ص ۴۲ و ۴۴ [3] صلاح الدین ص ۱۵۲ و ۱۵۳ [4] ایضاً ص ۱۵۵ [5] ایضاً ص ۱۶۴،

اسکو اسلام اور مسلمانوں سے اتنی عداوت تھی کہ ۵۷۸ھ میں اس نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، مگر پورا نہ ہوسکا، ایک سال بعد ۵۷۹ھ میں پھر اس نے کوشش کی، لین پول لکھتا ہے کہ

حجاز پر ریجی نالڈ کا حملہ اور ناکامی

حجینن کے ریجی نالڈ نے جزیرہ نمائے عرب پر فوج کشی کا قصد کیا، تاکہ مدینہ طیبہ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مزار مبارک کو منہدم اور مکہ معظمہ میں خانۂ کعبہ کو مسمار کرئے، اس کے لئے اس نے ایسے جہاز تیار کرائے جن کے ٹکڑے ہوسکتے تھے، ان ٹکڑوں کو وہ کرک سے خلیج عقبہ کے ساحل پر لے گیا، اور انھیں جوڑ کر جہازوں کا ایک بیڑا تیار کیا، اور عیذاب کو لوٹنے چلا، عیذاب بحر قلزم کے افریقی ساحل پر واقع تھا، اس نے دو جہازوں کو بیچ میں ڈال کر ایلہ کا بحری راستہ بند کر دیا، مسلمانوں کو اس کی خبر ہوئی تو ان کا جہازی بیڑا عیسائیوں کے بیڑے کے تعاقب میں چلا، اس کا امیر البحر لولو تھا، اس نے آتے ہی پہلے ایلہ کا بحری راستہ کھولا اور اپنی کل فوج کو الحورا تک جو بحر قلزم کا چھوٹا بندرگاہ تھا لے آیا، ریجی نالڈ نے اسی بندرگاہ سے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا تھا، فرنگیوں نے جوں ہی اسلامی فوجوں کو آتے دیکھا وہ ایسے گھبرائے کہ جہازوں سے اتر کر پہاڑوں کی جانب بھاگے تاکہ وہاں چھپ جائیں، لولو نے بدووں سے گھوڑے لے کر سپاہیوں کو اس پر سوار کیا اور دوڑ کر دشمن کو غار اور باغ میں جا پکڑا، اور ان کے ٹکڑے اڑا دیئے، ریجی نالڈ خود بھاگ گیا، مگر اس کے ساتھ والوں میں بہت سے لوگ قتل کئے گئے، لولو نے کسی کو جان کی امان نہ دی،[1]

حارم پر قبضہ

حلب پر تو سلطان کا قبضہ ہوگیا تھا، لیکن مملکت حلب کا ایک مضبوط قلعہ حارم اب تک عمادالدین کے پاس تھا، سلطان نے اسکی کوشش کی کہ عمادالدین حارم کا قلعہ

[1] صلاح الدین ص ۱۵۲و۱۵۳ عربی مورخین نے بھی اس واقعہ کا مختصر ذکر کیا ہے،

اس کے حوالہ کردے، اور اس کے معاوضہ میں کوئی اور علاقہ لے لے لیکن وہ اس کے لئے تیار نہ تھا اور فرنگیوں کو اپنی مدد پر آمادہ کرلیا، اس لئے حارم کے باشندے عماد الدین کے خلاف ہوگئے، اور اس کو گرفتار کرکے قلعہ سلطان کے حوالہ کردیا، حارم پر قبضہ کے بعد حلب کے پورے علاقہ پر آسانی کے ساتھ سلطان کا قبضہ ہوگیا،[1]

فرنگیوں سے معرکہ آرائی

حارم پر قبضہ کے بعد سلطان دمشق واپس گیا، اور تمام ممالک محروسہ کی فوجیں جمع کرکے ۵۷۹ھ میں فرنگی علاقہ پر فوج کشی کی، اور سب سے پہلے بیسان کا رخ کیا، یہاں کے فرنگی اپنا کل سازوسامان چھوڑ کر نکل گئے، یہ سب سلطانی فوج کے قبضہ میں آیا اور آگے بڑھ کر جالوت میں منزل کی اور ایک دستہ فرنگیوں کی تلاش میں روانہ کیا، راستہ میں کرک کے فرنگیوں کا سامنا ہوگیا، اتابکی دستہ نے حملہ کرکے ان کی بڑی تعداد قتل و گرفتار کرلی،[2]

لین پول لکھتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ہی لوسگنان کے گائی نے جو بالڈون کے زمانۂ علالت میں فرنگی افواج کی سپہ سالاری کے فرائض انجام دیتا تھا، صلاح الدین کے مقابلہ کے لئے الفوکہ میں اتنا زبردست اجتماع کیا کہ اس سے پہلے فلسطین میں اتنی صفین جنگ کے لئے آراستہ نہ ہوئی تھیں، اس میں ایک ہزار تین سو مسیحی نائٹ اور پندرہ ہزار اچھے ہتھیار رکھنے والی پیدل فوج، اور یورپ کے بڑے بڑے شریف زادے، ہنری، بودین کا ڈیوک، ملینی کا رالف اس کے علاوہ شام کے بڑے بڑے مسیحی رئیس گائی، ریجی نالڈ، بالڈون، عبلین کا بالیان، صیدا کا ریجی نالڈ، قیساریہ کا والٹر اور کورنتی جوسلن وغیرہ تھے[3] اس لئے سلطان بھی عین جالوت سے الفوکہ پہنچا، دونوں میں مقابلہ ہوا، ایک خونریز معرکہ کے بعد فرنگی الفوکہ سے ہٹ کر عین جالوت چلے گئے سلطان بھی ان کے عقب سے پہنچا اور ان کے چاروں طرف فوجوں

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۸۶، [2] کتاب الروضتین ج ۲ ص ۵ ولین پول ص ۱۷۵، [3] صلاح الدین ص ۱۷۵،

کا حصار قائم کرکے انھیں میدان میں لانے کی بڑی کوشش کی، لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے، یہ صورت دیکھ کر سلطان نے انھیں راستہ دیدیا، فرنگیوں نے راہ فرار اختیار کی اور سلطان نے ان کا تعاقب کرکے بے دریغ قتل و گرفتار کیا، اور ان کے علاقے کفربلا، بیسان اور زرعین کو ویران کرڈالا[1]۔

لین پول لکھتا ہے کہ عین جالوت میں سلطان نے ناکہ بندی کرکے فرنگیوں کا سامان رسد بند کردیا ....

کھانے پینے کی کوئی چیز اس حلقہ سے جو مسلمانوں نے صلیبیوں کے گرد باندھ رکھا تھا، نکل کر عیسائیوں تک نہ پہنچ سکتی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل صلیب میں سخت قحط پڑ گیا، زمانہ وسط اکتوبر کا تھا، برسات قریب آرہی تھی، صلاح الدین نے بہت کوشش کی صلیبی کسی طرح جنگ پر آمادہ ہوں، مگر وہ نہ آئے اور جہاں تھے آخر کار وہیں سے بھاگنا شروع کردیا، کمانوں سے نکلے ہوئے تیر اڑ اڑ کر ان کا تعاقب کرتے تھے، غرض یہ فراری عیسائی بے حد خجل و شرمندہ ہو کر صفوریہ میں آئے یہی وہ مقام تھا، جہاں سے وہ بڑی شان سے صفیں باندھ کر لڑنے کو نکلے تھے[2]۔

اس مہم سے فراغت کے بعد ۵۷۹ھ میں سلطان نے اپنے سب سے بڑے دشمن ریجی نالڈ کے علاقہ کرک پر فوج کشی کی، اس کی شہر پناہ بڑی سنگین و مستحکم تھی، صلاح الدین نے سنگباری آلات کے ذریعہ اس کو توڑنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا، اسی دوران میں خبر آئی کہ ریجی نالڈ کی مدد کے لئے فرنگی والہ میں جمع ہو رہے ہیں، کرک کی تسخیر کے لئے عرصہ درکار تھا، اس لئے سلطان دمشق لوٹ گیا،

کرک کی فتح اور مصر و شام و جزیرہ کی فوجوں کو جمع کرکے ۵۸۰ھ میں دوبارہ بڑے اہتمام سے

---

[1] کتاب الروضتین ج ۲ ص۵ [2] صلاح الدین ص۱۵۵،

فوج کشی کی اور فرنگیوں کی پوری مدافعت کے باوجود اس نے کرک فتح کر لیا لیکن اس کے قلعہ پر قبضہ نہ ہو سکا ابھی وہ قلعہ کی تسخیر کی تدبیر میں تھا کہ خبر ملی کہ کرک کے محصورین کی مدد کے لئے امدادی فوجیں الوالہ تک پہنچ گئی ہیں، اس لئے سلطان ان کو روکنے کے لئے الوالہ چلا گیا، اور ایک کھلے میدان میں فرنگیوں کے انتظار میں ٹھہر گیا، ان کو خبر ہو گئی تھی، اس لئے وہ راستہ چھوڑ کر دوسری جانب سے کرک پہنچ گئے، اس تازہ دم امدادی فوج کے بعد قلعہ کرک کی تسخیر اور زیادہ دشوار ہو گئی تھی اسلئے سلطان اسے چھوڑ کر نابلس اور سبسطینہ کو لوٹتا ہوا دمشق لوٹ گیا،[1]

لین پول نے اس سلسلہ میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ کرک کے محاصرہ کے دوران میں بادشاہ یروشلم امال رک کی سوتیلی بہن ازابیلا کی شادی کی تقریب میں کرک میں جشن منایا جارہا تھا، دولھا دلھن یہیں تھے، صلاح الدین نے ریجی نالڈ کی دشمنی کے باوجود اس کے پاس شادی کا کھانا بھیجا، اور فوج کو حکم دیا کہ جس برج میں دولھا دلھن ہیں ان پر تیر نہ پھینکے جائیں،[2]

صلاح الدین اور ریمنڈ والی طرابلس کی مصالحت

کرک سے سلطان کی واپسی کے چند ہی دنوں بعد ۸۱-۵۸۰ھ مطابق ۸۵-۱۱۸۴ء میں یروشلم کے فرماں روا امال رک کا انتقال ہو گیا، وہ لاولد تھا، اسلئے اپنے صغیر السن بھانجے بالڈون کو اپنا جانشین بنا گیا، اور لوسگنان کا گائی اور طرابلس کا فرمانروا ریمنڈ اس کے ولی قرار پائے، امال رک کی موت کے بعد یروشلم کے عیسائیوں کا جوش کسی قدر ٹھنڈا پڑ گیا، اور ریمنڈ نے صلاح الدین سے چار سال کے لئے صلح کر لی اور یہ بھی عہد و پیمان ہو گیا کہ فریقین ہر حالت میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہیں گے، اور ان میں سے کسی ایک یا دونوں پر جب کوئی تیسری قوت حملہ آور ہو گی تو فریقین ایک دوسری کی مدد کریں گے[3] لیکن اس صلحنامہ کا عام صلیبیوں پر کوئی اثر نہیں پڑا، اور ان کا جوش جہاد بدستور

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۸۹ و ص ۱۹۰ و کتاب الروضتین ج ۲ ص ۵۶ ملخصاً [2] صلاح الدین ص ۱۵۶ [3] ایضاً ص ۱۵۷،

قائم رہا لین پول لکھتا ہے کہ صلاح الدین اور ریمنڈ کے ذہن میں اس صلحنامہ کی جو شکل بھی ہو لیکن حقیقت میں یہ صلح ایسی ہی تھی جیسے لڑائی کے میدان میں سپاہی کو تنبہ ہو کہ طبلی کی آواز سنتے ہی اڑ جائے یہ صلح حقیقت میں صلح نہ تھی، اسی زمانہ میں بطریق ہیریکلیوس مسیحی مجاہدوں کی بھرتی کے لئے یورپ میں گشت لگا رہا اور انگلستان کے نائٹ شی والی سے لے کر جبل البرانس تک جنگ مقدس کے لئے صلیبیں کندھوں پر رکھے ہوئے تھے، جس حال میں کہ مسیحی مجاہدوں کی دو جنگ آور جماعتیں الدایہ (ہاسپیٹلرس) اور البیطار (ٹمپلرس) کے نائٹ نصرانیت کے لئے تلوار چلانے کے لئے بیتاب ہوں تو یہی سمجھنا چاہئے کہ گو جنگ مقدس سو گئی تھی، لیکن اس کا بیدار ہونا یقینی تھا،[1]

ابن اثیر نے اس صلح کی صورت یہ لکھی ہے کہ امارل مارک کی موت کے چند ہی دنوں کے بعد اس کا جانشین بالڈون بھی مر گیا، اس کی موت کے بعد یروشلم کا تخت اس کی ماں کو ملا، اس نے ایک شخص، گی، (گائی)، سے شادی کر کے تاج و تخت اس کے حوالہ کر دیا، بالڈون کی صغر سنی کی وجہ یروشلم کی حکومت کی باگ ریمنڈ کے ہاتھوں میں تھی، اس لئے اس سے دست برداری، اس کو بڑی شاق ہوئی، اس پر طرہ یہ ہوا کہ گائی نے اس سے بالڈون کے زمانہ کا حساب و کتاب طلب کیا اس لئے گائی کے ساتھ اس کی مخالفت اور زیادہ بڑھ گئی، اور وہ صلاح الدین سے مل گیا سلطان نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ یروشلم کی حکومت اس کو دلا دے گا، ریمنڈ کا صلیبیوں پر بڑا اثر تھا اس لئے اس صلح کے بعد بہت سے فرنگی بھی سلطان کے ساتھ ہو گئے اور ان کی قوت دو جماعتوں میں تقسیم ہو گئی ہے،[2]

موصل پر فوج کشی اور عزالدین کی اطاعت

ادھر کچھ دنوں سے موصل کی حکومت پر عزالدین مسعود کا نائب السلطنت مجاہد الدین قائماز حاوی ہو گیا تھا، اور عزالدین برائے نام حکمراں رہ گیا تھا، اس لئے اس نے

[1] صلاح الدین ص۱۱ الدایہ اور البیطار .... دونوں فرنگی مجاہدین کی بڑی پرجوش اور جانباز جماعتیں تھیں۔ اس میں یورپ کے بڑے بڑے امراء شامل ہیں ۔ [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۹۸ ۔

مجاہد الدین کے استبداد سے عاجز آکر اسے گرفتار کرلیا، اسکی گرفتاری سے موصل کی حکومت کا سارا انتظام بگڑ گیا، اور اس کے ماتحت امرا اور حکمرانوں نے عزالدین سے اپنا تعلق منقطع کرلیا، اور اس کے پاس صرف موصل رہ گیا، یہ صورت دیکھ کر عزالدین نے ناصر لدین اللہ کے ذریعہ سلطان صلاح الدین سے صلح کی کوشش کی، مگر صلح نہ ہوسکی، اور سلطان نے ۵۸۱ھ میں موصل پر فوج کشی کردی، عزالدین جنگ سے بچنا چاہتا تھا، چنانچہ جب سلطان قریب پہنچا تو عزالدین نے اپنی چچیری بہن یعنی سلطان نورالدین زنگی کی لڑکی کو اس امید پر سلطان کے پاس صلح کے لئے بھیجا کہ وہ اپنی آقازادی کی خواہش کو رد نہ کرے گا، سلطان نے امرار سے مشورہ کیا، اکثر امرار نے رائے دی کہ مرحوم سلطان کی لڑکی کو مایوس واپس نہ کرنا چاہیئے، لیکن بعض امرار نے کہا کہ محض ایک عورت کی خاطر موصل جیسے علاقہ کو چھوڑ دینا مناسب نہیں ہے، عزالدین نے عورتوں کو محض اس لئے درمیان میں ڈالا ہے کہ اس میں مقابلہ کی طاقت نہیں ہے[1]،

صلاح الدین کی دلی خواہش بھی یہی تھی، اس لئے اس نے اپنی آقازادی کی ظاہری تعظیم و توقیر تو بہت کی، اور بہت سے وعدے وعید بھی کئے، لیکن بلطائف الحیل اس کی درخواست ٹال دی[2]، اس کا نہایت برا اثر پڑا، اہل موصل کے علاوہ خود صلاح الدین کے امرا اور اس کے وزیر قاضی فاضل تک نے اس کو ناپسند کیا، اور جب اس نے موصل پر حملہ کیا، تو اسے خود اپنی غلطی کا احساس ہوا، اہل موصل نے اس پامردی اور شجاعت سے مقابلہ کیا کہ سلطان کی ساری جنگی تدبیریں ان کو مغلوب کرنے میں ناکام رہیں،

اسی دوران میں شاہ ارمن والی خلاط کا انتقال ہوگیا، اس کے کوئی اولاد نہ تھی، اور نہ اس نے کسی کو اپنا جانشین بنایا تھا، اس لئے اس کی موت کے بعد اس کا خسر شمس الدین پہلوان

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۹۳ [2] کتاب الروضتین ج ۲ ص ۶۴،

اور غلام بکتمر خلاط کی حکومت کے دعویدار پیدا ہو گئے، اہل خلاط ان دونوں کو ناپسند کرتے تھے انھوں نے سلطان کو بلا بھیجا، موصل کی تسخیر کی فوری کوئی امید نہ تھی، اس لئے سلطان محاصرہ اٹھا کر خلاط چلا گیا لیکن جب یہ قریب پہنچا تو شمس الدین اور بکتمر دونوں نے صلح کرلی،

اس کے بعد سلطان کے لئے کوئی موقع نہ رہ گیا تھا، اس لئے وہ پھر موصل لوٹ آیا، اس مرتبہ اس میں اور عزالدین مسعود میں صلح ہوگئی، عزالدین نے شہرزور اور دریائے زاب کے آس پاس کا پورا علاقہ قرابلی اور بنی قپچاق کے اضلاع سلطان کو دیدئے، اور اپنے ملک میں اس کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا، اور اتابکی حکومت ایوبی حکومت کے ماتحت ہو گئی، اس کی جانب سے اطمینان حاصل ہونے کے بعد صلاح الدین کو صلیبیوں سے مقابلہ کا آزادی کے ساتھ موقع مل گیا،[1]

ریجی نالڈ کی بدعہدی سلطان کا اصل مقصد ارض شام کو صلیبیوں سے پاک کرنا تھا، لیکن کچھ اندرونی حالات اور کچھ اس سبب سے کہ بعض فرنگی فرماں رواؤں سے وقتی مصالحت ہو گئی تھی، سلطان نے ابھی اس مہم کی جانب پوری توجہ نہ کی تھی اتفاق سے عزالدین مسعود سے مصالحت کے بعد ہی ریجی نالڈ کی عہد شکنی نے اس کا موقع بہم پہنچا دیا، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، صلح کے زمانہ میں مسلمان تاجروں اور قافلوں کو لوٹنا اس نے مشغلہ بنا لیا تھا، لین پول کا بیان ہے کہ اس نے عین صلح کے زمانہ میں ۱۱۷۹ء میں ایک کارواں کو جو اس کے قلعہ کے نیچے اترا تھا، لوٹ لیا، اور اس کے تمام آدمی گرفتار کر لئے، بادشاہ یروشلم نے اس پر اعتراض کیا، اور کارواں کی رہائی اور لوٹے ہوئے مال کی واپسی کے لئے سفیر بھیجے، ریجی نالڈ نے ان کا مذاق اڑایا ۱۱۸۳ء میں پھر اس نے یہی حرکت کی ... ... ۱۱۸۶ء میں مسلمان تاجروں کے ایک قافلہ

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۹۲ و ۱۹۳

کو لوٹ کر اہل قافلہ کو گرفتار کر لیا، جب ان لوگوں نے اس سے رہائی کے لئے کہا تو اس نے یہ طعن آمیز جواب دیا کہ "تم محمدؐ پر ایمان رکھتے ہو اس سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ آکر تمھیں چھڑائے۔" اس کے ایک ہی سال کے بعد اسے اس تمسخر و استہزار کی پوری سزا مل گئی، سلطان صلاح الدین نے اس کو سنا تو قسم کھا کر عہد کیا کہ اس صلح شکن کافر کو خدا نے چاہا تو میں اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا، صلاح الدین نے جس بات کا عہد کیا تھا، اسے کر دکھایا، اور اس آخری کارروائی پر حملہ نے یروشلم کی مسیحی سلطنت ہی کو ختم کر دیا، لین پول کے بیان کے مطابق اس کارروائی میں سلطان کی بہن بھی تھی[1]،

لیکن عربی تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں، اس میں اتنا اور اضافہ ہے کہ صلاح الدین نے ایک مرتبہ پھر معاملہ کو رفع دفع کرنے کی کوشش کی اور ریجی نالڈ کو لکھ بھیجا، کہ وہ قیدیوں کو رہا اور لوٹے ہوئے مال کو واپس کر دے ورنہ اسکی سزا بھگتنا پڑے گی، لیکن ریجی نالڈ ضد پر قائم رہا، اس سے صلاح الدین کا اشتعال اور بڑھ گیا، اور اس نے عہد کر لیا کہ اگر اس کو ریجی نالڈ پر قابو حاصل ہو گیا تو اس کو اپنے ہاتھوں سے قتل کریگا،[2]

اور صلیبیوں سے فیصلہ کن جنگ کے لئے ممالک محروسہ میں جہاد کی عام منادی کر دی، اور اپنے زیر اثر تمام امراء اور فرماں رواؤں کو حکم دیا کہ وہ اپنی اپنی فوجیں لیکر جمع ہو جائیں، اس حکم پر عراق و کردستان کے تمام فرماں روا پہنچ گئے، اور سلطان محرم سنہ ۵۸۳ھ میں دمشق سے فلسطین روانہ ہو گیا، راس الماء میں اطلاع ملی کہ ریجی نالڈ حاجیوں کے قافلہ کو جو حجاز سے واپس آرہا تھا، لوٹنے کا ارادہ کر رہا ہے، اس میں سلطان کا بھانجا حسام الدین بھی تھا، ابھی بعض اسلامی ممالک کی فوجیں نہ پہنچی تھیں، اس لئے

---

[1] صلاح الدین ص۱۴۷۔ [2] کتاب الروضتین ج ۲ ص۷۵ و ابن اثیر ج ۱۱ ص۱۹۹،

سلطان اپنے لڑکے الملک الفاضل کو رمس المار میں چھوڑ کر خود کرک روانہ ہو گیا، اس سے رینالڈ کو قافلہ پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ صحیح و سلامت گذر گیا، اور سلطان نے کرک اور شوبک کے علاقہ کو تاخت و تاراج کر ڈالا،

اس دوران میں باقی ملکوں کی فوجیں بھی جن کا انتظار تھا راس المار پہنچ گئیں، الملک الفاضل انھیں لے کر ساحل کے کنارے کنارے عکا کی طرف بڑھا، صفوریہ کے قریب صلیبی مجاہدین کی مشہور جماعتوں الداویہ اور استباریہ کا سامنا ہو گیا، الملک الفاضل نے انھیں بڑی فاش شکست دی، استباریہ کا ایک ممتاز سردار قتل ہوا، اور بہت سے گرفتار ہوئے، سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ کرک سے لوٹ کر ملک الفاضل سے مل گیا، اور اسلامی فوجوں کا سیلاب طبریہ کی طرف بڑھا[1]،

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ریمنڈ والی طرابلس گائی فرمانروائے یروشلم کے خلاف تھا اور صلیبیوں کو چھوڑ کر سلطان سے مل گیا تھا، لیکن سلطان کی اس فوج کشی نے سارے عیسائی فرماں رواؤں کو چونکا دیا، اور وہ سب اپنے اختلافات فراموش کر کے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے متحد ہو گئے، گائی اور ریمنڈ غار یوسف کے قریب ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے، اور عیسائیوں نے صلاح الدین کے مقابلہ کے لئے مقدس صلیب اٹھائی اور پچاس ہزار فرنگی صفوریہ کے مشہور شہر میں مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے جمع ہوئے، جس میں ایک ہزار دو سو نائٹ تھے[2]،

سلطان کو اس اجتماع کی اطلاع ہوئی تو اس نے ربیع الثانی ۵۸۳ھ میں صفوریہ کا رخ کیا، اور فرنگیوں کے قریب ہی طبریہ کی پہاڑی پر فوجیں اتاریں اور کئی دن تک فرنگیوں کے نکلنے کا انتظار کرتا رہا، لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے، سلطان ان کو باہر لانے کے لئے

[1] کتاب الروضتین ج ۲ ص ۷۵، ۷۶، و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۷ [2] صلاح الدین ص ۱۷۵ و ص ۱۷۶،

تھوڑی سی فوج لے کر طبریہ پہنچا، طبریہ ریمنڈ کا مستقر تھا، لیکن وہ اس وقت صلیبی لشکر کے ساتھ صفوریہ میں تھا، طبریہ میں صرف اس کے بیوی بچے تھے، اس لئے سلطان نے شہر پر آسانی کے ساتھ قبضہ کر لیا، لیکن قلعہ پر قبضہ نہ ہو سکا،[1]

سلطان کا خیال بالکل صحیح نکلا، طبریہ پر قبضہ کی خبر سن کر صفوریہ کے فرنگیوں نے طبریہ پہنچنے کا قصد کیا، ریمنڈ نے اس کی مخالفت کی اور کہا اگر صلاح الدین قلعہ پر قبضہ کر کے میری بیوی اور بچوں کو بھی گرفتار کر لے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ سارا ملک ہاتھوں سے نکل جائے، اگر ہم اس راستہ سے گئے تو ہمارا غارت ہو جانا یقینی ہے[2]، صلاح الدین کے پاس اس وقت اتنی قوت ہے کہ طبریہ کو اس سے واپس لینا ناممکن ہے، لیکن وہ زیادہ دنوں تک نہیں ٹھہر سکتا، اس کی واپسی کے بعد ہم آسانی کے ساتھ طبریہ پر قبضہ کر لیں گے لیکن ریمنڈ اور سلطان کے سابق تعلقات کی بنا پر عیسائیوں نے اس مشورہ کو بد دیانتی پر محمول کیا، اور طبریہ روانہ ہو گئے[3]، سلطان تھوڑی سی فوج طبریہ کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر اپنے لشکر گاہ لوٹ گیا،

صفوریہ اور طبریہ کے درمیان جا بجا اسلامی فوجیں پھیلی ہوئی تھیں، اس لئے فرنگیوں کے صفوریہ سے نکلنے کے ساتھ ہی انھوں نے ان پر حملہ کر دیا، اور ان کے بہت سے نائٹ قتل ہوئے[4]،

مسلمانوں نے چشموں اور تالابوں پر پہلے سے قبضہ کر کے باقی چشموں کو برباد کر دیا تھا، یا ان پر پہرہ بٹھا دیا تھا، گرمی سخت پڑ رہی تھی، اس لئے صفوریہ سے نکلنے کے بعد ہی فرنگیوں کو پانی کی بڑی دشواری پیش آئی، مگر وہ کسی نہ کسی طرح اسلامی لشکر گاہ کے قریب پہنچ کر تھوڑی سی مسافت پر خیمہ زن ہوئے، اور رات گذارنے کے بعد دوسرے دن ۲۵ ربیع الثانی

---

[1] کتاب الروضتین ج ۲ ص ۸۱، [2] صلاح الدین ص ۱۰۳ [3] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۱

[4] صلاح الدین ص ۱۰۵،

سنہ ۵۸۳ھ کو لوبیا کے میدان میں دونوں کا مقابلہ ہوا، پہلے ہی معرکہ میں مسلمانوں کی تیر باری سے صلیبیوں کے سوار دستہ کو بڑا نقصان پہنچا، انھوں نے لڑ بھڑ کر بحیرہ طبریہ کی سمت نکل جانا چاہا لیکن صلاح الدین خود سامنے آکر جم گیا، اور آگے بڑھنے سے روک دیا، صلیبیوں نے بھی پورا زور صرف کر دیا، اور بڑی خونریز جنگ شروع ہو گئی، صلاح الدین فوج کے ہر حصے میں جا کر مسلمانوں کو جوش دلاتا تھا، اور انھیں جنگ کے لئے ہدایت دیتا تھا، صلیبی فوجوں کی سمت خشک جھاڑیوں کا جنگل تھا، مسلمانوں نے اس میں آگ لگا دی، اتفاق سے ہوا بھی اسی جانب کی تھی اس لئے اس کا سارا دھواں اور اس کی گرمی صلیبی فوجوں میں بھر گئی، اس نے ان کو اور زیادہ پریشان کر دیا، جب انھوں نے دیکھا کہ جانبازی کے علاوہ مفر کی اور کوئی صورت نہیں ہے تو مجبور ہو کر آخری مقابلہ کے لئے جان کی بازی لگا دی اور ان کے پیہم حملوں نے مسلمانوں کی صفیں درہم برہم کر دیں، لیکن ہر حملہ میں صلیبیوں کی کافی تعداد قتل ہو جاتی تھی اور ان کی قوت برابر گھٹتی جاتی تھی، اس لئے مسلمانوں نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا، اُنھوں نے کوہ حطین کی آڑ لینے کی کوشش کی لیکن ہر طرف سے راستہ بند تھا، اس لئے بہت تھوڑی تعداد کوہ حطین کی سمت جا سکی اور مسلمانوں نے چاروں طرف سے حملہ کرکے مقدس صلیب کو جو حضرت مسیح علیہ السلام کی سولی کی بنی ہوئی تھی چھین لیا، اس سے ان میں بڑی بددلی پیدا ہو گئی، تاہم انھوں نے حطین کی آڑ لے کر مقابلہ کی آخری کوشش کی لیکن وہ مسلمانوں کے حملہ کو نہ روک سکے، اور وہ بڑھتے ہوئے گائی بادشاہ یروشلم کے خیمہ تک پہنچ گئے، اور اس کو گرا دیا، صلیبیوں نے جب دیکھا کہ ان کی قوت بالکل جواب دے چکی ہے اور جنگ جاری رکھنے میں موت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہے تو اُنھوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور مسلمانوں نے ان کے تمام بڑے بڑے امراء اور حکمرانوں کو گرفتار کر لیا،[1]

---

[1] جنگ حطین کی تفصیلات مورخین نے بہت طویل لکھی ہیں، ان میں باہم خفیف اختلافات بھی ہیں، ہم نے ان کا خلاصہ نقل کیا ہے، تفصیل کے لئے دیکھو کتاب الروضتین ج ۲ ص ۷۵ و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۱ - ۲۰۲،

لین پول نے اس جنگ کے خاتمہ کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے:

مسیحی شہسوار اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ اپنی جانوں کو زیادہ قیمت پر فروخت نہ کر سکے، انھوں نے اپنی تلواریں میان میں ڈال لیں، اور مسیحی لشکر کے چیدہ اور منتخب جوانمرد قید کر لئے گئے، بادشاہ یروشلم گائی، اس کا بھائی جاٹیبون، ریجی نالڈ، تبنین کا ہمفری، ادادیہ اور استباریہ دونوں طبقوں کے سردار اور بڑے بڑے عیسائی شرفاء گرفتار کئے گئے، صرف ریمنڈ (والی طرابلس) جو لڑائی کا رنگ دیکھ کر میدان جنگ ہی سے صور بھاگ گیا تھا، بچ گیا، اور کچھ دنوں کے بعد مر گیا،[۱]

ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس جنگ میں اتنے صلیبی قتل اور گرفتار ہوئے کہ مقتولین کے انبار کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ پوری فوج قتل ہو گئی، اور قیدیوں کی تعداد سے اندازہ ہوتا تھا کہ کل فوج زندہ گرفتار کر لی گئی،[۲]

ابو شامہ لکھتا ہے کہ فلسطین کے تمام عیسائی بہادر اور شہسوار مسلمانوں کے پنجے میں تھے، مسیحی لشکر کے معمولی سپاہی جو زندہ بچے تھے وہ سب مسلمانوں کے اسیر ہو گئے تھے، ایک ایک مسلمان سپاہی تیس تیس عیسائیوں کو قید کر کے خیمہ کی رسی میں باندھے ہوئے ہنکاتا تھا،[۳]

صلیبی لڑائیوں کے سلسلہ میں ۴۹۱ھ کے معرکہ کے علاوہ، اتنا بڑا اہم معرکہ نہ ہوا تھا اس سے صلیبیوں کی قوت پارہ پارہ ہو گئی،

اختتام جنگ کے بعد تمام معزز قیدی سلطان کی خدمت میں پیش کئے گئے، یروشلم کے بادشاہ گائی کو اس نے اپنے پہلو میں جگہ دی، باقی امراء کو بھی ان کے رتبہ کے مطابق بٹھایا، اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سلطان نے ریجی نالڈ کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کا عہد کیا تھا، گائی اس کو بچانا چاہتا تھا، اس کے لئے، اس نے یہ تدبیر کی کہ سلطان سے پینے کے لئے

---

[۱] صلاح الدین ص۲۰۸ و ابن اثیر ج ۱۱ ص۲۰۲ [۲] ابن اثیر ج ۱۱ ص۲۰۲ [۳] کتاب الروضتین ج ۲ ص۸۵ و صلاح الدین ص۱۹۵،

پانی مانگا، برف کا ٹھنڈا پانی اس کے سامنے پیش کیا گیا، گائی نے خود تھوڑا سا پیکر باقی ریجی نالڈ کو دیدیا،
(عربوں کا دستور تھا کہ جس قیدی کو کھانا پانی دیدیتے تھے وہ گویا مامون ہوجاتا تھا) اس کی یہ چال دیکھ کر
سلطان نے کہا میں نے اس ملعون کو پانی نہیں دیا ہے، اس لئے مجھ پر اس کی جان بخشی کی ذمہ داری
نہیں ہے، اور تمام قیدیوں کو کھانے کے لئے رخصت کردیا، صرف گائی اور ریجی نالڈ کو روک لیا
اور ریجی نالڈ کے سامنے اس کی گذشتہ بداعمالیوں کو گنا کر کہا، اس وقت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے مدد چاہتا ہوں (یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا کہ ایک مرتبہ جب ریجی نالڈ
نے مسلمانوں کے ایک قافلہ پر حملہ کرکے ان کو گرفتار کرلیا تھا اور انھوں نے اس سے رہائی کی
درخواست کی تھی تو ریجی نالڈ نے ان کو جواب دیا تھا کہ اس وقت محمدؐ کو چھڑانے کے لئے کیوں نہیں بلاتے

گو سلطان ریجی نالڈ کو قتل کرنے کا عہد کرچکا تھا تاہم اس نے اسلامی اصول کے موافق
پہلے اس کے سامنے اسلام پیش کیا، اور پھر اس کے انکار کے بعد اپنے ہاتھوں سے اس کا سر قلم کرکے
اپنی قسم پوری کی،

گائی ریجی نالڈ کا انجام دیکھ کر بہت خوفزدہ ہوا، سلطان نے اس کو اطمینان دلایا، اور
کہا بادشاہوں کا یہ دستور نہیں ہے کہ وہ دوسرے بادشاہ کو قتل کریں، ریجی نالڈ کو صرف اس کی
حد سے متجاوز زیادتیوں کی وجہ سے بدرجہ مجبوری قتل کرنا پڑا،[1]

حطین کی شکست سے شام کے عیسائیوں کی قوت بہت کمزور پڑ گئی، لین پول کا بیان ہی
کہ اس جنگ نے ملک فلسطین کو فاتحوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا، یروشلم کی سلطنت رخصت ہوچکی
تھی، اس کا بادشاہ اور امراء سب گرفتار تھے، اب مشکل سے فرنگیوں کا کوئی ایسا ہادی و رہنما باقی
رہ گیا تھا جو منتشر اور پراگندہ صلیبی مبارزوں کو یکجا کرتا، ان کو شام میں داخل ہوئے نوے برس

---

[1] یہ واقعات ابوشامہ ابن اثیر اور صلاح الدین سے ملخصاً ماخوذ ہیں تفصیل کیلئے دیکھو کتاب الروضتین ج ۲ صفحہ ۸۰ و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۲، و
صلاح الدین ص ۱۹۶،

گذر چکے تھے، مگر اس پوری مدت میں ایسی سخت تباہی کبھی نہ آئی تھی طبریہ میں صلیبیوں کی شکست ان کے حق میں ایک ضرب مہلک ثابت ہوئی، اور جو چیز ان کے ہاتھ سے اس دن نکلی تھی مسیحی دنیا آج تک اسے حاصل نہ کر سکی، سوائے چند دور دور کے قلعوں کے جو صلیبیوں کی چند حربی جماعتوں کے قبضہ میں تھے اور جو ساحل سے ہٹے ہوئے ملک کے اندرونی حصوں میں واقع تھے اب پورا فلسطین شمال میں بیروت سے لیکر جنوب میں غزہ تک صلاح الدین کے قبضہ میں تھا، عیسائیوں کے قبضہ میں صرف صور اور یروشلم باقی رہ گئے تھے تاکہ اس امر کی شہادت دے سکیں کہ کوئی مسیحی حکومت بھی اس ملک میں تھی، مگر یروشلم کو بھی وہی پیش آنے والا تھا جو اس کے دوسرے شہروں کو پیش آچکا تھا، اسلامی فوجوں نے حطین کی فتح کے بعد ایک دن آرام کیا اور پھر ایک زبردست سیلاب کی طرح ملک میں پھیلنا شروع کیا، اب مسلمانوں کے لئے اتنا کافی تھا کہ وہ کسی شہر کے سامنے آئیں اور اریحا کی طرح اس کی دیواریں گر پڑیں اور شہر کی فوج اپنے ہتھیار ڈال دے، صرف چند مضبوط قلعے ایسے تھے جنھوں نے محاصرہ کی تکلیفیں اور اذیتیں برداشت کرنا گوارا کیں، لیکن ان میں بھی کوئی قلعہ ایسا نہ تھا، جس نے ایک ہفتہ سے زیادہ مقابلہ کیا ہو،[1]

چنانچہ حطین کی فتح کے بعد سلطان نے سب سے پہلے طبریہ کے قلعہ پر فوج کشی کی، یہاں کوئی روکنے والا موجود نہ تھا، صرف ریمنڈ کی بیوی اور اس کے بچے تھے، انھوں نے قلعہ حوالہ کر دیا اور سلطان نے ان کو مال و متاع لیکر نکل جانے کی اجازت دیدی،[2]

مختلف معرکے اور فتوحات

طبریہ کے قلعہ پر قبضہ کے بعد عکا پر فوج کشی کی، عکا فلسطین کا بڑا بندرگاہ اور بحر متوسط کی تجارت کی منڈی تھا، یہاں کی آبادی نے پہلے مقابلہ کا ارادہ

---

[1] صلاح الدین ص۱۹۱ [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۳ و صلاح الدین ص ۱۹۱،

کیا، لیکن ان کی بڑی تعداد نے اطاعت قبول کر لی اور جنگ کی نوبت نہیں آئی، سلطان نے ان کو اجازت دیدی کہ اگر وہ چاہیں عکہ ہی میں رہیں اور چاہیں اپنا مال و متاع لے کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں، وہ بہت خوفزدہ تھے، اس لئے انھوں نے شہر چھوڑ دیا، اور جہاں تک ممکن تھا اپنا مال و متاع بھی ساتھ لیتے گئے، لیکن عکا بہت بڑی تجارتی منڈی تھا اور تجارتی مال کا یہاں بڑا ذخیرہ تھا، اس لئے بہت سامال باقی رہ گیا جو مسلمانوں کے قبضہ میں آیا، عکا کی جامع مسجد کو صلیبیوں نے کینسہ بنا لیا تھا، تقریباً ایک صدی بعد صلاح الدین نے پھر اس کو مسجد بنایا اور یہاں نماز جمعہ ادا کی،[1]

دوسری سمت سلطان کے بھائی الملک العادل نے مجدل یابا، ناصرہ، قیساریہ، حیفا، صفوریہ، معلیا، شقیف، فولہ وغیرہ عکا کے ملحقہ علاقوں اور قلعوں کو زیرنگیں کر کے یافا کی بندرگاہ فتح کی،

سلطان کے بھتیجے تقی الدین نے تبنین کا محاصرہ کیا، یہ بڑا سنگین شہر تھا اور اہل شہر نے مدافعت بھی پرزور کی، اس لئے تقی الدین اس کو فتح نہ کر سکا، اور اس کے لئے اس کو سلطان کو بلانا پڑا، چنانچہ عکا کو فتح کرنے کے بعد وہ تبنین پہنچا، اس کے آنے کے بعد اہل تبنین کی ہمت پست ہو گئی، اور انھوں نے شہر حوالہ کر دیا، تبنین کے بعد سلطان نے صیدا کا رخ کیا، اہل صیدا میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس لئے انھوں نے سلطان کے پہنچنے سے پہلے ہی شہر چھوڑ دیا اور اس پر آسانی کے ساتھ قبضہ ہو گیا،

صیدا کے بعد بیروت پر فوج کشی کی، وہ فلسطین کا بڑا وسیع خوبصورت اور سنگین و مستحکم شہر تھا، اہل شہر نے بھی بڑی پامردی اور شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا، لیکن عین جنگ

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ صفحہ ۲۰۳،

کے دوران میں افواہ اڑ گئی کہ مسلمان ایک سمت سے شہر میں داخل ہو گئے، اس سے عام آبادی میں بڑی بدحواسی پھیل گئی، فوجی افسروں نے ہر چند ان کو سمجھانے اور مطمئن کرنے کی کوشش کی لیکن عوام کے انبوہ پر کوئی اثر نہ ہوا، اور انھیں مجبور ہو کر شہر حوالہ کر دینا پڑا،

بیروت کے بعد ساحلی شہروں میں صور اور عسقلان دو بڑے شہر باقی رہ گئے تھے صور میں ایک فرنگی سردار کونریڈ (مرکیش) نے بچے کھچے فرنگیوں کا مرکز قائم کر لیا تھا، اور دوسرے شہروں سے نکلے ہوئے فرنگیوں کی بڑی تعداد یہاں جمع ہو گئی تھی، خود کونریڈ آزمودہ کار بہادر تھا، اس لئے صور پر قبضہ میں دشواری تھی، شام کی بندرگاہوں میں مصر سے سب سے زیادہ قریب عسقلان تھا، اس پر قبضہ سے مصر کا بحری راستہ کھل جاتا تھا، اس لیے بیروت کے بعد سلطان نے عسقلان کا رخ کیا، یہ بھی بڑا مستحکم شہر تھا، سلطان نے پہلے بادشاہ یروشلم گائی اور طبقہ دوایہ کے سردار کے ذریعہ جو اسکی قید میں تھے، کوشش کی کہ اگر عسقلان کے فرنگی شہر حوالہ کر دیں تو ان دونوں کو رہا کر دیا جائے گا، لیکن عسقلانیوں نے انکار کر دیا، ان کے انکار میں سلطان نے محاصرہ سخت کر دیا، اور سنگباری کے ذریعہ شہر پناہ کی دیوار توڑ دی، محاصرہ ایسا سنگین تھا کہ باہر سے کوئی مدد نہ پہنچ سکتی تھی، اس لئے جتنی مدت گذرتی جاتی تھی عسقلانیوں کی قوت مدافعت کمزور پڑتی جاتی تھی، گائی برابر ان کو اطاعت کی ترغیب دے رہا تھا آخر جب انھوں نے دیکھا کہ فتح کی صورت میں زیادہ نقصان اٹھانا پڑیگا، تو جان و مال کی امان لیکر شہر حوالہ کر دیا، اور ان کی درخواست پر سلطان نے انھیں بیت المقدس چلے جانے کی اجازت دیدی، عسقلان پر قبضہ کے بعد رملہ، داروم، غزہ، مشہد ابراہیم، بیت لحم اور بیت جبرئیل وغیرہ آس پاس کے تمام مقامات آسانی سے فتح ہو گئے[1]،

---

[1] یہ واقعات کتاب الروضتین ج ۲ ص ۸۴ تا ص ۹۱ ملخصاً و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۴ تا ۲۰۷ سے ماخوذ ہیں،

بیت المقدس کی فتح عسقلان کی فتح کے بعد اصل منزل مقصود بیت المقدس کا راستہ صاف ہو گیا، لیکن یہ مرحلہ بہت دشوار تھا، فلسطین کے ان تمام شہروں سے مسیحی جن پر سلطان کا قبضہ ہوگیا تھا، وہاں سے نکل نکل کر بیت المقدس میں جمع ہو گئے تھے، عسقلان کے شکست خوردہ مسیحیوں نے بھی یہیں پناہ لی تھی، اور بیت المقدس میں ان کا بڑا اجتماع ہوگیا تھا، عورتوں اور بچوں کے علاوہ لڑنے والے مردوں کی تعداد ساٹھ ہزار سے اوپر تھی،[1]

ایک جنگ آزما فرنگی عبلین کا بالیان حطین کی شکست کے بعد سلطان کی اجازت سے اپنے بال بچوں کو جو بیت المقدس میں تھے لینے کے لئے آیا تھا، یہاں کے بطریق نے اسکو اس کی مرضی کے خلاف مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روک لیا تھا،[2] اور عسقلان پر مسلمانوں کے قبضہ کے بعد ہی بیت المقدس کے مسیحیوں نے ان کے مقابلہ کا نہایت مکمل انتظام کر لیا تھا، اس لئے سلطان نے بھی فوج کشی کیلئے خاص اہتمام کیا، شام کی فوجوں کے علاوہ یورپ کی بحری مدد کو روکنے کیلئے مصر سے بحری بیڑا منگایا اور رجب ۵۸۳ھ میں عسقلان سے بیت المقدس روانہ ہوا،[3] سلطان کے عزم جہاد کی خبر سن کر مصر و شام کے تمام بڑے بڑے علماء بیت المقدس کی فتح میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے پہنچ گئے تھے،[4] ۱۵ رجب ۵۸۳ھ میں مسلمان بیت المقدس پہنچے، ان کے لئے بھی وہ ویسا ہی معزز و محترم تھا جیسا عیسائیوں کے لئے، اس لئے سلطان یہاں خونریزی پسند نہ کرتا تھا، چنانچہ اس نے بیت المقدس کے مسیحیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ تمھاری طرح میں بھی بیت المقدس کو خدا کا گھر سمجھتا ہوں، اور خونریزی سے اس کے تقدس کی توہین کرنا پسند نہیں کرتا، اس لئے تم اس کو میرے حوالہ کر دو، اس کے معاوضہ میں تم کو

۱؎ ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۴ ۲؎ صلاح الدین ص ۱۹۷ و ابن اثیر حوالہ مذکور ۳؎ ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۶
۴؎ کتاب الروضتین ج ۲ ص ۹۳،

اتنا علاقہ دیدوں گا، جتنا تم سنبھال سکو، علاقہ کے علاوہ نقد بھی دوں گا، انھوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ جس سرزمین میں مسیح نے جان دی، اس کو ہم تمھارے حوالہ نہیں کر سکتے، اور نہ تمھارے ہاتھ اسکو بیچ سکتے ہیں،

لین پول کا بیان ہے کہ سلطان بیت المقدس کی پُرامن حوالگی کے معاوضہ میں یہاں تک تیار ہو گیا کہ صلیبی بدستور یروشلم میں رہیں اور اس کو مضبوط و مستحکم کر لیں اور شہر کے گرد پانچ فرسخ تک زراعت کرکے فائدہ اٹھائیں اور عید الخمیس تک وہ ان کے لئے سامان خورد و نوش مہیا کریگا، اور ان کے تمام اخراجات برداشت کریگا، اس دوران میں اگر ان کو بیرونی مدد مل جائے تو یروشلم ان ہی کے قبضہ میں رہیگا، اور اگر نہ مل سکے تو پھر حوالہ کر دینا ہوگا اور سلطان ان کو ان کے مال و متاع سمیت کسی مسیحی ملک میں پہنچا دیگا[1] لیکن انھوں نے اس سے بھی انکار کیا،

ان کے انکار پر سلطان کو بدرجۂ مجبوری تلوار نکالنا پڑی، دونوں فریق جذبۂ مذہبی سے سرشار تھے، کئی دن تک نہایت پرزور مقابلہ ہوتا رہا، مسلمان شہرپناہ کو توڑنا چاہتے تھے، لیکن اس کے اوپر سے تیر باری ہو رہی تھی اور باہر بھی صلیبی مصروف پیکار تھے، اس لئے وہ شہرپناہ تک نہ پہنچ سکے، جب صلیبیوں کی قوت کچھ کمزور پڑی تو مسلمانوں نے ریلا کرکے ان کو اندر ڈھکیل دیا، اور بڑھتے ہوئے فصیل تک پہنچ گئے، اور سنگباری کے ذریعہ اسکو توڑ دیا، صلیبیوں نے جب دیکھا کہ وہ شہر کو نہیں بچا سکتے اور تلوار کے زور سے مسلمانوں کے قبضہ کی صورت میں ان کی ہلاکت و بربادی یقینی ہے، اس وقت وہ جان و مال کی حفاظت کی شرط پر شہر حوالہ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے، لیکن اب صلاح الدین نے انکار کر دیا، اور کہلا بھیجا کہ میں تمھارے ساتھ وہی کرونگا جو ۴۹۲ھ میں بیت المقدس پر قبضہ کے وقت

---

[1] الحروب الصليبيہ ص ۱۵۱ بحوالہ مجاہد۔ [2] صلاح الدین ص ۱۹۶،

تم نے مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا، اس جواب پر بالیان نے خود اس کے پاس جاکر اسے راضی کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ بیت المقدس میں ہماری بہت بڑی تعداد ہے، اور ہم نے اس امید پر درخواست کی تھی کہ دوسرے شہر والوں کی طرح ہماری درخواست بھی قبول ہوگی، لیکن جب ہم یہ دیکھیں گے کہ موت کے علاوہ ہمارے لئے کوئی چارہ کار نہیں ہے تو اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کرکے بیت المقدس میں جس قدر مال ومتاع اور نقد وجنس ہے سب کو جلا ڈالیں گے اور تم لوگوں کو ایک قیدی اور ایک حبہ بھی نہ ملے گا، اور صخرہ اور مسجد اقصیٰ وغیرہ تمہارے تمام مقدس مقامات کو برباد کرکے ان تمام مسلمانوں کو جو ہمارے یہاں قید ہیں قتل کر ڈالیں گے اور پھر تم سے سرکٹ جنگ کرکے یا عزت کی موت مریں گے یا کامیابی کی سرخروئی حاصل کریں گے،

سلطان خود بیت المقدس کی بے حرمتی اور یہاں خونریزی پسند نہ کرتا تھا، اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ اس کو فتح اور صلیبیوں کو مغلوب کرنے کے بعد ان پر احسان رکھ کر انھیں آزاد کردے، لیکن جب اس نے دیکھا کہ جنگ کی صورت میں صلیبی بیت المقدس کو تباہ وبرباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو اس نے ان کی درخواست قبول کرلی، اور یہ شرط قرار پائی کہ بیت المقدس کے تمام مسیحی فی مرد دس دینار فی عورت ۵ اور فی بچہ دو دینار فدیہ ادا کریں گے اور چالیس دن کے اندر جن کا فدیہ ادا نہ ہوگا وہ غلام شمار کئے جائیں گے،

اس قرارداد کے بعد جمعہ ۲۷ رجب ۵۸۳ھ مطابق ستمبر ۱۱۸۷ء کو صلیبیوں نے بیت المقدس کو مسلمانوں کے حوالہ کردیا، اور اکانوے سال کے بعد پھر خدا کا یہ پاک گھر اس کے حقیقی پاسبانوں کے قبضہ میں آگیا، یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ یہ تاریخ معراج نبوی کی ہے،[1]

۱؎ ابوشامہ اور ابن اثیر وغیرہ نے بیت المقدس کی فتح کی پوری تفصیل لکھی ہے، ہم نے صرف خلاصہ نقل کیا ہے، تفصیل کے لئے دیکھو کتاب الروضتین ج ۲ ص ۔ وابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۰،

صلیبیوں نے ۱۰۹۲ء میں بیت المقدس پر قبضہ کے وقت مسلمانوں پر جو وحشیانہ مظالم ڈھائے تھے، اس کا حال اوپر گذر چکا ہے، اس کے مقابلہ میں مسلمانوں نے جس پرامن طریقہ سے اس کو واپس لیا اور عیسائیوں کے ساتھ جس فیاضی کا سلوک کیا، اس کا حال خود یوروپین مورخین سے سنئے لین پول لکھتا ہے:

صلاح الدین نے پہلے کبھی اپنے کو ایسا عالی ظرف اور باہمت نائٹ ثابت نہیں کیا تھا، جیسا کہ اس موقع پر کیا جبکہ یروشلم مسلمانوں کے حوالہ کیا جارہا تھا، اس کی سپاہ اور معزز ذمہ دار افسروں نے جو اس کے ماتحت تھے شہر کی گلی کوچوں میں انتظام قائم رکھا، یہ سپاہی ہر قسم کی ظلم و زیادتی کو روکتے تھے اسی کا نتیجہ تھا کہ ہرگز کوئی واقعہ جس میں کسی عیسائی کو گزند پہنچا ہو پیش نہیں آیا، شہر سے باہر جانے کے کل راستوں پر سلطان کا پہرہ تھا، اور ایک نہایت معتبر امیر باب داود پر متعین تھا تاکہ ہر شہر والے کو جو زرفدیہ ادا کر چکا ہو شہر سے باہر جانے دے[۱]،

زرفدیہ کی ادائی بڑی احتیاط سے عمل میں آئی، ان غریب اور نادار صلیبیوں کی رہائی میں جو زرفدیہ نہ ادا نہ کر سکتے تھے، مسلمان امراء نے بھی حصہ لیا، امیر مظفر الدین کو کبری نے رہا کے ایک ہزار ارمنی عیسائیوں کا فدیہ اپنی جیب سے ادا کر کے انھیں آزاد کرایا[۲]، چالیس روز تک آزاد شدہ عیسائیوں کی رہائی کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ رعایت کا زمانہ ختم ہو گیا، اس پر بھی ہزارہا غریب اور مفلس عیسائی جنھیں بخیل اور کنجوس تاجروں اور مالدار عیسائی اداروں نے غلام بننے کے لئے چھوڑ دیا تھا شہر میں رہ گئے،...... یروشلم کے تقدس مآب بطریق نے جو اخلاق اور ایمان دونوں سے عاری تھا، گرجاؤں کی دولت سمیٹی، سونے کے

۱؎ صلاح الدین ص۲۰۲ ۲؎ ایضاً و کتاب الروضتین ج ۲ ص ۹۵ ،

کے پیالے اور آب مطہر رکھنے کا سامان حتیٰ کہ مہد مسیح پر جو طلائی ظروف رہتے تھے ان کو بھی اپنے قبضہ میں کیا اور اپنا ذاتی اندوختہ بھی محفوظ کر لیا، یہ جمع کی ہوئی دولت اتنی تھی کہ اگر وہ چاہتا تو بہت سے غریب عیسائیوں کا زر فدیہ دے کر ان کو آزاد کرا لیتا مسلمان امیروں نے سلطان سے کہا کہ اس بے ایمان اور نالائق پادری کو لوٹ کا اتنا مال لیجانے سے روکا جائے، اس نے جواب دیا کہ میں قول دے چکا ہوں، اس سے نہیں پھر سکتا، غرض اور لوگوں کی طرح یہ بڑا پیر پادری کل دس ہزار اشرفیاں دیکر آزاد ہو گیا، اور اس کو ایک مسلمان بادشاہ نے اس بات کا سبق دیا کہ خیر و خیرات کے کیا معنی ہیں[1]، ابن اثیر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے اس پادری اور دوسرے رہا شدہ عیسائیوں کو اپنے آدمیوں کی حفاظت میں صور تک پہنچایا،

غرض دولت مند عیسائیوں کی خود غرضی کی وجہ سے غریب عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد باقی رہ گئی، ان کی بے کسی دیکھکر سلطان کے بھائی الملک العادل نے سلطان سے ایکہزار عیسائیوں کو بطور غلام لے کر انھیں اپنی طرف سے آزاد کیا[2]،

اسے دیکھ کر سلطان نے کہا کہ عادل، بالیان اور بطریق نے اپنی اپنی طرف سے خیرات کی، اب میں اپنی طرف سے خیرات کرتا ہوں اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ شہر میں عام منادی کر دیں کہ وہ تمام بوڑھے جو فدیہ نہیں ادا کر سکتے آزاد کئے جاتے ہیں، انھیں اختیار ہے، وہ جہاں چاہیں چلے جائیں، چنانچہ سورج نکلنے کے وقت سے لے کر سورج ڈوبنے تک برابر ان کی جماعتیں شہر سے نکلتی رہیں، یہ خیر خیرات تھی جو سلطان صلاح الدین نے بے شمار مفلسوں اور غریبوں کے ساتھ کی[3]،

مردوں کے علاوہ بیت المقدس میں بہت سی معزز خواتین بھی تھیں، چنانچہ روم کی ایک

---

[1] لین پول ص ۲۰۲ اس واقعہ کو ابن اثیر نے بھی لکھا ہے ج ۱۱ ص ۲۳۰ [2] لین پول ص ۲۱۳، ابو شامہ نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے لیکن تعداد نہیں لکھی ہے کتاب مذکور ج ۲ ص ۹۵ [3] صلاح الدین ص ۲۰۳ بحوالہ ارنول،

ملکہ ہجرت کر کے بیت المقدس میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہتی تھی، اس کے پاس بڑی دولت تھی، اس نے صلاح الدین سے خواہش کی کہ اس کو بیت المقدس سے نکل جانے دیا جائے، سلطان نے اس کے مال و متاع سمیت چلے جانے کی اجازت دیدی، یروشلم کے فرماں روا گائی کی بیوی نے اپنے شوہر کے پاس جو نابلس میں قید تھا جانے کی خواہش کی، سلطان نے اسے گائی کے پاس بھجوا دیا، مقتول ریجی نالڈ والی کرک کی بیوی کی خواہش پر ان کے لڑکے ہمفری کو، جو دمشق میں قید تھا بلا کر دکھایا، اور وعدہ کیا کہ کرک کے قلعہ پر قبضہ کے بعد لڑکے کو رہا کر دیا جائے گا[1]

جنگ صلیبی کے ایک مجاہد ارنول کا جان واقعات کا عینی شاہد ہے، بیان ہے کہ صلاح الدین نے جنگ صلیبی کے مقتول اور قیدی نائٹوں کی بیویوں کے ساتھ بڑا شریفانہ سلوک کیا، جب وہ سلطان سے اپنی حالت زار بیان کر کے رحم کی طالب ہوئیں تو سلطان آبدیدہ ہو گیا، اور ان میں سے جن کے شوہر زندہ اور قید تھے انکو رہا کر دیا اور جن کے شوہر قتل ہو چکے تھے ان کے رتبہ کے مطابق انکو روپیہ دیکر انکی تشفی اور دلدہی کی، وہ اس کے احسان سے اتنی متاثر ہوئیں کہ اس کی فیاضی کا ممنونیت کے ساتھ ذکر کیا کرتی تھیں، غرض اس طرح سلطان نے اس مفتوح شہر پر اپنا احسان کیا،

ان واقعات کو نقل کرنے کے بعد لین پول لکھتا ہے، کہ جب ہم سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں تو وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں، جو صلیبیوں نے فتح بیت المقدس کے وقت کی تھیں، جب گاڈفرے اور تنکرد یروشلم کے بازار سے گذرے تو وہاں مسلمانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور جاں بلب زخمی لوٹتے تھے، جبکہ صلیبیوں نے بے گناہ اور لاچار مسلمانوں کو سخت اذیتیں دے کر مارا تھا اور زندہ آدمیوں کو جلا دیا تھا اور جب قدس کی چھتوں پر مسلمان پناہ لینے چڑھے تھے، تو صلیبیوں نے انھیں وہیں تیروں سے چھید کر گرا دیا تھا، اور جہاں ان کے اسی قتل عام نے مسیحی دنیا کی عزت کو بٹہ لگایا تھا اور

[1] کتاب الروضتین ج ۲ ص ۹۶،

اس مقدس شہر کو اُنھوں نے ظلم و بدنامی کے رنگ میں رنگا تھا، جہاں رحم و محبت کا وعظ مسیح نے سنایا تھا، اور فرمایا تھا کہ خیر و برکت والے ہیں وہ لوگ جو رحم کرتے ہیں، اُن پر خدا کی برکتیں نازل ہوتی ہیں، جس وقت یہ عیسائی اس پاک اور مقدس شہر کو مسلمانوں کا خون کر کے مذبح بنا رہے تھے، اس وقت وہ اس کلام کو بھول گئے تھے، اور یہ ان بے رحم عیسائیوں کی خوش قسمتی تھی کہ سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں ان پر رحم ہو رہا تھا ...... اگر صلاح الدین کے کاموں میں سے صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ اس نے کس طرح یروشلم کو بازیافت کیا، تو صرف یہی ایک کارنامہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کہ وہ نہ صرف اپنے زمانہ کا بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالی حوصلہ انسان اور جلالت و شہامت میں یکتا اور بے مثل تھا،[1]

عیسائیوں نے ایک صدی کے اندر بیت المقدس کی ہیئت بالکل بدل دی تھی، بہت سے نئے گرجے تعمیر کر لئے تھے، قبۃ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ کی شکل بالکل بگاڑ دی تھی، اس کی دیواروں پر پیغمبروں اور اولیاء اللہ کی تصویریں بنا دی تھیں، اُن کے مجسمے نصب کر دیئے تھے، مسجد اقصیٰ کے متصل سکونتی مکانات تعمیر کر لئے تھے، صخرہ شریف کو سنگ مرمر کی سلوں سے چھپا دیا تھا، سلطان نے عیسائیوں کے اضافوں کو مٹا کر ان کو ان کی اصلی شکل میں کیا اور مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ کو شرک کی نجاستوں سے پاک کر کے انھیں خدا کا گھر بنایا، ان کے لئے امام اور قاری مقرر کئے، ۴ شعبان ۵۸۳ھ کو اکانوے سال کے بعد مسجد اقصیٰ میں پہلی مرتبہ جمعہ کی نماز پڑھی گئی، سلطان نور الدین نے اپنے زمانہ میں ایک نہایت خوبصورت منبر بنوایا تھا کہ بیت المقدس کے فتح کرنے کے بعد اسکو مسجد اقصیٰ میں نصب کریگا، یہ منبر صناعی کا بہترین نمونہ تھا، نور الدین کی یہ آرزو صلاح الدین کے ہاتھوں پوری ہوئی، اور اس منبر کو حلب سے منگوا کر مسجد اقصیٰ میں نصب کیا،[2]

---

[1] صلاح الدین ص ۲۰۴ و ۲۰۵ بحوالہ ارنولی [2] یہ حالات کتاب الروضتین کے مختلف صفحات و ابن اثیر ج ۱۱ سنہ ۵۸۳ھ سے ماخوذ ہیں

بیت المقدس کی تطہیر کے ساتھ سلطان نے یہاں مدرسے، رباطیں تعمیر کیں اور زرِ فدیہ سے جس قدر رقم وصول ہوئی تھی کل علماء، امراء، اور دوسرے مستحقین میں تقسیم کردی، اپنے پاس ایک حبہ نہ رکھا،

صور پر فوج کشی اور ناکامی

بیت المقدس پر قبضہ کے بعد فلسطین کی فرنگی حکومت ختم ہو گئی لیکن صور کی اہم بندرگاہ ان کے قبضہ میں باقی رہ گئی تھی، جس کو کونرڈ نے فلسطین کے عیسائیوں کا مرکز بنا دیا تھا، اور وہاں کے مختلف شہروں کے بہت صلیبی جمع ہو گئے تھے، اسلئے بیت المقدس کے انتظامات سے فراغت کے بعد رمضان ۵۸۳ھ میں سلطان نے صور پر بری اور بحری دونوں سمتوں سے فوج کشی کی، کونرڈ نے اسکو نہایت مستحکم کر لیا تھا اسکے گرد نئی شہر پناہ تعمیر کر کے اس کے چاروں طرف وسیع خندق کھود کر اسکو سمندر سے ملا دیا تھا اور صور ایک جزیرہ بن گیا تھا، جس کے ہر طرف جنگی جہاز متعین تھے، اسلئے خشکی کی سمت سے مسلمانوں کا حملہ کامیاب نہ ہوا اور انکو صلیبیوں کی تیر باری سے بڑا نقصان پہنچا، لیکن بحری سمت ان کی قوت زیادہ تھی اور دس جنگی جہاز مصروف پیکار تھے، ایک دن اتفاق سے صبح ہوتے ہوئے مسلمان غافل ہو گئے، صلیبیوں نے موقع پا کر پانچ جہاز گرفتار کر لئے، باقی پانچ جہاز مقابلہ بے کار سمجھ کر بیروت روانہ ہو گئے، صلیبی جہازوں نے ان کا تعاقب کیا، اسلامی جہاز بھاگ نہ سکے، اور کچھ دور جا کر شام ہی کے ساحل پر لنگر انداز ہو گئے، صلیبیوں کے قبضہ سے اس کا بچانا دشوار تھا اس لئے سلطان نے انکو برباد کرا دیا، اس کے بعد خشکی کی فوج نے آخری مرتبہ پھر زور لگایا، لیکن کامیابی نہ ہوئی مسلمان لڑتے لڑتے تھک چکے تھے اس لئے سلطان مجبور ہو کر شوال ۵۸۳ھ میں محاصرہ اٹھا کر عکہ لوٹ گیا اور تھکی ہوئی فوجوں کو آرام کے لئے ان کے وطن جانے کی اجازت دیدی،[1]

اس مہم کو ناتمام چھوڑ دینے کا نتیجہ آگے چل کر برا ثابت ہوا، جسکی تفصیل آئندہ آئے گی،

مختلف فتوحات اور دمشق کی واپسی

عکہ واپس آنے کے بعد سلطان نے حصن کوکب پر فوج کشی کی لیکن اسمیں کامیابی

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۱۰ و ۲۱۱،

نہ ہوئی، اسکے پاس فوج بہت کم رہ گئی تھی اور صلیبیوں کا استیصال باقی تھا، خود فلسطین میں ان کے متعدد قلعے موجود تھے، اسلئے سلطان ۵۸۳ھ کے آخر میں دمشق لوٹ گیا، اور اپنے تمام ماتحت امراء اور حکمرانوں کو اپنی اپنی فوجیں لے کر آنے کا حکم دیا، اور شام کی فوجوں کو جمع کر کے ربیع الاول ۵۸۴ھ میں دمشق سے روانہ ہوا، حمص میں موصل اور دیار جزیرہ وغیرہ کے امراء آکر مل گئے، اور جمادی الثانی سنہ مذکور میں سلطان نے بوہیمنڈ فرماں روائے طرابلس کے علاقہ پر فوج کشی کی، اس کا رخ دیکھ کر انطرطوس کے باشندوں نے شہر چھوڑ دیا، اور سلطان نے انطرطوس کے علاقہ کو ویران کر ڈالا، پھر جبلہ کے قاضی منصور بن نبیل کی دعوت پر جبلہ پر فوج کشی کی، اہل جبلہ پر قاضی منصور کا بڑا اثر تھا، انھوں نے شہر پر قبضہ کرا دیا، اس کے بعد لاذقیہ کا رخ کیا، یہاں کے باشندوں نے بھی قاضی منصور کے ذریعہ امان لیکر شہر حوالہ کر دیا، لاذقیہ بڑا خوبصورت شہر تھا، کل عمارتیں سنگ مرمر کی تھیں، اس جنگ میں اسکو بڑا نقصان پہنچا، سلطان کے بھتیجے نے اس کی مرمت کرا کے دوبارہ آباد اور قلعہ کو از سر نو مستحکم کیا،

لاذقیہ کے بعد سلطان نے صیہون، بلاطنوس، عید، جماہرتین، بکاس، شغر، سرمینیا و برزنیہ وغیرہ کے قلعوں پر آسانی کے ساتھ قبضہ کر لیا،

فلسطین کی حکومت کے خاتمہ کے بعد شام کی مسیحی حکومتوں میں سب سے زیادہ طاقتور انطاکیہ کی حکومت تھی، اس لئے مذکورۂ بالا قلعوں کی تسخیر کے بعد سلطان نے انطاکیہ کا ارادہ کیا، اس کا فرماں روا بوہمنڈ سلطان کی قوت سے پوری طرح واقف تھا، اس نے صلح کر لی اور سلطان رمضان ۵۸۴ھ میں دمشق واپس گیا،

یہاں واپسی کے بعد بعض مشیروں نے رائے دی کہ اب فی الحال جنگ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، فوجوں کو آرام دینے کے لئے واپس کر دیا جائے، سلطان نے جواب دیا کہ عمر تھوڑی ہے موت کا کھٹکا ہر وقت لگا ہوا ہے، اور ابھی اسلامی آبادیوں کے درمیان، کوکب، صفد اور

کرک کے فرنگی قلعے باقی ہیں، اگر ان کی جانب سے غفلت برتی گئی تو آیندہ ایک بڑے فتنہ کا دروازہ کھل جائے گا، اور دمشق میں چند دن قیام کے بعد آخر رمضان ۵۸۴ھ میں پھر جہاد کے لئے نکل کھڑا ہوا، اور خود کوکب پر اور الملک العادل نے کرک پر فوج کشی کر کے دونوں فتح کیا، کوکب کے بعد سلطان نے شقیف ارنوم پر فوج کشی کر دی،

جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا اس زمانہ میں مسیحی دنیا ایک نئی جنگ صلیبی کی تیاری میں مشغول تھی، کانرڈ نے صور میں بڑے انتظامات کئے تھے، شقیف ارنوم کا فرمانروا پرنس ارناط بڑا چالاک تھا، اُس نے کانرڈ کی تیاریوں کی تکمیل تک مسلمانوں کو ٹالنے کی کوشش کی، اور سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی دوستی اور وفاداری کا یقین دلایا، اور کہا میں قلعہ حوالہ کرنے کے لئے بالکل تیار ہوں لیکن میرے اہل و عیال صور میں ہیں، اگر کانرڈ کو خبر ہوگئی تو وہ ان کو تکلیف پہنچائے گا، اسلئے اتنی مہلت ملنی چاہیئے کہ وہ صور سے واپس آجائیں، سلطان گو اس زمانہ میں صلیبیوں کی تیاریوں کی خبر سے متردد تھا لیکن پاس مروت سے انکار نہ کر سکا، اور ارناط کی درخواست منظور کر لی، اس درمیان میں ارناط خود بھی خفیہ تیاری کرتا رہا، چند دنوں کے بعد جب سلطان اور بوہمینڈ کی صلح کی مدت ختم کے قریب آگئی تو سلطان نے ارناط کو بلا کر اس سے کہا کہ اب بالکل موقع نہیں ہے قلعہ حوالہ کردو، اُس نے پھر وہی عذر کیا، اس وقت سلطان کو اس کی بد دیانتی کا یقین ہوا اور اس نے اس کو گرفتار کر کے دمشق بھجوا دیا، اور شقیف ارنوم کا محاصرہ کر لیا، ابھی یہ محاصرہ جاری تھا کہ تیسری جنگ صلیبی شروع ہوگئی (یہ حالات، ابوشامہ، ابن اثیر اور لین پول سے ملخصاً ماخوذ ہیں)

تیسری جنگ صلیبی کی تیاری

اس کی تفصیل یہ ہے کہ بیت المقدس پر مسلمانوں کے قبضہ نے ساری عیسائی دنیا کو ماتم کدہ بنا دیا تھا، بقول لین پول جب یروشلم کی حکومت کے زوال کی خبر یورپ پہنچی تو کوئی شاہی دربار، کوئی لشکر گاہ، کوئی قریہ اور کوئی قصبہ ایسا نہ تھا جہاں سے ایک عالمگیر صدائے

طیش والم نہ اٹھی ہو۔ عیسائیوں نے اپنے ملک کی تمام مصیبتیں یروشلم پر رونے کے لئے فراموش کر دیں اور سارے ذاتی غم اس غم کے سامنے بھول گئے،[1]

شام کا اسقف اعظم ولیم صوری قسیسوں اور راہبوں کی جماعت لے کر ماتمی لباس میں روم پہنچا اور پاپائے روما کی مدد سے یورپ کا دورہ کر کے اپنی پر جوش تقریروں سے مسلمانوں کے خلاف آگ لگا دی، پادری شہر بہ شہر ایسی تصویریں دکھاتے پھرتے تھے جن میں دکھایا گیا تھا کہ نعوذ باللہ مسلمان حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر کو گھوڑوں سے روند رہے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو زمین پر گرا دیا ہے، اور بعض تصویروں میں حضرت مسیح کو مارتے ہوئے اور آپ کے بدن سے خون جاری دکھایا گیا تھا،[2]

پاپائے روما نے فتویٰ دیدیا تھا کہ جو شخص اس مقدس جنگ میں شریک ہوگا، اسکے سارے گناہ دھل جائیں گے، انگلستان میں کنٹربری کے بالڈون نے جنگ صلیبی کا وعظ کہا، اسکی کوششوں سے فرانس اور انگلستان کے بادشاہوں نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اپنی ذاتی رنجشیں بھلا دیں، اور ہنری دوم بادشاہ انگلستان، فلپ آگسٹس بادشاہ فرانس اور فریڈرک بار بروسہ بادشاہ جرمنی، ولیم بادشاہ صقلیہ، ان کے علاوہ یورپ کے اور بہت سے امراء اور نائٹس مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے، اسی دوران میں ہنری دوم کا انتقال ہو گیا، اور اسکا لڑکا رچرڈ جانشین ہوا، اس نے باپ سے زیادہ جوش و خروش دکھایا اور تیسری جنگ صلیبی کا ہیرو بن گیا، جنگ کے مصارف کے لئے انگلستان و فرانس وغیرہ میں عشر صلاح الدین کے نام سے ایک عام ٹیکس جاری کیا گیا، جس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہ تھا، پادریوں نے فتویٰ دیدیا تھا کہ جو شخص اس کار خیر میں شریک نہ ہوگا وہ مسیحیت سے خارج ہو جائیگا، یہودیوں تک سے یہ ٹیکس

---

[1] صلاح الدین ص ۲۱۹ [2] ص ۲ مجاہد ص ۳ [3] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۳ و مجاہد اول ص ۴۳۵،

بڑی سختی کے ساتھ وصول کیا گیا، رچرڈ نے مصارف جنگ کے لئے اپنی جاگیر بیچدی اور بڑے بڑے عہدوں کو فروخت کرتا تھا، وہ کہتا تھا کہ اگر کوئی خریدار ہو تو میں لندن تک بیچنے کو تیار ہوں[۱]،

جو لوگ خود کسی معذوری کی بنا پر شریک نہ ہو سکتے تھے انھوں نے اپنے خرچ اور اپنی جانب سے آدمی بھیجے یا اس کے عوض نقد روپیہ اور عورتوں نے اپنی اکلوتی اولادوں کو نذر کر دیا[۲]،

ان تیاریوں کے بعد سب سے پہلے فریڈرک باربروسہ بادشاہ جرمنی ۱۱۹۰ء میں ایک لاکھ فوج کے ساتھ ارض شام کی طرف روانہ ہوا، اور ہنگری بلغاریہ کے راستہ سے قسطنطنیہ اور ایشیاے کوچک ہوتا ہوا شام کی طرف بڑھا، لیکن دریاے سالس کو عبور کرتے ہوئے ڈوب گیا، اسکی موت کے بعد اس کے لڑکے فریڈرک ثانی نے جو باپ کے ساتھ تھا فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لی لیکن فریڈرک کی موت سے فوج میں اختلاف پیدا ہو گیا، اور اس کا ایک حصہ لوٹ گیا، باقی فریڈرک کے ساتھ ارض شام میں داخل ہوا، یہاں فوج میں وبا پھوٹ پڑی اور ہزاروں آدمی لقمۂ اجل بن گئے، سامان رسد تک کی قلت نے علیحدہ انکی حالت ابتر کر دی، اور جب وہ حلب کے قریب پہنچے تو مسلمانوں نے ان کی بڑی تعداد گرفتار کر لی، اور ان کی بہت تھوڑی تعداد عکہ پہنچ سکی[۳]،

رچرڈ اور فلپ ایک سال بعد ۱۱۹۱ھ میں روانہ ہوئے، اور عکہ کے محاصرہ میں شرکت کی، اس کی تفصیل آگے آتی ہے،

اس دوران میں شام کے صلیبیوں نے پوری تیاریاں کر لی تھیں، صور میں ان کا بڑا اجتماع تھا، اور کانرڈ نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نہایت وسیع انتظامات کئے تھے، عسقلان کی

---

[۱] مچاڈ ج اول صـ ۲۴۲ و صلاح الدین صـ ۲۲۰ [۲] ابن اثیر ج ۱۲ صـ ۱۳ [۳] ایضاً صـ ۲ و صلاح الدین صـ ۱۵۱،

فتح کے بعد سلطان نے بیت المقدس کے فرماں روا گائی کو یہ عہد لیکر رہا کر دیا تھا کہ آیندہ وہ اس کے خلاف تلوار نہ اٹھائیگا، لیکن رہائی کے بعد پادریوں نے اس کو قسم سے بری قرار دیدیا اور وہ اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو دوبارہ حاصل کرنے کی فکر میں لگ گیا، بہت سے صلیبی مجاہدین اس کے ساتھ ہو گئے تھے، وہ انھیں لیکر صور پہنچا، لیکن کانرڈ نے اس سے کہا کہ صور کی حفاظت خدا کی جانب سے اس کے سپرد ہوئی ہے، اس لئے گائی نے شہر کے باہر فوجیں اتاریں، لیکن مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے دونوں متحد ہو گئے، مسلمان قریب ہی سقیف ارنوم میں تھے، دونوں میں کئی معرکے ہوئے، ابن اثیر اور ابو شامہ نے اسکی پوری تفصیل لکھی ہے،[1]

عکہ پر صلیبیوں کی یورش اور سلطان صلاح الدین اور عیسائی دنیا کا متحدہ مقابلہ

فلسطین کی بندرگاہوں میں عکہ کی بندرگاہ نہایت اہم تھی، اس کے تین سمت پہاڑیاں اور ایک جانب سمندر تھا، شام اور یورپ کے درمیان تجارتی درآمد برآمد اسی بندرگاہ سے ہوتی تھی اور بیت المقدس کے فرنگی زائرین اور یورپ کے صلیبی مجاہدین بھی اسی بندرگاہ پر اترتے تھے، یورپ میں تیسری جنگ صلیبی کی منادی ہو چکی تھی، اور وہاں کے مجاہدین روانہ ہو چکے تھے، اسلئے عکہ پر صلیبیوں کے لئے قبضہ کرنا ضروری تھا، چنانچہ ۵۸۵ھ مطابق ۱۱۸۹ء میں گائی اور کانرڈ نے بری سمت سے عکہ پر متحدہ حملہ کر دیا، بحری سمت سے سسلی کا بحری بیڑا حملہ آور ہوا اور عکہ بری اور بحری دونوں سمتوں سے گھر گیا، سلطان اس وقت سقیف ارنوم میں تھا، صلیبیوں کے حملہ کی خبر سن کر فوراً عکہ پہنچا اور دشمنوں کے گرد فوجوں کا حصار قائم کر دیا، صلیبی لڑائیوں کی تاریخ میں عکہ کا معرکہ سب سے زیادہ طویل، سب سے زیادہ خونریز اور سب سے زیادہ اہم ہے، مورخین نے اس کی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے، اس معرکہ میں ساری عیسائی دنیا مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے امنڈ آئی تھی،

---

[1] صلاح الدین صفحہ ۲۳۰ [2] [3] کتاب الروضتین ج ۲ ص ۱۴۰ و ۱۴۱ و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۲۱،

فرانس، جرمنی، انگلستان، اٹلی اور سسلی کے فرماں روا یورپ کے بڑے بڑے نامور امرا اور نبرد آزما اپنی پوری جنگی قوت کے ساتھ آئے تھے، رچرڈ بادشاہ انگلستان، فلپ آگسٹس بادشاہ فرانس، فریڈرک ثانی بادشاہ جرمنی، ڈیوک سوابیا کنرڈ برگ کا رئیس الاساقفہ، بالڈون سباری کا اسقف اعظم، ہیوبرٹ والٹر، کاؤنٹ ہنری اور یورپ کے سینکڑوں نامور سورما جن میں سے اکثروں کے نام مچاڈ اور لین پول نے لکھے ہیں، اس جنگ میں شریک ہوئے، جنگ صلیبی کی پوری تاریخ میں بہ یک وقت اتنے فرماں رواؤں نے کسی جنگ میں حصہ نہ لیا تھا، کامل تین سال یہ جنگ جاری رہی اور اس مدت میں مچاڈ کے قول کے مطابق سو سے زیادہ لڑائیاں اور نو بڑے معرکے ہوئے[1]،

سلطان صلاح الدین کامل تین سال تک بڑی شجاعت کے ساتھ یورپ کی متحدہ حکومتوں کا مقابلہ کرتا رہا، اور ان کو عکا کی فصیل تک نہ پہنچنے دیا، لیکن یورپ سے بری اور بحری فوجوں کی آمد کا تانتا بندھا ہوا تھا، آخر میں ان کے جنگی جہازوں نے بحری سمت سے عکا کا راستہ روک دیا، اور خشکی کی سمت بھی بڑی چوڑی خندقیں کھود کر اور اس کے گرد دھس بنا کر اس طرح حصار قائم کر دیا کہ سلطانی فوجوں کا تعلق عکا سے منقطع اور عکا کے محصور مسلمانوں کو مدد پہنچانا بالکل ناممکن ہو گیا، اس حالت میں بھی امیر سیف الدین علی بن احمد المعروف بہ مشطوب جو شہر کے اندر تھا، بڑی پامردی سے مدافعت کی اور صلیبیوں کو فصیل تک نہ پہنچنے دیا، لیکن فرانس اور انگلستان کی فوجوں کی مسلسل سنگباری اور آتش زنی سے فصیل کی دیواریں ٹوٹ گئیں اور صلیبیوں کے حملوں کو روکنا بالکل ناممکن ہو گیا، صلاح الدین کے پاس فوج اور سامان کی کمی نہ تھی، وہ مدد پہنچانے کے لئے بے چین تھا، اور برابر محصور مسلمانوں کی ہمت بندھاتا رہا،

[1] مچاڈ ج اول ص ۴۱۶ ،

لیکن صلیبیوں کا حصار ایسا سنگین تھا کہ سامان رسد تک نہ پہنچ سکتا تھا، اس لئے امیر مشطوب وغیرہ کی ہمت چھوٹ گئی، اور انھوں نے شہر حوالہ کرنے کے لئے شرائط صلح پر گفتگو شروع کر دی، صلاح الدین اور رچرڈ کے درمیان بھی نامہ و پیام ہوا، لیکن اس کے شرائط ایسے تھے کہ مفاہمت نہ ہوسکی، لیکن محصور مسلمان امرا کی ہمت چھوٹ چکی تھی، انھوں نے ایک ایک کرکے عکا چھوڑنا شروع کر دیا، سلطان کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے مسلمانوں کو بچانے کی پھر ایک مرتبہ آخری کوشش کی اور ان کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ رات کو نکلنے کی کوشش کریں جس سمت سے نکلیں گے اس سمت فوجیں موجود رہیں گی، ان کی مدد سے وہ لڑتے ہوئے نکل جائیں، لیکن صورت حال ایسی پیش آگئی کہ مقررہ شب کو صبح کے قریب تک وہ نہ نکل سکے، اور صلیبیوں کو ان کے ارادہ کی خبر ہو گئی، اس لئے دوسرے دن صبح کو انھوں نے پوری قوت سے ہجوم کر دیا، امیر مشطوب نے جب دیکھا کہ بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں ہے تو اس نے حسب ذیل شرائط پر جمادی الثانی ۵۸۷ھ کو شہر حوالہ کر دیا،

(۱) مسلمانوں کو ان کے مال و متاع سمیت نکل جانے دیا جائے گا (۲) وہ دو لاکھ اشرفیاں صلیبیوں کو اور ۴ ہزار کانرڈ والی صور کو تاوان دیں گے (۳) صلیب اعظم کو مسلمان واپس کر دیں گے (۴) پانسو ممتاز صلیبی قیدیوں کو رہا کر دیں گے،

ان شرائط کے ایفار کے لئے دو مہینے کی مدت مقرر ہوئی، لیکن عکا پر قابض ہو جانے کے بعد صلیبیوں نے پہلی شرط کا کوئی لحاظ نہ کیا اور صلاح الدین سے مطالبہ کیا کہ پہلے وہ تمام شرطیں پوری کر دے، اس وقت مسلمانوں کو نکلنے دیا جائے گا، سلطان کو ان کی بدعہدی کا بارہا تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے اس پر آمادہ نہ ہوا، اور کہلا بھیجا کہ ہم بالاقساط شرطیں پوری کریں گے، جتنا حصہ پورا ہوتا جائے، اسی تناسب سے تم بھی مسلمانوں کو نکلنے دو، باقی کی تکمیل کیلئے

ہم اپنے آدمی تم کو ضمانت میں دیدیں گے لیکن صلیبی اس اصرار پر قائم رہے کہ جب تک پوری رقم ایک ساتھ ادا نہ ہو گی، اس وقت تک کسی کو نہ رہا کریں گے، صلاح الدین نے طبقہ داویہ کو ذمہ دار بنانا چاہا، لیکن صلیبیوں کی بد عہدی کی وجہ سے وہ بھی آمادہ نہ ہوا، اس لئے صلاح الدین بھی خاموش ہو گیا، اور رچرڈ نے ان تمام مسلمانوں کو جن کے پاس روپیہ نہ تھا قتل کر دیا،[۱]

عکا پر قبضہ کے بعد صلیبی مجاہدین نے رچرڈ کی قیادت میں عسقلان کا رخ کیا، سلطان بھی ذرا ہٹ کر ان کے ساتھ ہو گیا، راستہ میں ایک دو مقاموں پر معمولی جھڑپ بھی ہوئی، صحرا ارسوف پہنچ کر دونوں کا پورا مقابلہ ہوا، اس میں مسلمانوں کو بڑی فاش شکست ہوئی، بہت سے مسلمان شہید ہوئے، ایک نامور بہادر ایاز کام آیا، سلطان رملہ چلا گیا، اور صلیبیوں نے یافا پر جسے مسلمانوں نے خالی کر دیا تھا قبضہ کر لیا،

عسقلان فلسطین کا نہایت اہم بندرگاہ تھا، سلطان اس وقت اس کی حفاظت نہ کر سکتا تھا، اس لئے مجبور ہو کر اسے اپنے ہاتھوں سے برباد کر دینا پڑا، صلیبیوں کو اس کی بربادی کا بڑا صدمہ ہوا، ارسوف کی جنگ کے بعد بعض چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں، لیکن کوئی اہم معرکہ نہیں ہوا،

ان لڑائیوں میں صلیبیوں کو جس قدر جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا، اس کے مقابلہ میں چند شہروں کے علاوہ انھیں حاصل کچھ نہ ہوا، اصل مقصود یعنی بیت المقدس کی واپسی آسان نہ تھی، ایک عکا پر قبضہ کرنے میں سارے یورپ کی متحدہ قوتوں کو تین سال لگ گئے، ایسی حالت میں بیت المقدس پر قبضہ کا خیال خواب سے زیادہ نہ تھا، یورپ کے فرماں رواؤں کو اپنا ملک

---

[۱] یہ حالات ابو شامہ، ابن اثیر اور صلاح الدین سے ملخصاً ماخوذ ہیں، ان مورخین نے اسکی بڑی طویل تفصیلات لکھی ہیں، ہم نے بہت مختصر خلاصہ نقل کیا ہے،

چھوڑے ہوئے کئی سال ہو گئے تھے اور وہ شام میں زیادہ قیام نہیں کر سکتے تھے[1]، اس کے علاوہ عکا کے معرکے کے بعد رچرڈ اور کانرڈ میں اختلاف شروع ہو گیا، اس کا سبب یہ ہوا کہ فلسطین کی حکومت کے خاتمہ کے بعد شام کے صلیبیوں کی قیادت کانرڈ کے ہاتھوں میں آ گئی تھی، لیکن رچرڈ کے پہنچنے کے بعد اس کی جانب منتقل ہو گئی، چنانچہ تیسری جنگ صلیبی کا ہیرو وہی تھا، عکا کے معرکے کے بعد اس کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا تھا، کانرڈ کو اندازہ ہوا کہ رچرڈ اسکے ساتھ فریب کرنا چاہتا ہے، اس لئے وہ اس کا ساتھ چھوڑ کر صور چلا گیا[2]، اور دونوں نے علیحدہ علیحدہ سلطان سے اپنا معاملہ طے کرنے کی کوشش کی، رچرڈ اور الملک العادل کے تعلقات بہت گہرے تھے، اس نے عادل کے ذریعہ سلطان کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ عادل اس کی بہن جین متوفی فرماں روائے صقلیہ کی بیوہ سے شادی کرلے، اور یہ دونوں مل کر فلسطین پر حکومت کریں، سلطان صلیب مقدس حوالہ کر کے عیسائی قیدیوں کو رہا کر دے، اور شام میں داویہ اور اسبیطاریہ کے سواروں کے قیام کا انتظام کر دے، تو وہ انگلستان لوٹ جائے گا[3]،

ان شرائط کے بارہ میں لین پول اور ابو شامہ کے بیان میں تھوڑا سا فرق ہے، ابو شامہ کے بیان کے مطابق یہ شرط تھی کہ شادی کے بعد عادل فلسطین کے ساحلی علاقہ کا حکمراں ہوگا، اور جین بیت قسیسوں اور راہبوں کے ساتھ بیت المقدس میں رہے گی اور سلطان داویہ اور اسبتاریہ کے گذارہ کے لئے فلسطین کا کوئی ایسا علاقہ دیدے گا جس میں قلعہ نہ ہوگا، سلطان اور عادل دونوں نے اس تجویز کو پسند کیا، لیکن مسیحی راہبوں نے جین کو ملامت کر کے اس رشتہ سے انکار کرا دیا اور رچرڈ کو سلطان سے معذرت کرنا پڑی کہ جین عادل کے تبدیل مذہب کے بغیر شادی کے لئے آمادہ نہیں ہے[4]،

---

[1] صلاح الدین ص۲۸۰ [2] ابن اثیر ج ۱۲ ص۲۸ [3] صلاح الدین ص۲۸۰ [4] کتاب الروضتین ج ۲ ص۱۹۳،

لیکن لین پول لکھتا ہے کہ سلطان نے اس تجویز کو ایک نامعقول لطیفہ سے زیادہ وقعت نہ دی اور عام طور سے اس کا مذاق اُڑایا گیا،

دوسری طرف کانرڈ نے سلطان کو لکھا کہ اگر وہ صیدا اور بیروت کا علاقہ اس کو دیدے تو وہ صلیبیوں کو چھوڑ کر اس سے مل جائیگا، اور عکا پر اس کا قبضہ کرا دیگا، رچرڈ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے عادل سے اور زیادہ تعلقات بڑھائے اور اس کو دوست اور بھائی سے خطاب کرنے لگا اور کوشش کی کہ فلسطین کے بارہ میں مستقل سمجھوتہ ہو جائے[۱]، چنانچہ سلطان کو لکھا کہ مسلمان اور مسیحی دونوں لڑتے لڑتے تباہ ہو چکے ہیں اور ملک ویران ہو گیا ہے، اور معاملہ صرف بیت المقدس فلسطین اور صلیب مقدس کا ہے، بیت المقدس ہماری عبادت گاہ ہے اور اس سے ہم کسی حال میں بھی دست بردار نہیں ہو سکتے، خواہ ہمارا ایک آدمی بھی زندہ نہ بچے، فلسطین میں ہم کو اردن تک کا علاقہ واپس ملنا چاہئے، صلیب اعظم تمہارے لئے محض ایک لکڑی کا ٹکڑا ہے جس کی کوئی قیمت نہیں، لیکن ہمارے لئے وہ بہت بڑی چیز ہے، اس لئے اس بارہ میں سلطان کو ہمارے اوپر احسان کرنا چاہئے تاکہ ہم دونوں کو دائمی مشقت و مصیبت سے نجات مل جائے، سلطان نے اس کے جواب میں لکھا کہ قدس ہمارے لئے بھی ویسا ہی مقدس و محترم ہے، جیسا تمہارے لئے، بلکہ ہمارے لئے اور زیادہ محترم ہے، یہیں سے ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی معراج ہوئی تھی، اس کا تو تم تصور بھی دل میں نہ لاؤ کہ ہم کسی حالت میں بھی اسکو چھوڑ سکتے ہیں، اور اس کے متعلق مسلمانوں کے سامنے ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکتے ہیں، رہ گیا ملک وہ بھی دراصل ہمارا ہی ہے، مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے تم نے اس پر قبضہ کر لیا تھا، صلیب کا توڑنا ہمارے نزدیک ایک بڑی دینی خدمت ہے[۲]، اور ہم اس کے بارہ میں کوئی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے جو اسلامی مصالح کے

---

[۱] صلاح الدین ص ۲۸۶ [۲] کتاب الروضتین ج ۲ ص ۱۹۳ لین پول نے اس کے بجائے یہ فقرہ لکھا ہے کہ صلیب پر قبضہ رکھنا نہ رکھنا ہمارے مصالح پر موقوف ہے، ص ۲۸۶،

خلاف ہو، اس خط وکتابت کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور سلطان سردی کا موسم گذارنے کے لئے بیت المقدس چلا گیا، اور اس فرصت میں اس نے اس کے استحکامات کی درستی اور مرمت شروع کردی، اور فصیل کے لئے خود پتھر ڈھو ڈھو کر لاتا تھا، اس کے امراء بھی اس کام میں لگ گئے اور چند مہینوں میں فصیل بن کر تیار ہوگئی، [1]

بیت المقدس پر قبضہ کی آخری کوشش اور اسمیں ناکامی

۵۸۸ھ میں سلطان کے نامور بھتیجے تقی الدین عمر والی جزیرہ کا انتقال ہوگیا تو اس کے خود غرض امراء نے اس کے صغیر السن بچے کو اس کا جانشین بنا دیا، اسلئے سلطان نے اس بدنظمی کے انسداد کے لئے ملک العادل اور اس کے لڑکے افضل کو مع فوج کے جزیرہ بھیجدیا، اور خود اسکے پاس بہت کم فوج رہ گئی، [2]

رچرڈ کو اس کی اطلاع ہوئی، تو اس نے بیت المقدس پر فوج کشی کردی، سلطان کو خبر ہوئی تو اس نے فوراً راستہ کے پانی کے تمام ذخیروں کو برباد کرا دیا، اس لئے رچرڈ بیت نوبہ پہنچ کر رک گیا اور آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی، بیت نوبہ بیت المقدس کے قریب ہی تھا، جب دور سے اس پر رچرڈ کی نگاہ پڑی تو اس نے زرہ سے آنکھوں کو چھپا کر دعا کی کہ "اے خداوند خدا اگر تیرے اس مقدس گھر کو دشمنوں سے چھڑانا میری قسمت میں نہیں ہے تو مجھکو اسے نہ دیکھنے دے"، [3]

بیت المقدس اور بیت نوبہ میں بہت کم فاصلہ تھا، سلطانی فوجیں دور تک پھیلی ہوئی تھیں، اس لئے دونوں میں معمولی لڑائیاں بھی ہوئیں، مسلمانوں نے بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے مدافعت کی، اس درمیان میں ایوبی فوجیں جو جاڑا بسر کرنے کے لئے اپنے وطن چلی گئی تھیں واپس آگئیں، [4]

بیت المقدس سامنے نظر آتا تھا لیکن پانی کے قحط کی وجہ سے صلیبیوں کو حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی، فرانسیسیوں کی رائے تھی کہ ہم لوگوں نے اپنا وطن یروشلم کے لئے چھوڑا ہی

۱؎ ابن اثیر ج ص ۳۳ و ۳۴ ۲؎ ایضاً ج ۱۲ ص ۳۳ و ۳۴ ۳؎ ایضاً ص ۳۳ و صلاح الدین ص ۲۹۵ ۴؎ ایضاً،

اس کو فتح کئے بغیر واپس نہ جائیں گے اور انگریزوں کا یہ عذر تھا کہ مسلمانوں نے پانی کے ذخیرے برباد کر دیئے ہیں، آگے پانی نہیں مل سکتا، اس لئے بیت نوبہ سے واپس چلنا چاہئے، یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ اس کا فیصلہ ایک مجلس حکم کے سپرد کر دینا پڑا، اس نے فیصلہ کیا کہ اس وقت بیت المقدس پر حملہ مناسب نہیں ہے، اس کے بجائے مصر پر فوج کشی کرنی چاہئے، اس لئے جمادی ثانی ۵۸۸ھ میں صلیبی جس طرح آئے تھے، اسی طرح بے نیل مرام واپس گئے۔[1]

اس دوران میں انگلستان سے بڑی تشویشناک خبریں آئیں، رچرڈ کے بھائی جون کے مظالم سے جسے وہ اپنا قائم مقام بنا آیا تھا، ملک بالکل تباہ اور حکومت کا نظام درہم برہم ہو رہا تھا، اس نے تاج و تخت پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی، اس لئے رچرڈ کی واپسی ضروری ہو گئی، اس کے جانے سے پہلے صلیبیوں نے اپنا مرکز قائم رکھنے کے لئے کانرڈ والی صور کو جو رچرڈ کے بعد سب سے زیادہ قیادت و رہنمائی کی اہلیت رکھتا تھا، اپنا بادشاہ منتخب کیا لیکن چند ہی مہینوں کے اندر وہ مر گیا، اس کے بعد رچرڈ نے اپنے بھانجے ہنری (کندھری) کو بادشاہ بنایا،

واپسی سے پہلے اس نے پھر سلطان سے صلح کی کوشش کی، سلطان بھی آمادہ ہو گیا، اور قریب قریب کے شرائط صلح بھی طے ہو گئے، فلسطین کا جس قدر علاقہ جس کے قبضہ میں تھا وہ بدستور اس کے قبضہ میں رہا، بیت المقدس کا کینستہ القمامہ سلطان نے عیسائیوں کو واپس کر دیا، اور انھیں بغیر اسلحہ کے زیارت کی عام اجازت دیدی؛ اور رچرڈ کی درخواست پر ہنری کی سرپرستی قبول کی، اور وعدہ کیا کہ وہ ہنری کو اپنا فرزند تصور کریگا، لیکن عسقلان کے مسئلہ میں اختلاف ہو گیا، عسقلان اس وقت رچرڈ کے قبضہ میں تھا، سلطان کہتا تھا کہ اس پر کسی کا قبضہ نہ رہے، اور اس کو برباد کر دیا جائے، اور اس کے معاوضہ میں لُدّ دینے کو تیار تھا، لیکن رچرڈ اس کو اپنے قبضہ میں رکھنے

[1] کتاب الروضتین ج ۲ ص ۱۹۰ و ۱۹۹ و صلاح الدین ص ۲۹۴ تا ۲۹۶ ملخصاً [2] صلاح الدین ص ۲۹۲ و ۲۹۳

پر مصر تھا اور اس کی ایک اینٹ بھی کھسکانے کے لیے تیار نہ تھا، اس لئے صلح نہ ہو سکی[1]،

صلح میں ناکامی کے بعد رچرڈ نے انگلستان واپس جانے کی تیاریاں شروع کر دیں اور چلتے چلتے بیروت پر حملہ کرنے کا قصد کیا، اس لئے سلطان نے بھی یافا پر جو صلیبیوں کے قبضہ میں تھا حملہ کر دیا، یہاں ان کی قوت بہت مضبوط تھی، انھوں نے بڑی پر زور مدافعت کی، لیکن مسلمان دیوار توڑ کر شہر میں گھس گئے، صلیبیوں نے قلعہ میں پناہ لی، لیکن آخر میں سلطان کے پیش کردہ شرائط پر انھیں اطاعت قبول کرنی پڑی،

رچرڈ اس وقت بیروت پر حملہ کی تیاری میں تھا یافا کے واقعہ کی اسے خبر ہوئی تو وہ بیروت کا ارادہ ترک کر کے بحری بیڑے کو لئے ہوئے سیدھا یافا پہنچا، اور آتے ہی اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمان پوری کوشش کے باوجود اس کو نہ روک سکے اور رچرڈ نے انھیں شکست دیکر دو دن کے اندر یافا واپس لے لیا، جنگ صلیبی کے سلسلہ میں یہ اُن کا غیر معمولی کارنامہ سمجھا جاتا ہے[2]،

جیسا کہ ابھی اوپر گذر چکا ہے کہ انگلستان کے حالات کی وجہ سے رچرڈ کی واپسی جلد سے جلد ضروری تھی، اس لئے یافا کے معرکے کے بعد اس نے ایک مرتبہ پھر صلح کی کوشش کی اور اتابکی امیر ابوبکر عادلی اور بدر الدین ولدرم وغیرہ کو جن سے اس کے پرانے تعلقات تھے، بلا کر کہا کہ میری جانب سے سلطان کی خدمت میں سلام کے بعد کہو کہ وہ خدا کے لئے صلح کے لئے تیار ہو جائے، ایک نہ ایک دن بہر حال صلح ہونی ہے، میرا ملک برباد ہو رہا ہے مستقل جنگ کا یہ سلسلہ ہم دونوں کیلئے مہلک ہے، ابوبکر نے جا کر سلطان کو یہ پیام پہنچایا، اسے پہلے بھی صلح میں کوئی عذر نہ تھا، اصل مسئلہ عسقلان کا تھا، اس لئے پھر صلح کی گفتگو شروع ہو گئی، لیکن پھر عسقلان کے مسئلہ نے نازک صورت

---

[1] کتاب الروضتین ج ۲ ص ۲۰۰ و صلاح الدین ص ۲۶۸ و ۲۹۹ [2] ابوشامہ اور لین پول نے اسکی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے، ہم نے صرف نتیجہ لکھا ہے، تفصیل کے لئے دیکھو کتاب الروضتین ج ۲ ص ۱۸۱ و صلاح الدین ص ۳۰۳ و ۳۰۴،

اختیار کرلی، اور فریقین میں جنگی تیاری شروع ہو گئی، لیکن اسی دوران میں رچرڈ سخت بیمار پڑ گیا، فرانیسی فوجیں بھی لوٹ گئیں، اس لئے رچرڈ عسقلان سے دست برداری کے لئے رضامند ہو گیا اور کسی مسئلہ میں کوئی اختلاف نہ تھا، اس لئے شعبان ۵۸۸ھ مطابق ستمبر ۱۱۹۲ء میں ساڑھے تین سال کے مسلسل کشت و خون کے بعد صلح ہو گئی، انطاکیہ اور طرابلس کا فرماں روا بوہمینڈ بھی اس صلح میں شریک ہوا، رچرڈ کے علاوہ وادیہ اور اسبتاریہ کے تمام بڑے بڑے نائٹوں نے معاہدہ کی حلفیہ تصدیق کی، اس صلح کی رو سے یافا، لد، مجدل یابا، قیساریہ، ارسوف، حیفا اور عکا کا علاقہ رچرڈ کو ملا، ان میں تین مقام رملہ، ناصرہ اور صفوریہ جہاں باطنی آباد تھے سلطان نے مستثنیٰ کرلئے باقی پورا فلسطین سلطان کے قبضہ میں رہا، اور عسقلان کو برباد کر کے آزاد علاقہ قرار دیا گیا، اور پانچ سال کی مسلسل خونریز لڑائیوں کے بعد جس میں فریقین کے لاکھوں آدمی کام آئے اور بے اندازہ دولت صرف ہوئی تیسری جنگ صلیبی کا خاتمہ ہوا،

فریقین لڑتے لڑتے تھک چکے تھے، اس لئے اس صلح سے مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی، سلطان نے سارے شام میں اس کا اعلان کرایا اور عام منادی کر دی گئی کہ عیسائی اور مسلمان دونوں ایک دوسرے سے بے خوف و خطر مل سکتے ہیں، اور ایک دوسرے کے علاقوں میں جا سکتے ہیں[1]،

اس جنگ میں یورپ کے لاکھوں آدمی سیکڑوں نامور امراء و عمائد، اور متعدد بادشاہ کام آئے اور بے اندازہ دولت برباد ہوئی، اور ان قربانیوں کے مقابلہ میں ان کو حاصل کچھ نہ ہوا، گو مسلمانوں کو بھی کافی جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا لیکن ان کو اس کے بدلہ میں فلسطین کا قریب قریب پورا علاقہ مل گیا، مجاہد نے اس جنگ کے نتائج پر حسب ذیل تبصرہ کیا ہے[2]

[1] صلح کی تفصیلات کے لئے دیکھو کتاب الروضتین ج ۲ ص ۲۰۲ و ۲۰۳،

تیسرا کروسیڈ اس طرح ختم ہوا کہ یورپ کی تمام مسلح طاقتوں نے عکا کی فتح اور عسقلان کی بربادی سے زیادہ اور کوئی فائدہ حاصل نہ کیا، اس میں جرمنی نے بغیر کسی عظمت کے اپنے شاہنشاہوں میں سے سب سے بڑا شاہنشاہ اور اپنی فوجوں میں سے سب سے بڑی فوج کھو دی، اگر ہم عرب مورخوں کے بیان پر اعتماد کریں تو عکا کے سامنے چھ لاکھ کروسیڈ کام آئے اور مشکل سے ایک لاکھ سپاہی ان میں سے اپنے وطنوں کو واپس گئے، یورپ کے اس نقصان پر نوحہ کرنے کی اور بہت سی وجوہات تھیں، پہلی مہموں کی بہ نسبت اس جنگ میں یورپ کی بہت عمدہ فوجیں کام آئی تھیں[1]

لین پول لکھتا ہے جنگ مقدس خاتمہ کو پہنچی، پانچ برس کی مسلسل لڑائیاں ختم ہوئیں جولائی ۱۱۸۷ء میں حطین پر مسلمانوں کی فتح سے قبل دریائے اردن کے مغرب میں مسلمانوں کے پاس ایک انچ زمین نہ تھی، ستمبر ۱۱۹۲ء میں جب رملہ پر صلح ہوئی تو صور سے لے کر یافا کے ساحل تک بجز ایک پتلی سی پٹی کے سارا ملک مسلمانوں کے قبضہ میں تھا، اس صلحنامہ پر صلاح الدین کو شرمندہ ہونے کی مطلق ضرورت نہ تھی، صلیبیوں نے جو کچھ فتح کیا تھا، اس کا بڑا حصہ فرنجوں کے پاس رہا، لیکن اگر صرف جان و مال کا لحاظ کیا جائے تو نتیجہ نہایت حقیر تھا، پاپائے روما کی فریاد سنتے ہی کل مسیحی دنیا نے ہتھیار اٹھا لئے تھے، قیصر فریڈرک، شاہان انگلستان، فرانس اور سسلی کے سلاطین آسٹریا کا لیوپولڈ، برگنڈی کا ڈیوک، فلانڈرز کا کاونٹ صدہا مشہور و معروف بیرن اور تمام عیسائی قوموں کے نائٹ، یروشلم کا عیسائی بادشاہ اور فلسطین کے دوسرے عیسائی فرماں روا، طبقہ داویہ اور البیطاریہ کے بڑے بڑے مشہور شہسوار اس کوشش میں مصروف ہوئے کہ بیت المقدس پر اپنا قبضہ جمالیں اور یروشلم کی مسیحی سلطنت جو ٹوٹ

---

[1] مجاڈج اول ص ۵۰۱ و ۵۰۲،

کے قریب تھی پھر سرسبز ہو جائے لیکن اس کا انجام کیا ہوا، اسی دوران میں فریڈرک قضا کر گیا، شاہان انگلستان و فرانس اپنے اپنے ملک کو سدھارے اور ان کے بڑے بڑے اشراف ارض ایلیا میں پیوند خاک ہوئے لیکن اس پر بھی یروشلم صلاح الدین کے قبضہ میں رہا، صرف ساحل پر عکہ کی مختصر سی ریاست پر ان کا برائے نام عیسائی بادشاہ حکومت کرتا رہا، تیسری جنگ صلیبی میں تمام مسیحی دنیا کی مجموعی طاقت مقابلہ کرنے آئی، مگر صلاح الدین کی قوت کو ٹس سے مس نہ کر سکی۔[۱]

صلیبیوں سے سلطان کا سلوک

صلح کے بعد سلطان نے عیسائیوں کو بیت المقدس کی زیارت کی عام اجازت دیدی اور برسوں کے مشتاق زائرین اس کثرت سے ٹوٹ پڑے کہ رچرڈ کیلئے انتظام قائم رکھنا مشکل ہو گیا، اور اسے سلطان سے درخواست کرنا پڑی کہ وہ اس کی تحریری اجازت نامہ کے بغیر کسی کو بیت المقدس میں داخل نہ ہونے دے، سلطان نے جواب دیا کہ زائرین بڑی بڑی مسافتیں طے کر کے زیارت کے شوق میں آئے ہیں، ان کو روکنا مناسب نہیں ہے اور اپنی جانب سے لاکھوں زائرین کی مدارات راحت و آسائش اور دعوت کا انتظام کیا اور ان سے مل کر باتیں اور دلجوئی کرتا تھا۔[۲]

سالزبری کا اسقف ہیوبرٹ والٹر بھی اپنے قافلہ کو لے کر زیارت کو آیا تھا، سلطان نے اس کے قیام کے لئے مکان پیش کیا، اس نے کہا کہ وہ محض زائر کی حیثیت سے چند روز کے لئے آیا ہے، اس لئے مکان کی ضرورت نہیں ہے، سلطان نے اسقف مذکور اور اس کے ہمراہیوں کی خدمت کے لئے خدام مقرر کر دئے اور اسے قیمتی ہدایا بھیجے، اور اس کی دعوت کر کے صلیب مقدس کی جو سلطان کے پاس تھی زیارت کرائی اور دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا،

[۱] صلاح الدین صفحہ ۳۱۰ [۲] کتاب الروضتین ج ۲ صفحہ ۲۰۴،

اور اس سے رچرڈ کے عادات و خصائل پوچھے اور یہ بھی سوال کیا کہ مسلمانوں کے بارہ میں عیسائیوں کا کیا خیال ہے، اسقف نے جواب دیا کہ دنیا کا کوئی نائٹ جنگی امور میں رچرڈ کی ہمسری نہیں کرسکتا، کوئی خوبی ایسی نہیں ہے جو اس میں نہ ہو، اگر آپ کے اوصاف حمیدہ اس میں اور اسکی خوبیاں آپ میں پیدا ہو جائیں تو پھر تلاش کرنے سے دنیا میں ایسے بادشاہ نہ ملیں، سلطان نے اس سے کہا کہ اگر اس کی کوئی خواہش یا ضرورت ہو تو بیان کرے، اسقف نے خواہش کی کہ تربت مسیح، بیت اللحم، اور ناصرہ کی دینی خدمت میں شامی عیسائیوں کے ساتھ دو رومن کیتھلک قسیسوں اور شماسوں کو بھی شرکت کی اجازت دیجائے، شامی عیسائی عہد مسیح کی نہایت وحشیانہ طریقہ سے اور ادھوری خدمت انجام دیتے ہیں، سلطان نے منظور کیا، اور تینوں مقاموں پر رومن کیتھلک قسیس اور شماس مقرر کر دیئے،[1]

بیت المقدس کی زیارت سے فراغت کے بعد اکتوبر ۱۱۹۲ء میں صلیبی یورپ واپس گئے، ان کی واپسی کے بعد سلطان نے بھی اپنی فوجوں کو آرام کرنے کے لئے ان کے وطن واپس کر دیا، اور چند مہینے بیت المقدس میں قیام کر کے یہاں کے انتظامات درست کئے، شہر پناہ کی مرمت کرائی، خندق کھدوائی، راستے درست کرائے، مدارس کے اوقاف میں اضافہ کیا، خانقاہوں کے لئے نئے اوقاف کئے، ایک بڑا شفاخانہ قائم کیا اور اس کے لئے ہر طرح کی دوائیں مہیا کیں ان سے فراغت کے بعد بیت المقدس کا انتظام امیر عزالدین جردیک کے سپرد کر کے شوال ۵۸۸ھ میں حج کے ارادہ سے دمشق گیا،[2]

وفات ادھر کئی سال سے سلطان کی صحت بگڑ گئی تھی، جہاد کی پرمحن زندگی سے آرام و سکون کا موقع نہ ملتا تھا، بیماری کی وجہ سے رمضان کے بہت سے روزے قضا ہو گئے تھے، دمشق

---

[1] صلاح الدین ص ۱۳۱-۱۳۲ [2] کتاب الروضتین ج ۲ ص ۲۰۵،

آنے کے بعد ان کو پورا کرنا شروع کیا، روزے مزاج کے موافق نہ پڑتے تھے، اس لئے طبیب نے روکا کہ صحت پر برا اثر پڑیگا، سلطان نے جواب دیا معلوم نہیں آیندہ کیا پیش آئے، اور کل روزے پورے کئے،[۱] اس سے صحت اور بگڑ گئی اور وسط صفر ۵۸۹ھ میں پھر بیمار پڑ گیا، علالت معمولی بخار سے شروع ہوئی، اور بہت جلد مرض الموت کی شکل اختیار کر لی، وفات سے تین دن پہلے غشی طاری ہو گئی، جو آخر تک قائم رہی، عالم احتضار میں شیخ ابو جعفر نے قرآن کی تلاوت شروع کی جب اس آیۃ ھو الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشہادۃ پر پہنچے تو دفعۃً سلطان نے آنکھ کھول دی زبان سے نکلا "سچ ہے"، لبوں پر تبسم اور چہرہ پر بشاشت طاری ہوئی اور پھر ہمیشہ کے لئے آنکھ بند کر لی، یہ صفر کی ۲۷ تاریخ، دوشنبہ کا دن اور فجر کا وقت تھا، شیخ ضیاء الدین ابو القاسم عبد الملک و دیعی خطیب جامع دمشق نے غسل دیا، عصر کے وقت اسی مکان میں جس میں بیمار تھا اس مجاہد اعظم کی لاش کو سپرد خاک کیا گیا، لاش کے ساتھ وہ تلوار بھی جو ہمیشہ خدا کی راہ میں بے نیام رہی دفن کر دی گئی کہ اب اس کا چلانے والا ہاتھ باقی نہ رہ گیا تھا، دو سال کے بعد سلطان کے لڑکے ملک الافضل نے جامع قدم کے پاس مقبرہ تعمیر کر کے محرم ۵۹۲ھ میں لاش اس میں منتقل کر دی اور جامع مسجد کی عمارت کو بڑھا کر مقبرہ کو اس کے احاطہ میں شامل کر لیا،[۲] جو اب تک زیارت گاہ خلائق ہے،

سلطان کی موت تنہا صلاح الدین یوسف فرماں روائے مصر و شام کی موت نہ تھی، بلکہ اس مجاہد جلیل کی موت تھی جس کی تلوار ساری عمر خدا کی راہ میں بے نیام رہی، اور جس نے اپنا کل خانماں اور ساری کائنات اس راہ میں لٹا دی اور اسلام کی حمایت میں تنہا متحدہ عیسائی دنیا کا مقابلہ کیا، اور مرتے مرتے تثلیث کے مقابلہ میں اسلام کے علم کو سربلند رکھا، اس لئے اسکی

---

[۱] کتاب الروضتین ج ۲ ص ۲۱۹ [۲] ایضاً ص ۲۱۳ و ۲۱۴،

موت سے ساری دنیائے اسلام میں صف ماتم بچھ گئی کوئی دل ایسا نہ تھا جو اس کے غم میں محزوں اور کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اس کے ماتم میں اشکبار نہ رہی ہو،

ایک سبق آموز واقعہ | وفات کے سلسلہ میں یہ سبق آموز واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ اس جلیل القدر فرماں روا نے جس کی سلطنت جزیرہ، شام و فلسطین اور مصر تک پھیلی ہوئی تھی، اور جس نے اپنی زندگی میں بے شمار دولت خدا کی راہ میں اور کروروں روپیے داد و دہش میں صرف کئے وفات کے بعد اپنی ملک میں ایک دینار اور چالیس درہم کے علاوہ کسی قسم کا نقد و جنس اور کوئی املاک نہیں چھوڑی، اتنا بھی نہ تھا کہ تجہیز و تکفین کے مصارف پورے ہو سکتے، قاضی فاضل نے حلال و طیب مال سے تجہیز و تکفین کا انتظام کیا،[1]

اسلام کی تاریخ میں خلفائے راشدین کے علاوہ اس کی دوسری مثال نہیں ملتی،

اخلاق و سیرت | سلطان نورالدین کی طرح صلاح الدین بھی تنہا شمشیر زن مجاہد ہی نہ تھا بلکہ فضائل اخلاق کا بھی مکمل نمونہ تھا، اس کے فضائل و مناقب و کمالات بے شمار ہیں، اور ان کی تفصیل کیلئے مستقل کتاب چاہیئے، تاہم اس کی زندگی کے اس رخ کی جھلک پیش کئے بغیر اسکی تصویر نا تمام رہجائیگی، اس لئے اسکی سیرت و اخلاق کے متعلق اسکے رفیق خلوت و جلوت قاضی بہاءالدین ابن[2] شداد کے بیان کا اس سے

---

[1] کتاب الروضتین ج ۲ ص ۲۱۱ و ۲۱۷ [2] قاضی ابن شداد کا وطن موصل تھا اپنے زمانہ کے نامور عالم تھے، عرصہ تک دولت اتابکیہ سے وابستہ رہے، پھر صلاح الدین کے دربار سے متوسل ہو گئے، اور اس کی زندگی کے آخری چند برسوں میں جلوت و خلوت میں ہر وقت سلطان کے ساتھ رہے، اس لئے ان کے بیانات سلطان کے حالات میں سب سے زیادہ مستند ہیں، انھوں نے سلطان کے سوانح بھی لکھے تھے، جس کو ابو شامہ نے کتاب الروضتین میں نقل کیا ہے، اس سے زیادہ مستند اور کوئی بیان نہیں ہو سکتا، سلطان نے انکو دمشق کا قاضی بنانا چاہا تھا لیکن قبول نہیں کیا، اس کی وفات کے بعد الملک الافضل نے حلب کا قاضی بنایا

زیادہ کوئی مستند شہادت نہیں ہو سکتی، خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، وہ لکھتے ہیں :-

سلطان صلاح الدین کو دینی احکام کی پابندی اور امور شریعت کی حفاظت میں بڑا اہتمام تھا، وہ صحیح العقیدہ اور ذاکر و شاغل تھا، اس نے اکابر فقہاء و اہل علم سے بحث و مباحثہ کے بعد عقائد قائم کئے تھے، اس کے عقائد تشبہ اور تعطل کی آمیزش سے پاک، صحیح اور استوار تھے، امام قطب الدین نیشاپوری نے اس کے لئے عقائد پر ایک کتاب لکھی تھی، جس میں تمام ضروری عقائد جمع کر دئیے تھے، سلطان اپنی اولاد کو بچپن سے ان کی تعلیم دیتا تھا، نماز با جماعت کا اتنا اہتمام تھا کہ برسوں تنہا پڑھنے کا اتفاق نہ ہوتا تھا، بیماری کی حالت میں بھی امام کو گھر پر بلا کر جماعت کے ساتھ ادا کرتا تھا، جن سنتوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی تھی وہ کبھی ترک نہ ہوتی تھیں، تہجد پابندی سے پڑھتا تھا، اگر کبھی اتفاق سے آنکھ نہ کھلتی تو نماز فجر سے پہلے چند رکعت نوافل پڑھ لیتا تھا، جب تک اس کے ہوش و حواس قائم رہے نماز نہ چھوٹی اور مرض الموت کے آخری تین دنوں کے علاوہ جس میں غشی طاری ہو گئی تھی، ایک وقت کی نماز بھی قضا نہ ہوئی، سفر میں جس مقام پر نماز کا وقت آجاتا سواری روک کر اتر پڑتا اور نماز پڑھنے کے بعد آگے بڑھتا، اس کے پاس کبھی اتنا روپیہ جمع نہیں ہوا کہ زکوٰۃ واجب ہوتی، جو کچھ ہاتھ میں آتا سب صدقہ یا وابستگان دولت میں تقسیم کر دیتا، اپنے پاس ایک حبہ نہ رکھتا، اس لئے عمر بھر زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت ہی نہ پیش آئی، روزے بھی پابندی سے رکھتا تھا، آخر چند سالوں میں بیماری کی وجہ سے روزے قضا ہو گئے تھے، لیکن صحت کی خرابی کے باوجود وفات سے پہلے ان کو ادا کر دیا، بلکہ انہیں روزوں کی وجہ سے اس کی صحت اور بگڑ گئی، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، حج کا ہر سال ارادہ کرتا تھا، مگر جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے اس کا موقع نہ ملتا تھا، صلیبیوں سے مصالحت کے بعد ۵۸۸ھ میں حج کا مصمم ارادہ تھا اور اس کے انتظامات بھی شروع کر دئیے تھے،

لیکن وقت کی تنگی اور روپیہ کی کمی کی وجہ سے پورا نہ ہو سکا، اور دوسرے سال کے لئے ملتوی کرنا پڑا لیکن موت نے اس کا موقع نہ دیا،

کلام مجید کے سماع کا بڑا ذوق تھا، ہمیشہ عالم قرآن اور خوش الحان قاری کو امام بناتا تھا، روزانہ مجلس خاص میں شب کو اور مجلس عام میں دن کو پابندی سے کلام مجید پڑھوا کر سنتا تھا، ایک مرتبہ ایک چھوٹے بچے کو قرآن پڑھتے سنا اس کی تلاوت پسند آئی اپنے خاصہ سے اس کے لئے کھانا بھیجا، اور لڑکے کے باپ کو گذارہ کے لئے زمین عطا کی، وہ بڑا رقیق القلب اور اثر پذیر دل رکھتا تھا، قرآن کی آیات سنکر خشیت الٰہی سے دل لبریز ہو جاتا تھا، اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے سماع حدیث کا بھی شائق تھا، جب کسی بڑے محدث کا نام سنتا اور اس کو اس کے پاس آنے میں کوئی تامل نہ ہوتا تو اسے بلا کر خود اس سے حدیث سنتا، اور اپنی اولاد اور خاص آدمیوں کو سنواتا، سماع حدیث کے وقت سامعین کو وقار و متانت کے ساتھ بیٹھنے کی تاکید کرتا، اگر کوئی ایسا محدث ہوتا جو سلاطین کے درباروں میں جانا پسند نہ کرتا تو خود اس کے پاس جا کر سماع کرتا، چنانچہ حافظ سلفی سے سماعِ حدیث کے لئے بارہا قاہرہ سے اسکندریہ گیا، خود بھی قرأتِ حدیث کرتا تھا اور جب کوئی عبرت و بصیرت کی حدیث آجاتی تو آنکھیں پرنم ہو جاتیں،

شعائر دین کی بڑی تعظیم کرتا تھا حشر اجساد، جنت و دوزخ، جزا و سزا وغیرہ پر جن پر قرآن ناطق ہے، بغیر کسی تاویل کے ایمان رکھتا تھا، فلاسفہ، معطلہ، دہریہ وغیرہ تمام فرق ضالہ کا سخت دشمن اور اس بارہ میں اتنا متشدد تھا کہ مشہور فلسفی شہاب الدین سہروردی فلسفیانہ خیالات کے الزام میں اسی کے حکم سے قتل کیا گیا، اللہ تعالیٰ کی ذات اور کارسازی و دستگیری و رحمت پر اس کو بڑا بھروسہ تھا، میرا چشم دید واقعہ ہے کہ جب دوسری مرتبہ صلیبیوں نے بیت المقدس پر حملہ کرنے

کا ارادہ کیا، اور سلطان کی فوج میں سرتابی کے آثار نظر آئے، تو سلطان نے نماز پڑھ کر بارگاہ ایزدی میں دعا کی، اس کے طفیل میں اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو صلیبیوں کے شر سے بچا لیا،

ان اوصاف کے ساتھ وہ بڑا عادل شفیق، رحمدل اور زوردآوروں کے مقابلہ میں کمزوروں کا حامی و مددگار تھا، سفر و حضر ہر حالت میں دوشنبہ اور جمعہ کو عدالت کرتا تھا، اور علماء و فقہاء و قضاۃ عدالت میں موجود رہتے تھے، بوڑھوں، بچوں، کمزور و ناتوان ہر شخص کے لئے عدالت کا دروازہ کھلا تھا، سلطان تک پہنچنے کے لئے کسی واسطہ و وسیلہ کی ضرورت نہ تھی، عدالت میں روزانہ جتنے معاملات و مقدمات پیش ہوتے ان کے متعلق ضروری تحقیقات کرکے تمام درخواستیں جمع کرلیجاتیں اور کسی دوسرے وقت ان پر غور کرکے احکام و فیصلے صادر کرتا،

اس کی عدل پروری کے بعض واقعات قابل ذکر ہیں، ایک مرتبہ ایک شخص ابن زہیر نے اس کے بھیتجے تقی الدین عمر کے خلاف دعویٰ کیا، تقی الدین نے حماۃ کے قاضی امین الدین کو اپنا وکیل بنا دیا، امین الدین سلطان کے خاص ندیموں میں تھے، میں نے ان کو مدعی کے برابر کھڑا کرکے اظہار لیا، دوران مقدمہ میں تقی الدین کے حلف کی ضرورت پیش آئی، سلطان تقی الدین کو بہت محبوب رکھتا تھا، لیکن اس نے بلا تامل اس کو بھیجدیا،

ایک مرتبہ ایک تاجر عمر خلاطی نے خود سلطان کے خلاف دعویٰ کیا کہ اس نے اس کے ایک متوفی غلام سنقر کی املاک پر جس کا وارث قانوناً مدعی کو ہونا چاہئے، سلطان نے قبضہ کر لیا ہے اور اس کے ثبوت میں غلام کی خریداری کی دستاویز پیش کی، اس کے خلاف اور کہیں کوئی اندراج نہ تھا، اس لئے مجھے تعجب ہوا، میں نے سلطان سے بیان کیا، اس نے مدعی کو بلا کر میرے سامنے اس سے دستاویز لے کر دیکھی، اس وقت اس کا جعل کھلا، اس میں خریداری کی جو تاریخ درج تھی، اس سے ایک سال قبل سلطان اس غلام کو خرید چکا تھا، اور اس کے ثبوت میں

اس نے معتبر شہادتیں پیش کیں، مدعی بہت گھبرایا، اس کی پریشانی دیکھ کر میں نے سلطان سے عرض کیا کہ مدعی کے اس فعل کی غرض سلطان کے مراحم خسروانہ کا حصول تھا، اس لئے اس کو مایوس نہ فرمایا جائے، یہ سن کر سلطان نے اسکو خلعت و انعام عطا کیا،

اس کی فیاضی اور سیر چشمی غلط بخشی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی، پورے پورے علاقے اور ضلعے لوگوں کو دے ڈالتا تھا، آمد کی فتح کے بعد ابن قرار ارسلان نے اس کو سلطان سے مانگا اس نے بلا تامل پورا علاقہ دیدیا، تنگی اور فراخی کسی حالت میں اس کی فیاضی و داد و دہش میں فرق نہ آتا تھا، ایک مرتبہ قدس میں اس کے پاس کئی وفد آئے، اتفاق سے اس وقت خزانہ بالکل خالی تھا، سلطان نے گاؤں بیچکر ان کو انعام دیا، اس کی غلط بخشی کی وجہ سے خزانہ کے منتظمین ناگہانی ضروریات کے لئے ہمیشہ کوئی نہ کوئی رقم اس سے چھپائے رکھتے تھے تاکہ عین وقت پر روپیہ کی دقت نہ پیش آئے، وہ سائلوں کو ہمیشہ ان کی توقع سے زیادہ دیتا تھا اور کبھی کسی دوسرے سے اس کا اظہار نہیں کرتا تھا جس کو جتنا زیادہ دیتا تھا، اتنا ہی اس سے زیادہ خندہ جبینی سے پیش آتا تھا، جسے کسی سبب سے کچھ نہ دے سکتا تھا اس سے محجوب رہتا تھا، لوگ ہمیشہ اس سے عطایا و وظائف میں اضافہ کے خواہشمند رہتے تھے، لیکن سلطان کی زبان سے کبھی یہ نہ نکلا کہ کہاں تک دیتا رہوں، اکثر عطایا کے احکام میرے ذریعہ سے صادر ہوتے تھے، مجھے لوگوں کے سوال کی کثرت پر تو شرمندگی ہوتی، لیکن سلطان کے انکار کی شرمندگی کبھی نہ اٹھانا پڑی، جو شخص بھی سلطان کی خدمت سے وابستہ رہا، اس نے اس کو ہمیشہ کے لئے دوسروں کی احتیاج سے مستغنی کر دیا،

وہ بڑا شجاع، نڈر، قوی دل، مستقل مزاج تھا، کسی واقعہ سے گھبراتا نہ تھا، میں نے بارہا دیکھا ہے کہ اس کے مقابلہ میں فرنگیوں کی بہت بڑی تعداد ہے اور ان کی امدادی فوجوں

کا سلسلہ بندھا ہوا ہے لیکن سلطان پر اس کا کوئی اثر نہیں تھا بلکہ اس سے اس کی ہمت و حوصلہ اور زیادہ بڑھتا تھا، عکا کے محاصرہ کے زمانہ میں ایک شب میں فرنگیوں کے ستر سے زیادہ جنگی جہاز آئے میں ان کا شمار کرتا جاتا تھا لیکن اس سے سلطان کے دل میں اور زیادہ قوت اور اس کے مزاج میں اور زیادہ استقلال پیدا ہو گیا، وہ ہر سال جاڑے کے موسم میں فوجوں کو ان کے وطن واپس کر دیتا تھا اور خود تھوڑی سی فوج کے ساتھ دشمنوں کے مقابلہ میں رہتا تھا، جنگ کے زمانہ میں دشمنوں کی قوت اور حالات کا اندازہ لگانے کے لئے ان کے لشکر گاہ کے گرد روزانہ ایک دو مرتبہ ضرور چکر لگاتا تھا عین اس وقت جب لڑائی پورے شباب پر ہوتی فوج کی صفوں میں گھوم پھر کر ان کی ترتیب قائم کرتا اور جنگی ہدایات دیتا، اور اس سلسلہ میں دشمن کی صفوں کے بالکل قریب پہنچ جاتا اور اس حالت میں سماعِ حدیث بھی کرتا، اس نے دشمنوں کی کثرت کی مطلق کبھی پروانہ کی، اور نہ اس کو کسی قسم کی اہمیت دی، لیکن جنگی معاملات پر غور و فکر اور اس کی تدبیروں سے غافل نہ رہتا تھا، فوجی افسر اس کے سامنے اپنی رائیں پیش کرتے، سلطان بغیر کسی ناگواری کے ان کو سنتا اور مناسب رایوں پر عمل بھی کرتا، عکا کے سب سے بڑے معرکہ میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ان کی فوجیں پسپا ہو گئیں اس وقت بھی سلطان چند جاں نثاروں کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم رہا، اور منتشر فوجوں کو للکار کر اور شرم دلا کر پھر سے جمع کر کے اس زور کا حملہ کیا کہ سات ہزار فرنگی مارے گئے اور سلطان برابر ان کے مقابلہ میں ڈٹا رہا لیکن حالات ایسے ہو گئے تھے کہ آخر میں صلح کر لینا پڑی،

سلطان پر صحت اور بیماری کے مختلف دور آتے رہتے تھے بعض اوقات بڑی نازک صورت پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس سے جہاد کی سرگرمی میں فرق نہ آتا تھا، چنانچہ اس کی ساری عمر میدان جنگ ہی میں گذری وہ ہمیشہ جہاد میں مشغول رہتا تھا، اس کے لئے بڑا اہتمام و انتظام

کرتا تھا، اس کی ساری توجہ جہاد ہی کی جانب رہتی تھی جب سے اس نے میدان جہاد میں قدم رکھا اس کے علاوہ دوسرے کاموں میں ایک حبہ بھی صرف نہیں کیا اُس کی فیاضی بھی عموماً جہاد ہی کے سلسلہ میں یا اسی کے فائدہ کی غرض سے ہوتی تھی، اس کو جہاد سے اتنا شغف اور انہماک تھا کہ اسکے قلب و دماغ اور سارے اعضاء پر جہاد ہی چھایا رہتا تھا، جہاد کے علاوہ نہ کسی موضوع پر گفتگو کرتا نہ دوسرا کام کرتا، جہاد کے آلات و اسلحہ کے علاوہ اور کسی ساز و سامان کی جانب نگاہ نہ اٹھاتا ہر وقت فوجی تیاری میں منہمک رہتا، حتیٰ کہ مجاہدین کے علاوہ دوسرے اشخاص کیجانب ملتفت تک نہ ہوتا تھا، غرض جہاد ہی اس کا اوڑھنا بچھونا تھا، اس کے لئے اس نے بیوی بچے، وطن، گھر بار، لذت و راحت کے سارے سامان چھوڑ دیئے تھے، اور میدان جنگ میں خیمہ کی زندگی اختیار کر لی تھی جسکے ہر طرف ہوا کے جھکڑ چل رہے ہوں، عکا کی جنگ کے زمانہ میں ایک شب کو ہوا کے طوفان سے خیمہ گر پڑا، اتفاق سے اس وقت سلطان اس میں موجود نہ تھا، ورنہ جان نہیں بچ سکتی تھی، مصائب و مشکلات اس کے ولولۂ جہاد کے لئے مہمیز کا کام دیتے تھے، ان سے اس کا ذوق اور صبر و استقلال اور زیادہ بڑھتا تھا (اس کے بہت سے واقعات قاضی بہاء الدین نے نقل کئے ہیں) جو لوگ اس کے مزاج میں تقرب حاصل کرنا چاہتے وہ جہاد کو وسیلہ بناتے، علماء نے جہاد پر اس کے لئے کتابیں لکھیں، میں نے بھی ایک کتاب لکھی تھی، اس میں جہاد کے آداب اور جہاد سے متعلق آیات و احادیث جمع کی تھیں، اور اس کی شرح بھی لکھی تھی، یہ کتاب اکثر سلطان کے مطالعہ میں رہتی تھی،

کوکب پر قبضہ کے بعد ۵۸۴ھ میں سلطان نے فوجوں کو آرام کرنے کے لئے ان کے وطن واپس کر دیا، مصری فوج اس کے بھائی عادل کے ہمراہ مصر جانے والی تھی، سلطان نے ارادہ کیا کہ عسقلان تک اس کے ساتھ جائے، اور ساحلی علاقہ کا معاینہ اور اس کے انتظامات کرتا ہوا

بحری راستہ سے واپس آئے میں نے مخالفت کی اور کہا سب فوجیں واپس جا چکی ہیں، صرف تھوڑی سی فوج رہ گئی ہے، فرنگی فوجیں صور میں جمع ہیں، ایسی حالت میں بحری سفر مناسب نہیں ہے، لیکن سلطان نہ مانا اور عسقلان تک عادل کے ہمراہ گیا، اور اس کو رخصت کرنے کے بعد ساحلی علاقہ کی سمت سے واپس ہوا، یہ جاڑے کا موسم تھا، سمندر میں سخت تلاطم تھا، پہاڑ کے برابر اونچی موجیں اٹھتی تھیں، ہم لوگوں کے دل میں بڑا ہول پیدا ہو گیا، میرے دل میں خیال آیا کہ اگر ایسے پرشور سمندر میں ایک میل سفر کے معاوضہ میں مجھ کو ساری دنیا کی بادشاہت بھی ملے تو میں قبول نہ کروں، یہ خیال کر رہا تھا کہ سلطان نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "اگر خدا باقی ساحلی علاقہ کو بھی فتح کرا دے تو میں اس کو تقسیم کر کے سب سے رخصت ہو کر سمندر کے جزائر کی تلاش میں نکل کھڑا ہوں تاکہ پھر روے زمین پر کوئی منکر خدا باقی نہ رہے، یا اسی راہ میں مجھے موت آجائے" سلطان کی ان باتوں کا میرے دل پر بڑا اثر پڑا، میں نے اس سے کہا، روے زمین پر سلطان سے زیادہ بہادر اور خدا کے دین کی حمایت و نصرت میں اس سے زیادہ مضبوط دل اور خالص نیت رکھنے والا کوئی دوسرا نہیں ہے، اور میرے دل میں جو خطرات گذرتے تھے ان کو بیان کر کے عرض کیا کہ آپ کے حسن نیت میں شبہہ نہیں ہے، لیکن آپ کے ساتھ اس وقت فوج بہت کم ہے، آپ کی ذات اس زمانہ میں اسلام کی پشت و پناہ ہے، اس کو خطرہ میں ڈالنا مناسب نہیں ہے، سلطان نے سوال کیا اچھا بتائیے شرعاً سب سے بہتر اور معزز کون سی موت ہے، میں نے کہا جو خدا کی راہ میں ہو، سلطان نے کہا تو گویا میرے لیے جو زیادہ سے زیادہ خطرہ ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ میں ایک بہتر اور معزز موت مروں گا۔

اس کی ہمت و صبر و استقلال کا یہ حال تھا کہ عکا کے محاصرہ کے دوران میں نچلے آدھے دھڑ میں اس کثرت سے دنبل نکل آئے تھے کہ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتا تھا، لیکن اس حالت میں

بھی جہاد کی سرگرمی میں فرق نہ آیا صبح سے ظہر تک اور عصر سے مغرب تک برابر گھوڑے کی پیٹھ پر رہتا تھا، اس کو خود تعجب ہوتا تھا، اور کہتا تھا کہ جب تک گھوڑے کی پیٹھ پر رہتا ہوں ساری تکلیف جاتی رہتی ہے اور اس سے اترتے ہی پھر عود کر آتی ہے، یہ صرف فضل خداوندی سے ہے، ایک مرتبہ جبکہ ہم لوگ خروبہ میں تھے سلطان سخت بیمار پڑ گیا اور تل حجاب نہ پہنچ سکا، فرنگیوں کو خبر ہوئی تو وہ تل حجاب کی جانب بڑھے، سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی تو اسی بیماری کی حالت میں انکے مقابلہ کیلئے نکل کھڑا ہوا، اس کا قاعدہ تھا کہ دشمن کو کمزور کئے بغیر خیمہ میں نہ جاتا تھا، گرمی بڑی سخت پڑ رہی تھی، سلطان نے دھوپ سے بچنے کے لئے چہرہ پر رومال ڈال لیا تھوڑی دور چل کر پھر ٹھہر جاتا تھا، اسی طریقہ سے اس نے پورا راستہ طے کیا، اور فرنگیوں کے قریب پہنچ کر فوج مرتب کر کے اپنے تین لڑکوں، افضل، ظاہر اور ظافر کو فوج کے آگے کیا اور فرنگیوں کا منصوبہ نہ پورا ہونے دیا، اسی طریقہ سے صفد کے محاصرہ کے زمانہ میں بڑی سخت سردی پڑ رہی تھی، اتفاق سے بارش بھی ہو گئی تھی جس سے سردی اور چمک گئی تھی، سلطان نے پوری رات جاگ کر اپنے اہتمام میں پانچ منجنیقیں نصب کرائیں،

ایک مرتبہ کسی جنگ کے دوران میں اس کے نوجوان لڑکے اسمٰعیل کی موت کی خبر آگئی، سلطان نے اس کو نہ کسی سے بیان کیا، اور نہ کسی طرز عمل سے ظاہر ہونے دیا، البتہ جب موت کی اطلاع کا خط پڑھتا تھا تو آنکھیں ڈبڈبا آتی تھیں، اسی طریقہ سے رملہ کے معرکہ کے زمانہ میں اس کے نامور اور جوان بھتیجے تقی الدین عمر کی موت کی خبر آئی، سلطان اس کو بہت محبوب رکھتا تھا، اسکی موت کا سلطان کو اتنا شدید قلق ہوا کہ ضبط کرنا مشکل ہو گیا، تاہم اس کا عام اعلان نہیں کیا، اور لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا کر صرف مخصوص لوگوں سے گلوگیر آواز میں بمشکل اتنا کہہ سکا کہ تقی الدین کا انتقال ہو گیا، اور بے قرار ہو کر رونے لگا، اور ہم سب لوگوں سے تاکید کر دی کہ کسی کو

اس کی خبر نہ ہونے پائے، اس کو اپنی چھوٹی اولادوں سے زیادہ محبت تھی لیکن خدا کی راہ میں ان سب کو چھوڑ دیا تھا، اس کو دنیاوی عیش وراحت کے تمام سامان حاصل تھے مگر ان سب کو چھوڑ کر جہاد کی پرمحن زندگی اختیار کی تھی،

حلم وبردباری کا پیکر تھا معمول تھا کہ روزانہ جنگی انتظامات کے معاینہ کے بعد کھانا کھاتا تھا تھوڑی دیر آرام کر کے ظہر کی نماز پڑھتا تھا، نماز کے بعد ایک خاص صحبت ہوتی تھی جس میں حدیث یا فقہ پڑھی جاتی تھی، مرج عیون کے معرکہ میں ایک دن حسب معمول جنگی کاموں سے فراغت کے بعد دستر خوان بچھایا گیا، کھانے کے بعد سلطان نے آرام کے لئے اٹھنا چاہا لیکن نماز کا وقت آگیا تھا، اس لئے پھر بیٹھ گیا، اس وقت صرف مقربین خاص تھے کہ اتنے میں سلطان کا ایک معزز غلام آیا اور کسی مجاہد کے متعلق کوئی درخواست پیش کرنی چاہی، سلطان نے کہا اس وقت میں بہت تھکا ہوں، تھوڑی دیر کے بعد لانا لیکن غلام نے درخواست سامنے بڑھادی، سلطان نے اسکو پڑھکر کہا ہاں یہ مستحق شخص ہے، غلام نے عرض کی پھر اس کے متعلق حکم صادر فرمادیا جائے، سلطان نے کہا اس وقت قلم دوات موجود نہیں ہے، غلام بولا خیمہ کے اندر ہے، سلطان کو بھی خیال آگیا، چنانچہ وہ خود اٹھ کر لے آیا اور درخواست پر حکم لکھدیا، میں نے عرض کیا کہ سلطان کا اخلاق خلق نبوی کا نمونہ ہے، اس نے کہا اس میں میرا کوئی نقصان نہیں ہوا، اور ایک شخص کی حاجت پوری ہوگئی، جس کا ثواب مجھ کو حاصل ہوا، بعض اوقات عرضی گذاروں کے اژدحام سے اس کا فرش مل دل جاتا تھا لیکن سلطان کی ابرو پر شکن تک نہ پڑتی تھی، ایک مرتبہ میں اور سلطان پہلو بہ پہلو سواری پر جارہے تھے، میری سواری بھڑک کر سلطان کی سواری سے بھڑ گئی، اور سلطان کے کولے میں رگڑ لگ گئی، وہ صرف مسکرادیا، ایک مرتبہ کیچڑ پانی میں ہم دونوں ساتھ ساتھ خچر پر جارہے تھے، میرے خچر نے کیچڑ اچھال دی، جس سے

سلطان کے سارے کپڑے خراب گئے، سلطان اس پر بھی مسکرادیا، میں نے پیچھے ہٹ کر چلنا چاہا لیکن اس نے ہٹنے نہ دیا، وہ دادخواہوں اور فریادیوں کی زبان سے ایسی ایسی باتیں سنتا تھا کہ دوسرا ان کی تاب نہ لاسکتا تھا، لیکن سلطان ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا تھا، حتیٰ کہ فوجی افسروں کی جنگی عدول حکمی پر بھی مواخذہ نہ کرتا تھا، ایک مرتبہ کسی جنگ کے سلسلہ میں حریف تھوڑی سی فوج کے ساتھ سامنے آگیا، سلطان نے امرار کو حملہ کا حکم دیا، انھوں نے اسکی تعمیل نہ کی، سلطان نہایت آزردہ خاطر ہوا اور لوگوں کو یقین تھا کہ ان نافرمانوں کو سلطان ضرور سزا دیگا، واپسی میں دمشق سے بہت سے میوے آئے سلطان نے ان امراء کو بلاکر اسی خندہ پیشانی کے ساتھ کھلایا، اور ان کو اس کی جانب سے اطمینان حاصل ہوا،

مہمانوں کی خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم بڑی عزت و مدارات کرتا تھا، صلح کے بعد برنس والی انطاکیہ سلطان کا مہمان ہوا، اس کے آنے کے ساتھ ہی سلطان اس کے خیمہ میں جاکر اس سے ملا، برنس اس سے کسی علاقہ کا طالب ہوا سلطان نے عمق کا علاقہ جس کو اس نے ۵۸۴ھ میں برنس سے چھینا تھا اس کو دیدیا، ایک مرتبہ صیدا کا فرنگی والی اس کے پاس آیا، سلطان نے اس کی بڑی عزت و توقیر کی، خود اس کے ساتھ کھانا کھایا، اور اس کے سامنے اسلام کے محاسن بیان کرکے اس کو قبول کرنے کی دعوت دی، علمار و مشائخ کی بڑی تعظیم کرتا تھا، ہم لوگوں کو ہدایت تھی کہ جو علمار و مشائخ سلطانی فرودگاہ کے قریب سے گذریں ان کو سلطان کی جانب سے دعوت دی جائے، اور ان کی خدمت کیجائے، ۵۸۴ھ میں ایک بڑے ممتاز عالم اور شیخ وقت بیت المقدس کی زیارت کے لئے آئے اور سلطان سے مل کر اس کی اسلامی خدمات پر اس کا شکریہ ادا کیا، اور کچھ نصیحتیں کیں، اور انھوں نے شب کو ہم لوگوں کے ساتھ قیام کرکے صبح کو رخصت ہو جانا چاہا، ہم نے ہر چند روکا کہ بغیر سلطان سے ملے ہوئے چلے جانا

مناسب نہیں ہے، لیکن شیخ نے نہ مانا اور کہا میرا مقصد صرف سلطان کی زیارت تھی، اس کے علاوہ اور کوئی غرض نہیں ہے اور سلطان سے رخصت ہوئے بغیر چلے گئے، دو چار دن کے بعد سلطان نے پوچھا تو میں نے واقعہ بیان کیا، وہ سخت برہم ہوا کہ تم لوگوں نے مجھکو اُن کے جانے کی اطلاع کیوں نہ دی، ایسے لوگ ملتے کہاں ہیں، میں انکی کوئی خدمت بھی نہ کرسکا، سلطان کی برہمی دیکھ کر میں نے دمشق کے قاضی محی الدین کے ذریعہ شیخ مذکور کو سلطان کی برہمی کی اطلاع دے کر دوبارہ بیت المقدس آنے کی استدعا کی، چنانچہ وہ تشریف لائے، سلطان نے بڑی عزت وتوقیر کے ساتھ چند دنوں تک مہمان رکھا اور خلعت، سواری اور ہدایا وتحائف دے کر رخصت کیا،

ایک مرتبہ ایک فرنگی قیدی سلطان کے سامنے لایا گیا، وہ مارے ڈر کے کانپ رہا تھا سلطان نے ترجمان کے ذریعہ پوچھا کہ اتنا خوف زدہ کیوں ہے، اس نے جواب دیا سلطان کا چہرہ دیکھنے سے قبل بیشک مجھ پر خوف طاری تھا، لیکن چہرہ پر نظر پڑنے کے بعد اب خوف جاتا رہا، کہ ایسے چہرہ سے بُرے سلوک کی توقع نہیں کی جاسکتی، یہ سُن کر سلطان نے اسکو رہا کردیا، وہ راس کے ساتھ بڑے لطف وکرم کا سلوک کیا، وابستگان دولت سے خواہ کتنا ہی بڑا سلطان کا ذاتی گناہ سرزد ہو جاتا مواخذہ نہ کرتا تھا، ایک مرتبہ خزانہ کے کسی عہدہ دار نے خزانہ سے مصری سونے کی دو تھیلیاں غائب کرکے ان کے بجائے پیسوں کی تھیلیاں رکھ دیں، سلطان نے اس سنگین جرم کی صرف اتنی سزا دی کہ خزانہ کے عمال کو دوسرے شعبوں میں منتقل کردیا،

وہ بڑا خوش اخلاق اور اپنے رفقا کے لئے بہترین ساتھی تھا، عرب کے انساب اخبار اور ان کے گھوڑوں کے نسب ناموں کا حافظ اور دنیا کے عجائب وغرائب اور

نوادر و واقعات کا عالم تھا، ہم لوگ اس کے ان محاضرات سے مستفید ہوتے تھے جو اور کسی سے سننے میں نہ آتے تھے، اس کی مجلس نہایت پاکیزہ ہوتی تھی، اس میں کسی کی برائی کا تذکرہ نہ ہوتا، پاکیزہ سماعت تھا، ہمیشہ بھلی ہی باتیں سنتا تھا، پاکیزہ زبان تھا، کبھی کسی کے حق میں کوئی فحش اور سخت کلمہ زبان سے نہیں نکالا، پاکیزہ قلم تھا، اپنی تحریر سے کسی مسلمان کی تذلیل و تحقیر و ایذارسانی نہیں کی، عہد کا پابند اور یتیموں کا مربی و سرپرست تھا، ان کے حال پر بڑی شفقت اور ان کی تالیف قلب کرتا تھا، اگر یتیموں کے اعزہ میں سے کوئی قابل اعتماد بڑا بوڑھا موجود ہوتا تو ان کو اسکی نگرانی میں دیدیتا ورنہ ان کے کھانے پینے کا انتظام کرکے کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیتا جو ذمہ داری کے ساتھ ان کی تربیت و نگہداشت کا فرض انجام دے سکے، بوڑھوں کے ساتھ بھی بڑی شفقت سے پیش آتا تھا، ان کے ساتھ احسان و سلوک کرتا تھا اور اس کے یہ اخلاق اس کی زندگی کے آخری لمحہ تک برابر قائم رہے[1]۔

ان ذاتی محاسن و فضائل کے علاوہ سلطان نے بکثرت علمی و تمدنی اور مسلمانوں کی صلاح و فلاح کے کام انجام دیے، جن کی تفصیل طویل ہے، سارے ممالک محروسہ میں مدرسے اور دار العلوم قائم کئے، بڑے بڑے شہروں میں مسافر خانے اور شفاخانے بنوائے، علماء و مشائخ و صوفیہ کے وظائف مقرر کئے، صوفیہ کے لئے خانقاہیں بنوائیں اور ان سب کے مصارف کے لئے اوقاف کئے، اس کے زمانہ میں مسلمانوں کا کوئی دینی و قومی کام بلکہ کوئی کارِ خیر ایسا نہ تھا، جس کے لئے اس نے وسیع اوقاف نہ کئے ہوں،

مصر و شام و فلسطین اور جزیرہ کے تمام شہروں میں سلطان اور اس کے متوسلین نے صدہا مدارس قائم کئے، ان میں سے بعض ایسے عظیم الشان دار العلوم تھے کہ ساری دنیائے اسلام

---

[1] یہ حالات کتاب الروضتین ج ۲ ص ۲۱۸ تا ۲۲۴، قاضی ابن شداد کے بیان سے ماخوذ ہیں،

میں ان کی شہرت تھی، فاطمی خلفاء کو مدارس سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لئے ان کے زمانہ میں مصر کا ملک اس سے تقریباً خالی تھا، سب سے پہلے سلطان صلاح الدین نے یہاں مدرسے قائم کئے،[۱] اس کے تعلیمی ذوق کو دیکھ کر اس کے لڑکوں، اور اہل خاندان اور امراء بلکہ عورتوں تک میں مدرسے قائم کرنے کا شوق پیدا ہو گیا، اور مصر قاہرہ شام اور جزیرہ وغیرہ میں انھوں نے بکثرت مدارس قائم کئے،[۲]

خطط مقریزی حسن المحاضرہ سیوطی، جواہر مضیہ، الدر المنتخب، کتاب الروضتین، ابن خلکان وغیرہ میں ان مدارس کے حالات ملتے ہیں، خصوصاً اول الذکر دونوں کتابوں میں مصر کے مدارس کے کسی قدر تفصیلی حالات ہیں، ان کے نام یہ تھے، مدرسۂ صلاحیہ، مدرسہ سیوفیہ، مدرسہ شرفیہ، مدرسہ قمحیہ، مدرسہ غالبیہ مدرسہ فائزیہ، مدرسہ فاضلیہ، مدرسہ ارکشیہ، مدرسۂ فخریہ، مدرسہ عاشوریہ (یہ مدرسہ ایک ایوبی امیر کی بیوی نے قائم کیا تھا) مدرسہ قطبیہ (یہ مدرسہ سلطان کی بھتیجی ملک العادل کی لڑکی مونسہ خاتون نے قائم کیا تھا) مدرسہ مہدبیہ، مدرسہ شریفیہ، مدرسۂ صاحبیہ، مدرسہ مسروریہ اور مدرسہ ناصریہ،

ان میں بعض مدرسے ایسے عظیم الشان اور اس سروسامان کے تھے کہ آج اس کا یقین کرنا مشکل ہوگا، ہر بانی مدرسہ اسکے مصارف کے لئے وقف بھی کرتا تھا، اور طلبہ کے قیام و طعام اور دوسری ضروریات کی کفالت وقف ہی سے ہوتی تھی، چنانچہ ان تمام مدارس کے لئے ان کے بانیوں کی جانب سے اوقاف تھے، مقریزی اور سیوطی نے اسکی پوری تفصیل لکھی ہے،[۳] اسکندریہ میں بھی بڑے بڑے مدارس تھے، مشہور سیاح ابن جبیر جس نے سلطان کے

---

[۱] ابن خلکان ج ۲ ص ۲۰۴ و حسن المحاضرہ سیوطی ج ۲ ص ۱۴۰ [۲] مقریزی ج ۴ ص ۱۹۲ و ۱۹۳ و سفرنامہ ابن جبیر ص ۲۷۵ [۳] تفصیل کیلئے دیکھو خطط مقریزی ج ۴ حالات مدارس حسن المحاضرہ سیوطی ج ۲ ص ۱۴۰،

زمانہ میں مصر و شام کی سیاحت کی تھی، اسکندریہ کے حالات میں لکھتا ہے کہ اس شہر کے مناقب و مفاخر میں جس کا سہرا سلطان کے سر ہے، اس کے مدارس اور اقامت گاہیں ہیں، جو اس نے ان طلبہ اور صوفیہ کے لئے بنوائی ہیں، جو دور دور دراز ملکوں سے حصول تعلیم اور عبادت و ریاضت کے لئے آتے ہیں، مدارس میں تعلیم کے ساتھ طلبہ کے قیام و طعام وغیرہ کا بھی انتظام ہے،

پردیسیوں اور مسافروں کی راحت و آسایش کی جانب سلطان کی خاص توجہ ہے ان کے لئے اس نے حمام اور ایک بڑا شفاخانہ بنوایا ہے، اس میں علاج کے لئے طبیب اور مریضوں کی خدمت اور ان کی دوا و غذا کے انتظام کے لئے خدام مقرر ہیں، جو بیمار شفاخانۂ عام میں آنا پسند نہیں کرتے اُن کے لئے علٰحدہ انتظام اور خاص آدمی مقرر ہیں، جو طبیبوں کو ان کے حالات کی اطلاع دیتے ہیں[۱]،

دمشق و حلب خصوصاً حلب میں اتنے مدرسے قائم تھے کہ وہ شام کا تعلیمی مرکز بن گیا تھا، قاضی القضاۃ محمد بن شحنہ حلبی نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے، ان کے نام یہ ہیں[۲]:

مدرسۂ صاحبیہ، مدرسۂ ظاہریہ، مدرسۂ اسدیہ، مدرسۂ بدریہ، مدرسۂ سیفیہ، مدرسۂ ظاہریہ، مدرسۂ فردوس (یہ مدرسہ الملک العادل کی لڑکی ضیفہ خاتون نے قائم کیا تھا) مدرسۂ ملدقیہ، مدرسۂ قیمریہ، مدرسۂ حدادیہ، مدرسۂ جردکیہ، مدرسۂ قلجیہ مدرسۂ قطبیہ، مدرسۂ علائیہ، مدرسۂ کمالیہ عدیمیہ، مدرسۂ اتابکیہ،

ابن جبیر، دمشق کے حالات میں لکھتا ہے کہ یہاں جو نیا مدرسہ، خانقاہ یا مسجد بنتی ہے، اس کے مصارف کے لئے سلطان کی جانب سے وقف کیا جاتا ہے، اس کا شوق یہاں اتنا عام ہے کہ عورتیں تک مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں بنواتی ہیں اور ان کے مصارف کے لئے

---

[۱] سفرنامۂ ابن جبیر ص ۱۴۱ و ۲۴۴ [۲] ملاحظہ الدر المنتخب ص ۱۰۹ تا ۱۲۳،

بڑے بڑے، اوقاف کرتی ہیں، امراء کا بھی یہی حال ہے اور اس میں لوگ ایک دوسرے پر مسابقت کی کوشش کرتے ہیں[1]،

ان عام مدارس کے علاوہ یتیموں اور غرباء کے بچوں کی تعلیم قرآن کے لئے علیحدہ مدارس ہیں، جن کے جملہ مصارف سلطان ادا کرتا ہے[2]،

اس کی جانب سے علماء کی جو تنخواہیں اور وظائف مقرر تھے، ان کی مجموعی رقم تین لاکھ دینار سالانہ یعنی موجودہ سکہ کے حساب سے تقریباً پندرہ لاکھ روپیے تھی[3]،

تمام بڑے بڑے شہروں میں صوفیہ ومشائخ کے لئے خانقاہیں بنوائیں اور ان کے لئے اوقاف کئے، قاہرہ کی خانقاہ بڑی عظیم الشان اور فاطمی دور کے ایک محل میں تھی، سلطان نے اس کے متعلق ایک حمام بنوایا، اور اس کے لئے وقف کیا، اس خانقاہ کے مقیم صوفیہ ومشائخ کے جملہ اخراجات وقف سے پورے کئے جاتے تھے، خانقاہ کا منتظم اعلیٰ شیخ الشیوخ کہلاتا تھا[4]، بیت المقدس میں بھی ایک خانقاہ بنوائی تھی[5]،

صوفیہ سے سلطان کو خاص عقیدت تھی، ان کے لئے مجلس سماع منعقد کرتا تھا، اور جب وہ کیفیت میں کھڑے ہو جاتے تھے تو سلطان بھی ان کے ساتھ کھڑا ہو جاتا تھا، اور جب تک وہ نہ بیٹھتے برابر کھڑا رہتا[6]،

جابجا مسافروں کے لئے اقامت گاہیں بنوائیں، اسکندریہ کی اقامت گاہ کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، بڑے بڑے شہروں میں شفاخانے تھے، اسکندریہ کے شفاخانہ کا بھی

---

[1] سفرنامہ ابن جبیر ص ۲۷۵ [2] ایضاً ص ۳۵۲ [3] کتاب الروضتین ج ۲ ص ۱۳۸ [4] مقریزی ج ۴ ص ۲۷۳ [5] کتاب الروضتین ج ۲ ص ۱۱۴ [6] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۳۸،

ذکر اوپر گذر چکا ہے، سب سے بڑا شفا خانہ قاہرہ میں تھا، ابن جبیر نے ان الفاظ میں اسکی عظمت وشان کا ذکر کیا ہے،

"قاہرہ کا شفا خانہ سلطان کے مفاخر میں ہے یہ ایک نہایت خوبصورت اور شاندار ایوان معلوم ہوتا ہے، اس میں دواؤں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، مریضوں کے لئے بہت سے کمرے ہیں جن میں پلنگ اور بستروں کا پورا انتظام ہے، شفا خانہ کا انتظام ایک مہتمم کے متعلق ہے، اس کے ماتحت بہت سے خدام ہیں جو صبح وشام دونوں وقت مریضوں کو دیکھتے اور ان کی دوا اور غذا وغیرہ کا انتظام اور اس میں تبدیلی اور اصلاح کرتے ہیں، اس سے متصل عورتوں کے لئے زنانہ اسپتال ہے ان کے علاج اور تیمارداری کے لئے عورتیں مقرر ہیں، شفا خانہ سے متعلق ایک پاگل خانہ ہے، اس کے دریچوں میں جالیاں لگی ہوئی ہیں، انکا علاج اور ان کی دیکھ بھال مریضوں کی طرح ہوتی ہے، اس شفا خانے کی جانب سلطان کی خاص توجہ ہے، اور وہ برابر اس کے حالات کی تحقیقات اور مریضوں کے علاج اور ان کی نگرانی کی تاکید کرتا رہتا ہے، اسی سروسامان کا ایک شفا خانہ مصر میں بھی ہے[1]"

سلطان نے اپنے زمانہ میں امور خیر کے لئے اتنے اوقاف کئے کہ تاریخ اسلام میں اسکی دوسری مثال نہیں ملتی، ابن خلکان کا بیان ہے کہ سلطان دین و دنیا دونوں میں سعید تھا، دنیا میں اس نے کیسے کیسے کارنامے انجام دیے اور کیسی کیسی فتوحات حاصل کیں، اور کتنے بڑے بڑے اوقاف کئے[2]،

ابن جبیر لکھتا ہے کہ قاہرہ میں کوئی مسجد، کوئی مزار، کوئی اقامت خانہ، کوئی مدرسہ ایسا نہیں ہے جس کے متوسلین کے مصارف سلطان کی جانب سے مقرر نہ ہوں[3]، اسکندریہ

---

[1] ابن جبیر ص۵۱ و ۲۶، [2] ابن خلکان ج ۲ ص۳۰۶، [3] سفرنامہ ابن جبیر ص۵۲،

کے سلسلہ میں لکھتا ہے کہ یہاں کے باشندوں کو بڑی فارغ البالی حاصل ہے[1] ان سے کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا، سلطان کو اس شہر سے کوئی آمدنی نہیں ہے اور اس کی جانب سے مختلف کار خیر کے لئے اوقاف ہیں[۲] صلحا اور اخیار امت کے مزارات کے لئے علیحدہ اوقاف تھے جو لوگ ان مشاہد و مزارات میں مقیم ہوتے ان کے جملہ اخراجات وقف سے پورے کئے جاتے تھے، مساجد کے اوقاف کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے، کہ تنہا جامع عمرو بن العاص کے مصارف تیس اشرفی روزانہ تھے[۲] دمشق میں اس کثرت سے اوقاف تھے کہ شہر کی تقریباً پوری آمدنی امور خیر کے لئے وقف تھی[۳]

سب سے بڑا وقف حرمین کے لئے تھا جو آج تک قائم ہے، اس کی تاریخ یہ ہے کہ فاطمیہ مصر اپنے زمانہ میں فی حاجی، ۷ اشرفی ٹیکس وصول کرتے تھے، اور جو نادار اس کو نہ ادا کر سکتا تھا اس کو طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی تھیں، امرائے مکہ بھی اس ناجائز آمدنی کے خوگر ہو گئے تھے، سلطان نے اپنے زمانہ میں یہ ٹیکس بند کر کے امیر مکہ کے لئے جاگیر اور حرمین کے خدام کے لئے وظائف اور اہل حرمین کے لئے آٹھ ہزار اردب سالانہ غلہ مقرر کر دیا،[۴] جو موجودہ وزن کے اعتبار سے کم و بیش ۳۲ ہزار من کے قریب ہوتا ہے، یہ وقف اب تک قائم ہے اور حکومت مصر کی جانب سے حجاز کو یہ چیزیں جاتی ہیں،

ان کے علاوہ اور بہت سے اوقاف تھے، جن کے حالات جستہ جستہ تاریخوں میں مذکور ہیں،

سلجوقی حکومت کا خاتمہ صلاح الدین ایوبی اور صلیبی لڑائیوں کو اگرچہ براہ راست عباسی خلافت کے حالات سے کوئی تعلق نہیں تھا، لیکن یہ تاریخ اسلام کا نہایت اہم واقعہ تھا، اس لئے

---

[1] سفر نامہ ابن جبیر ص۲۲ [۲] ایضاً ص۵ [۳] ایضاً ص۲۷ [۴] ابن جبیر ص۵ و حسن المحاضرہ ج ۲ ص۵۶،

اس کا ذکر ضروری تھا، اب پھر اصل موضوع یعنی خلافت بغداد اور سلجوقیوں کے حالات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے،

ناصر کے زمانہ میں سلجوقی حکومت کا خاتمہ ہوگیا، اس کا آخری فرماں روا طغرل بن ارسلان اپنے اولوالعزم اسلاف کے اوصاف و خصوصیات کا حامل بلکہ ان سے بڑھا ہوا تھا، راوندی کا بیان ہے کہ اسکے اسلاف میں اس درجہ اور اس کے جیسے اوصاف کا کوئی فرماں روا نہ گذرا تھا[1]، اس کو کارپرداز بھی بڑے لائق مل گئے تھے، شمس الدین محمد بن ایلدگز والی آذربیجان اسکا نائب الحکومت اور محمد بن طغرل سپہ سالار افواج تھے، یہ دونوں اپنے کاموں میں بڑے ماہر تھے، شمس الدین مدبر و عالی دماغ اور محمد جری اور بہادر تھا، انھوں نے سلجوقی حکومت میں دوبارہ جان ڈال دی، اور ان تمام علاقوں کو جو سلجوقیوں کے ہاتھوں نکل گئے تھے دوبارہ حاصل کر لیا تھا، اور اسکے قرب وجوار کے تمام حکمرانوں کو زیر کر کے اس کا تابع فرمان بنا دیا، اور شمس الدین نے خلافت بغداد میں بھی سلجوقی اقتدار کو دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کی اور اعلان کر دیا، کہ خلیفہ کو صرف امامت، خطبہ اور دوسرے مذہبی کاموں سے سروکار رکھنا چاہئے، اور ملک کا انتظام سلجوقی حکومت کے ہاتھوں میں دیدینا چاہئے[2]، لیکن ناصر زور وقوت کا خلیفہ تھا، اس لئے اس میں کامیابی نہیں ہوئی، شمس الدین نے مختلف حیثیتوں سے سلجوقی حکومت کو اتنی ترقی دی کہ اس کی پرانی شان وعظمت دوبارہ قائم ہوگئی[3]،

ذی الحجہ ۵۸۱ھ میں شمس الدین کا انتقال ہوگیا، اور آذربیجان کی حکومت میں اس کا لڑکا قزل ارسلان اس کا جانشین ہوا، طغرل نے بھی سلجوقی حکومت کی نیابت کا موروثی منصب اس کو عطا کر دیا، لیکن پھر کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ چند ہی دنوں میں باہم اختلاف ہوگیا اور

[1] راحۃ الصدور ص ۳۳۲ [2] ایضاً ص ۳۳۳ و ۳۳۴ [3] راوندی نے اسکے متفرق حالات لکھے ہیں،

قزل طغرل کے خلاف ہو گیا، اسکی مخالفت سے سلجوقی حکومت کا نظام بگڑ گیا، راوندی نے اس کی تفصیل لکھی ہے،

طغرل خود حوصلہ مند فرماں روا تھا، اس نے شمس الدین کی موت کے بعد خود بھی خلافت بغداد کو اپنے ماتحت لانے کی کوشش کی اور ناصر کو لکھا کہ وہ خلافت بغداد کی انتظامت کی نگرانی کے لئے بغداد میں قیام کرنا چاہتا ہے، اس لئے سلجوقیوں کے بغدادی دارالحکومت کو اسے آباد کرنے کی اجازت دیجائے، یہ وہ زمانہ تھا جب قزل سے اس کا اختلاف شروع ہو چکا تھا قزل نے ناصر کو لکھ بھیجا کہ طغرل کی قوت بہت بڑھ گئی ہے اگر اس کا تدارک نہ کیا گیا تو خلافت بغداد کے حق میں اس کا نتیجہ اچھا نہ نکلے گا، اور طغرل کے مقابلہ کے لیئے اپنی خدمات پیش کیں، چنانچہ اُس نے طغرل کے قاصد کو واپس کر دیا، اور اس کے بغدادی دارالحکومت کو مسمار کر دیا، اور قزل کو اس کے مقابلہ پر مامور کیا،[1]

ناصر کا حکم ملتے ہی قزل نے طغرل پر فوجکشی کر دی، لیکن طغرل نے اسکو بڑی فاش شکست دی اور وہ ناکام آذربیجان لوٹ گیا،[2]

اس شکست سے قزل کی دشمنی اور بڑھ گئی اور وہ حریفانہ اس کے مقابلہ میں آگیا کئی سال تک دونوں میں جنگ کا سلسلہ جاری رہا، اسی دوران میں طغرل کا چچا اور اس کے چچیرے بھائی اور متعدد امرا اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، اس نے اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی، قزل کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے ہمدان پر فوجکشی کر دی،

سلجوقیوں کے آپس کے اختلاف سے طغرل کی قوت کمزور ہو گئی تھی، اس لئے

لہ تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۶۶ و ابن اثیر ج ۱۲ صفحہ ۲۱۲ ؎۲ تاریخ گزیدہ ج اول صفحہ ۴۷۵،

وہ مقابلہ نہ کر سکا اور اپنے لڑکے کو ہمدان میں چھوڑ کر خود یہاں سے چلا گیا، قزل نے کچھ دور تک تعاقب کیا، لیکن طغرل بنجاق کے علاقہ کی طرف نکل گیا اور قزل نے پلٹ کر طغرل کی جاگیروں پر قبضہ کر کے اسے لوٹ کر ویران کر ڈالا، چند دنوں کے بعد طغرل باحال تباہ پھر ہمدان واپس آیا، لیکن یہاں کوئی امید نظر نہ آئی، اس لئے تاج و تخت کو خیرباد کہہ دیا، لیکن اس کا وجود بھی قزل کیلئے خطرہ سے خالی نہ تھا، اس لئے اس نے اس کو گرفتار کرا لیا، اور سلجوقی خاندان کے ایک رکن سنجر بن سلیمان کو تخت نشین کرنے کا ارادہ کیا، مگر پھر ناصر کے اشارہ سے خود بادشاہ بن گیا،[1] حمد اللہ مستوفی کا بیان اس سے مختلف ہے لیکن آخری نتیجہ دونوں کا ایک ہے،[2]

لیکن اسکو زیادہ دنوں حکومت کا موقع نہ مل سکا اور خود ان سلجوقی امرا نے جنھوں نے طغرل کو گرفتار کیا تھا، شوال ۵۸۷ھ میں قزل کو قتل کر دیا، اسکے قتل کے بعد اسکے بھائی امیر قتلغ اینانج اور دوسرے عراقی امرا نے سلجوقی حکومت کو آپس میں تقسیم کر لیا، لیکن اقتدار قتلغ کا رہا، قزل کے موروثی علاقہ آذربیجان کی حکومت اس کے دوسرے بھائی ابوبکر کے ہاتھوں میں آئی،[3]

اس واقعہ کے چند دنوں بعد سلجوقی حکومت کے قدیم نمکخوار امرا، امیر حسام الدین ورزمار بی امیر اناسوغ لی اور امیر سیف الدین وغیرہ طغرل کو قید سے چھڑا لائے اور قتلغ اور اس کے ساتھیوں کو شکست دے کر طغرل کو دوبارہ تخت نشین کیا،

قتلغ علاء الدین تکش فرماں روائے خوارزم سے مدد کا طالب ہوا، یہ خوارزمی حکومت کے عروج کا زمانہ تھا، علاء الدین توسیع سلطنت میں مصروف تھا، قتلغ کی درخواست پر اسے عراق و فارس میں اقتدار قائم کرنے کا موقع مل گیا، وہ فوراً قتلغ کی مدد کیلئے پہنچا، قتلغ کو علاء الدین کی نیت کا اندازہ ہو گیا، اس لئے وہ پہلو بچا کر طبرک کے قلعہ

---

[1] راوندی نے یہ حالات بہت طویل لکھے ہیں ہم نے صرف خلاصہ نقل کیا ہے [2] تاریخ گزیدہ ج اول ص ۴۷۰ [3] راحۃ الصدور ص ۳۶۵،

میں چلا گیا اور علاء الدین نے قلعہ اور رے پر قبضہ کر لیا، طغرل میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس لئے صلح کر لی، اسی دوران میں خوارزم پر علاء الدین کے بھائی سلطان شاہ کی فوج کشی کی خبر آگئی، اس لئے وہ خوارزم لوٹ گیا[1]،

قتلغ خاموش بیٹھنے والا نہ تھا، اس لئے علاء الدین تکش کی واپسی کے بعد طغرل نے اس کے شر سے بچنے کے لئے اس کی لڑکی قتیبہ خاتون سے شادی کر لی لیکن اس تعلق کے بعد بھی قتلغ اس کی مخالفت سے باز نہ آیا، اور اپنی لڑکی کے ذریعہ طغرل کو زہر دینے کی کوشش کی، مگر راز فاش ہو گیا، اور طغرل نے زہر کا وہ پیالہ جو اس کے لئے تیار کیا گیا تھا زبردستی اپنی بیوی کو پلوا دیا، وہ مر گئی اور قتلغ اینانج کو گرفتار کر کے قید کر دیا، پھر چند دنوں کے بعد امرائے دولت کی سفارش پر رہا کر دیا[2]،

قید سے چھوٹنے کے بعد قتلغ رے چلا گیا اور طغرل سے مل گیا، ناصر ایسے مواقع کا منتظر ہی رہتا تھا، طغرل اور علاء الدین خوارزم شاہ کی مخالفت کو دیکھ کر اس نے خوارزمشاہ کو باضابطہ مفتوحہ ممالک کی سند حکومت عطا کر کے اس کے لئے وزیر مؤید الدین کے ہمراہ خلعت بھیجا اور خوارزم شاہ کو طغرل کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا[3]،

راوندی کے بیان کے مطابق جب خوارزمشاہ کی حکومت کا دائرہ مازندران کے حدود تک پہنچ گیا، اور طغرل کو رے پر اس کے حملہ کا خطرہ پیدا ہوا، تو وہ خود اس کے تدارک کے لئے رے گیا، اس کا خطرہ صحیح نکلا، اس کے بعد ہی خوارزم شاہ قتلغ کی دعوت پر رے پہنچا، قتلغ نے طغرل کے فوجی افسروں کو ملا لیا تھا، اس لئے عین میدان جنگ میں انھوں نے طغرل کا ساتھ چھوڑ دیا اور خوارزمی فوج نے طغرل کو

---

[1] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۰۱، [2] تاریخ گزیدہ ج اول ص ۴۷۶، [3] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۴۲،

گرفتار کر کے قتل کر دیا، اور خوارزم شاہ نے اس کا سر ناصر کے ملاحظہ کے لئے بغداد بھجوایا[1]

طغرل کے قتل کے بعد مؤیدالدین خلعت لے کر ہمدان پہنچا، لیکن اس میں اور خوارزم شاہ میں بدگمانی پیدا ہو گئی، اس لئے مؤیدالدین خلعت دئے بغیر لوٹ گیا،

طغرل کے قتل کے بعد ۵۹۰ھ میں سلجوقی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، اور خوارزم شاہ اس کا وارث بنا اور پایہ تخت ہمدان پر قتلغ کو اور دوسرے علاقوں پر اپنے مختلف غلاموں کو میانجق کے زیر سیادت مقرر کر کے خوارزم واپس گیا[2]

عراق و فارس پر ناصر کا قبضہ

مقتفی نے اپنے زمانہ میں گو خلافت بغداد سے سلجوقیوں کا اثر و اقتدار ختم کر دیا تھا، لیکن خوزستان اور عراق کے علاقے سلجوقیوں یا ان کے عمال ہی کے زیر سیادت تھے، اور خوزستان پر ان کی جانب سے امیر شملہ حکمراں تھا، سلجوقیوں کے خاتمہ کے بعد عباسی وزیر مؤیدالدین کو خوزستان کو اپنے قبضہ میں لینے کا خیال پیدا ہوا، اس وقت شملہ کا انتقال ہو چکا تھا، اور اس کے لڑکوں میں پھوٹ پڑ گئی تھی، ایک لڑکا اپنے بھائیوں کے مقابلہ میں مؤیدالدین سے مدد کا طالب ہوا، یہ اس موقع کا منتظر ہی تھا، اس لئے ۵۹۱ھ میں فوج کشی کر کے خوزستان اور اس کے آس پاس قلعوں پر جن پر چھوٹے چھوٹے حکمراں قابض تھے، قبضہ کر لیا اور شملہ کے لڑکوں کو گرفتار کر کے بغداد بھجوا دیا[3]

اسی دوران میں امیر قتلغ اور میانجق میں جنھیں خوارزم شاہ عراق عجم کا حاکم بنا گیا تھا اختلاف ہو گیا، میانجق نے قتلغ کو یہاں سے نکال دیا، اس نے مؤیدالدین کے پاس جا کر اس سے مدد چاہی، اس لئے اسے عراق عجم میں بھی مداخلت کا موقع مل گیا اور وہ قتلغ کے ساتھ ہمدان پہنچا، میانجق میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس نے

---

[1] راحۃ الصدور ص ۳۷۷ و ۳۷۱ [2] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۴۲ [3] ایضاً،

ہمدان چھوڑ دیا اور ہمدان، خرقان، مرزغان ساوہ آوہ اور رے وغیرہ عراق عجم کے بڑے حصہ پر مؤیدالدین کا قبضہ ہو گیا، قتلغ اینانج نے میانجق سے اپنا علاقہ چھڑانے کے لئے مؤیدالدین کی مدد حاصل کی تھی لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ خود قابض ہو گیا تو وہ اس سے بھی لڑنے کے لئے آمادہ ہو گیا، مؤیدالدین نے اسے بھی شکست دی، خوارزمشاہ نے یہ صورت دیکھ کر مؤیدالدین سے مفاہمت کی کوشش کی لیکن اس نے انکار کر دیا، اس کے انکار پر خوارزمشاہ نے فوج کشی کر دی، اس درمیان میں مؤیدالدین کا انتقال ہو گیا تھا، اس لئے خوارزمشاہ نے پھر ہمدان پر قبضہ کر لیا[1]،

اصفہان میں خوارزم شاہ کی جانب سے اس کا لڑکا حاکم تھا، اصفہانی خوارزمیوں کو ناپسند کرتے تھے، یہاں کے ایک ممتاز عالم صدرالدین خجندی بھی جن کا بڑا اثر تھا ان کے خلاف تھے، انھوں نے ناصر کو لکھ کر ۵۹۱ھ میں اصفہان پر اس کا قبضہ کرا دیا،

ہمدان پر قبضہ کے بعد خوارزمشاہ خراسان چلا گیا تھا، اس کی واپسی کے بعد امیر ابلدگز ابن پہلوان والی آذربیجان کے ایک غلام کوکجہ نے رے اور اصفہان دونوں پر قبضہ کر لیا اور ناصر کو لکھ کر اصفہان، ہمدان، زنجان و قزوین عباسی خلافت کے حوالہ کر کے اس سے رے، ساوہ، قم و قاشان کی سند حکومت حاصل کر لی ناصر نے اسے خلعت بھی عطا کیا، اس سے کوکجہ کی شان و شوکت بہت بڑھ گئی[2]،

۵۹۶ھ میں علاءالدین تکش خوارزم شاہ کا انتقال ہو گیا، اور اس کا لڑکا علاءالدین محمد تخت پر بیٹھا،

۶۰۰ھ میں ایک دوسرے پہلوانی غلام اتغمش نے کوکجہ کو قتل کر کے اس کے

---

[1] ابن اثیر ج ۱۲ صفحہ ۴۴ [2] ایضاً صفحہ ۴۶،

مقبوضات حاصل کر لئے، یہ آٹھ سال تک حکمراں رہا، ۶۰۸ھ میں تیسرے پہلوانی غلام منکلی نے اتیغمش کو شکست دے کر اس کے مقبوضات چھین لئے، اس نے بغداد جاکر ناصر سے فریاد کی، ناصر نے مدد دینے کا وعدہ کیا، لیکن بغداد سے واپسی میں منکلی نے اس کو قتل کر دیا، ناصر کو اس سے بڑی تکلیف ہوئی، اس نے منکلی کو ملامت کی اس نے کو بڑا سخت جواب دیا اور قوت کے گھمنڈ میں اپنے آقازادہ ازبک بن پہلوان والی آذربیجان کو بھی اپنے خلاف بنا لیا، ناصر کو موقع مل گیا، اس نے ازبک کو اس کے مقابلہ پر آمادہ کر دیا، اور جلال الدین اسمٰعیلی والی قلعہ الموت اور جزیرہ و حلب کے فرماں رواؤں کو اسکی مدد کا حکم دیا، خود بھی بغداد سے فوجیں بھیجیں، ان سب نے مل کر منکلی کو بڑی فاش شکست دی، اور وہ اپنے دوست ساوہ کے شحنہ کے پاس چلا گیا، اس نے اس کا سر قلم کر کے بغداد بھجوا دیا۔[له] ۶۱۴ھ میں پھر خوارزم شاہ نے عراق عجم پر فوجکشی کر کے اسکے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا،

علاء الدین محمد اور ناصر کا اختلاف

اس دور کے تمام مسلمان سلاطین میں علاء الدین محمد خوارزم شاہ سب سے زیادہ طاقتور تھا، ماوراء النہر اور خراسان سے لے کر سندھ و کابل تک اسکی حکومت تھی اور سارے وسط ایشیا میں اسکی عظمت و شان کا ڈنکا بجتا تھا، لیکن خلافت بغداد میں اسکو اسکے مقبوضہ ملکوں کی سند حکومت کے علاوہ جو ہر حکمراں کو مل جاتی تھی، کوئی خاص امتیاز حاصل نہ تھا اور اسکی یہ دلی خواہش تھی کہ سلجوقیوں کی طرح اسے بھی خلافت بغداد کی جانب سے سلطان کا خطاب ملتا، اور بغداد میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا، لیکن ناصر اس کے لئے آمادہ نہ ہوتا تھا، اس لئے عراق عجم پر قبضہ کے بعد اس نے بغداد پر فوجکشی کا ارادہ کیا، اور روانگی سے پہلے پندرہ ہزار سپاہ آگے بھیج دی،

[له] ابن اثیر ج ۱۲ صـ [illegible]،

یہ ہمدان سے نکلی ہی تھی کہ اس شدت کی برفباری ہوئی کہ فوج کے کل جانور اور بہت سے آدمی ہلاک ہو گئے، علاء الدین محمد نے اس کو بدشگونی پر محمول کیا اور بغداد پر فوجکشی کا ارادہ ملتوی کر کے ناصر کا خطبہ بند کر دیا،[1]

تاریخ جہانکشا جوینی سے معلوم ہوتا ہے کہ علاء الدین نے اسی پر بس نہیں کی، بلکہ ناصر کی مخالفت میں ایک فتویٰ بھی مرتب کرایا، کہ عباسی خلفاء دشمنوں سے ملک کی حفاظت اور کفار سے جہاد کی قوت نہیں رکھتے، اور وہ اسلام کے اس سب سے بڑے فرض سے غافل ہیں، اس لئے خلافت کے مستحق نہیں رہے، اور اہل بیت کے ایک بزرگ علاء الملک کو جو ترمذ میں تھے خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا، لیکن اسی دوران میں عراق پر اتابک سعد کی فوجکشی کی خبر آگئی اور خوارزمشاہ ادھر متوجہ ہو گیا، اور اس کا ارادہ پورا نہ ہو سکا،[2]

تاتاری | چھٹی صدی ہجری کا آغاز ساری دنیائے اسلام خصوصاً وسط ایشیا کی اسلامی حکومتوں کے لئے انتہائی ہولناک دور تھا، اسی زمانہ میں وحشی تاتاریوں کا طوفان اٹھا اور ترکستان سے لیکر سارے وسط ایشیا اور روس تک چھا گیا، اور چند برسوں کے اندر مشرق کے سارے اسلامی ملکوں کو زیر و زبر کر ڈالا، بے شمار مسلمان بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر ڈالے گئے، سینکڑوں بڑے بڑے شہر خاک کا ڈھیر ہو گئے اور وسط ایشیا کا پورا علاقہ جو تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا بالکل ویران ہو گیا، دنیائے اسلام پر ایسی تباہی کبھی نہ آئی تھی، مشرق سے لیکر مغرب تک خاک اڑنے لگی، اسکا آغاز علاء الدین محمد خوارزمشاہ کی ایک غلطی سے ہوا، جس کی تفصیل آئندہ آتی ہے،

تاتاریوں کا وطن منگولیا یا مغلستان کا صحراء گوبی تھا، یہ خطہ قدرت کی فیاضیوں

---

[1] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۲۲، [2] تاریخ جہانکشا جوینی ج ۲ ص ۹۶، ۹۷،

سے بالکل محروم بے آب وگیاہ تھا، سایہ دار درختوں کا کہیں وجود نہ تھا، نباتات میں صرف جابجا مویشیوں کی چراگاہیں تھیں، گرمی اور سردی دونوں موسم نہایت سخت ہوتے تھے[1]

تاتاری اسی بے آب وگیاہ صحرا میں وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے، شکار کے جانوروں اور کتوں تک کا گوشت کھاتے تھے اور انہی کی کھال اوڑھتے تھے قبائل میں کوئی ضبط و نظام نہ تھا، سب جدا جدا زندگی بسر کرتے تھے اور آپس میں ہمیشہ جنگ برپا رہتی تھی اور وہ ہر قسم کے فواحش میں مبتلا تھے[2] لیکن صحرائے گوبی کے شمالی علاقے میں چنگیز کے آباواجداد کو ایک طرح کی سیادت حاصل تھی[3]، ابھی چنگیز نوعمر تھا کہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا، تاتاری قبائل نے ایک نوعمر کی سرداری قبول نہ کی، اس کے خلاف ہو گئے، اور چنگیز پر مشکلات و مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، لیکن چنگیز فطرۃً نہایت جری اور حوصلہ مند تھا، اس نے بڑے استقلال سے ان مصائب کا مقابلہ کیا، اور بڑی بڑی مشکلات جھیلنے کے بعد بالآخر سب پر غالب آیا اور تاتاری سرداروں کو مغلوب کر کے اپنی ریاست قائم کر لی، اور چند برسوں کے اندر صحرائے گوبی سے نکل کر چین و ترکستان تک زیر نگیں کر لئے[4]

چنگیز جہانگیر کے ساتھ جہاندار بھی تھا، اس نے حکومت کے باقاعدہ قوانین و ضوابط مرتب کئے، جو یاسا کے نام سے موسوم تھے، جوینی نے ان کو نقل کیا ہے، چنگیز نے تمدنی حیثیت سے تاتاری حکومت کو بڑی ترقی دی، وحشی تاتاریوں کی زندگی یہ تھی کہ وہ کتے تک کا گوشت کھاتے تھے اور اس کی کھال اوڑھتے تھے، صرف سرداروں

[1] چنگیز خاں ہیرلڈ لیمب ترجمہ اردو ص ۳ [2] تاریخ جہانگشائے جوینی ج اول ص ۱۵ [3] چنگیز ص ۲۰ [4] اسکی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے،

کے گھوڑوں کی رکاب لوہے کی ہوتی تھی یا چنگیز نے چند برسوں میں اس ویرانہ کو عشرت کدہ بنا دیا، جوینی کا بیان ہے کہ تاتار کا علاقہ زندان سے چمنستان اور بیابان سے ایوان مسرت بن گیا، اور تاتاری دوزخ سے جنت میں پہنچ گئے، مشرق و مغرب کے دور دراز علاقوں کی مصنوعات اور ہر طرح کے ساز و سامان کھنچ کھنچ کر تاتار کے بازاروں میں پہنچ گئے کھانے پینے کے سامانوں کی بڑی فراوانی ہوگئی، اور ملک زراعت سے سر سبز و شاداب و آباد ہوگیا[۱]،

۶۱۶ھ میں چنگیز عذاب الٰہی بن کر دنیائے اسلام پر ٹوٹ پڑا،	چنگیز اور علاء الدین محمد کا اختلاف

اس کا آغاز علاء الدین محمد اور چنگیز خاں کے اختلاف سے ہوا، اس کے مختلف اسباب بیان کئے جاتے ہیں، لیکن اصلی سبب یہ تھا کہ ابتدا میں تاتار کا علاقہ متمدن دنیا سے بالکل الگ تھا اور تاتاری خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے اسلئے باہر کے تاجر اور بیرونی مصنوعات وہاں بہت کم پہنچتی تھیں اور مشرقی ملکوں کے اعلیٰ کپڑے تاتار میں بہت گراں ملتے تھے، چنگیز خاں ان کا شائق تھا، اس نے اپنے عمال کو ہدایت کر دی تھی کہ دوسرے ملکوں کے اعلیٰ کپڑوں کے جو تاجر تاتار آئیں، انھیں اس کے پاس حاضر کر دیا جائے، اتفاق سے اسی زمانہ میں خوارزم کے چند مسلمان تاجر تاتار گئے ہوئے تھے، عمال نے انھیں چنگیز کے پاس پہنچا دیا، اس نے کپڑے خریدے اور ان تاجروں کی واپسی کے وقت خوارزمشاہ کے ملک کی عمدہ مصنوعات کی خریداری کے لئے اپنے یہاں کے کئی سو آدمی ان کے ساتھ کر دیئے اور خوارزمشاہ کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ میں تمھارے ملک کے تاجروں کے ہمراہ اپنے یہاں کے تاجروں کی ایک جماعت تمھارے یہاں کی مصنوعات کی

[۱] جہانکشائے جوینی ج اول ص ۱۵ و ۱۶ ملخصاً،

خریداری کے لئے بھیجتا ہوں، امید ہے کہ اس سے ہم دونوں کے درمیان بدگمانی دور ہوگی اور آپس میں اتحاد و اتفاق کی بنیاد پڑیگی،

تاجروں کا یہ قافلہ جب خوارزمی حکومت کی سرحد اترار پہنچا تو یہاں کے حاکم اینال جق المعروف بہ غائرخاں نے ایک ہندو تاجر کو جس سے پہلے کی شناسائی تھی بلا بھیجا، یہ چنگیز خان کے گھمنڈ میں نہ گیا اسلئے غائرخاں بگڑ گیا، اسے اس قافلہ کے پاس جو مال تھا، اس کی بھی طمع دامنگیر ہوئی اسلئے ان کو روک لیا، اور علاء الدین محمد کو اس کی اطلاع دی، اس نے انجام پر غور کئے بغیر ان کا سامان ضبط کرکے قتل کرنے کا حکم دیدیا غائرخاں نے بلا تامل اس کی تعمیل کی، ان میں سے ایک شخص جان بچا کہ بھاگ گیا، اور چنگیز کو اس واقعہ کی خبر کی، وہ سن کر جوش غضب سے لبریز ہوگیا، اور علاء الدین محمد کے پاس کہلا بھیجا کہ تم نے میرے آدمیوں کو دھوکے سے قتل کیا ہے، اس کے انتقام کے لئے تیار ہوجاؤ[1]،

حمداللہ مستوفی کا بیان ہے کہ چنگیز خاں نے پہلے خوارزمشاہ کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ غائرخاں کو قصاص کے لئے اس کے حوالہ کرے، خوارزمشاہ اس پر آمادہ نہ ہوا بلکہ الٹے چنگیز کے قاصد کو قتل کرادیا[2]،

ابن اثیر میں اتنا اور اضافہ ہے کہ خوارزمشاہ نے اصل قاصد کو قتل کردیا، اور اسکے باقی ساتھیوں کی داڑھیاں منڈوا کر ان کی زبانی چنگیز خاں کے پاس کہلا بھیجا کہ میں خود تمھارے مقابلہ میں آتا ہوں اگر تم دنیا کے آخری حصہ میں بھی ہوگے تو تم کو نہ چھوڑونگا اور تمھارے قاصدوں کو جو سزا دی ہے، وہی سزا تم کو بھی دونگا[3]،

اتفاق سے اسی زمانہ میں تاتاریوں کی ایک فوج ایک ترک فرماں روا توق خاں

---

[1] تاریخ جہانگشا ج اول ص۶۱ و ۶۲ ملخصاً [2] تاریخ گزیدہ ج اول ص۴۹۳ [3] ابن اثیر ج ۱۲ ص۱۴۰،

کے مقابلہ کے لئے گئی ہوئی تھی خوارزمشاہ کو اس کی خبر ہوگئی تو وہ اس کے مقابلہ کے لئے نکل کھڑا ہوا اور جب تاتاری آلوق خاں کی مہم سر کر کے واپس ہو رہے تھے تو راستہ میں انکا اور خوارزمشاہ کا سامنا ہوگیا، تاتاریوں نے اس کو سمجھایا کہ ہم ایک دوسری مہم کے لئے نکلے تھے، تمہارے مقابلے کے لئے نہیں بھیجے گئے تھے، اس لئے تم سے لڑنا نہیں چاہتے، لیکن خوارزم شاہ نے سماعت نہ کی، دونوں میں جنگ ہوئی، مگر ایک ہی معرکہ کے بعد دونوں نے اپنی اپنی راہ لی[۱]،

ابن اثیر کی روایت ہے کہ خوارزم شاہ نے چنگیز کو الٹی میٹم بھیجنے کے بعد اپنے ہم سرحد تاتاری علاقہ پر فوج کشی کر دی، اتفاق سے اس وقت یہاں کے مرد سب چنگیز کے لڑکے کے ساتھ ترک فرماں روا کشلو خاں کے مقابلہ میں چلے گئے تھے صرف عورتیں اور بچے رہ گئے تھے، خوارزمشاہ نے ان سب کو گرفتار کر لیا، اس دوران میں چنگیز کا لڑکا کشلو خاں کی مہم سے فارغ ہو کر لوٹ چکا تھا، راستہ میں اس کو خوارزم شاہ کی فوج کشی کا حال معلوم ہوا، وہ فوراً اس کی تلاش میں پہنچا، خوارزم شاہ موجود تھا، دونوں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی اور تین دن کے بعد خوارزم شاہ لوٹ گیا[۲]،

اس درمیان میں چنگیز خاں ایک لشکر جرار کے ساتھ اترار پہنچ گیا اور یہاں سے خوارزمی حکومت کے مختلف حصوں پر حملہ کے لئے علیحدہ علیحدہ امرار مامور کئے، اپنے لڑکوں چغتائی اور اکتائی کو اترار کے محاصرہ پر متعین کیا، دوسرے لڑکے توشی اور تاتاری امرار کو ترکستان کے مختلف علاقوں کی جانب روانہ کیا، اور خود بخارا کی طرف بڑھا، چغتائی اور اکتائی نے پانچ مہینے کے محاصرہ کے بعد، اترار کو فتح کر لیا اور غائر خان کو

---

[۱] جہانکشا ج ۲ ص ۱۰۴ و ۱۰۵ [۲] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۴۱،

گرفتار کر کے قتل کر دیا، اترار کے بعد سمرقند روانہ ہوگیا،

امیر توشی اور الش ایدی نے جند بار چیلغ کنت اور کند اور اشناس وغیرہ کو فتح کرکے ان شہروں کو لوٹا اور آبادی کا قتل عام کیا صرف جند کے باشندوں کو اس لئے چھوڑ دیا کہ انھوں نے مزاحمت نہیں کی تھی، جند کو فتح کرنے کے بعد توشی اور الش ایدی علی خواجہ کو یہاں کا حاکم بنا کر قراقرم لوٹ گئے اور تاتاری فوج نے ینگی کنت کا رخ کیا امیر الاق نویں، امیر سکتو اور امیر تقالی نے فناکت اور خجند کو زیر نگیں کر کے انکو لوٹ کر ویران کیا[1]

خوارزمی سلطنت میں ماوراء النہر کا صوبہ اپنی سرسبزی شادابی اور علمی و تمدنی ترقی کے اعتبار سے سلطنت کی جان تھا "بخارا از بلاد مشرقی قبۂ اسلام است و در میان آں نواحی بمثابت مدینۃ السلام (بغداد) سواد آں بہ بیاض نور علماء و فقہا آراستہ و اطراف آں بطرف معالی پیراستہ از قدیم باز در ہر قرنے مجمع نحاریر علماء ہر دین آں روزگار بودہ است،، سمرقند معظم ترین بقاع مملکت سلطان بفصحت رقبہ و خوش ترین رباع لطیب بقعہ و نزہ ترین بہشتہاے دنیا باتفاق از جملہ جنان اربعہ،،[2]

اس صوبہ کی اہمیت کی بنا پر چنگیز خاں نے اس پر خود فوج کشی کی تھی خوارزمشاہ نے بھی اسکی حفاظت کے بڑے مکمل انتظامات کئے تھے،[3]

چنگیز خاں زرنوق اور نور بخارا کو فتح کرتا ہوا محرم ۶۱۷ھ میں بخارا پہونچا، اور اس کا نہایت سخت محاصرہ کر لیا، خوارزمی فوج اور اہل بخارا نے دو چار دن تک مدافعت کی لیکن تاتاری سیلاب کو روکنا ان کے بس سے باہر تھا بعض افسروں کی بھی ہمت چھوٹ گئی اس لئے بخارا کے علماء و عمائد چنگیز کے پاس جاکر امان کے

[1] جوینی نے اسکی پوری تفصیل لکھی ہے [2] جہانکشاے جوینی ج اول ص ۷۵ و ۹۰ [3] ابن اثیر ج ۲ ص ۱۲۰،

طالب ہوئے اس نے منظور کر لیا، بخاریوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور
تاتاری فوج بخارا میں داخل ہو گئی، بخارا کی جامع مسجد بہت عظیم الشان تھی، چنگیز نے
اس کو دیکھ کر پوچھا کیا یہ شاہی محل ہے؟ لوگوں نے جواب دیا خانۂ خدا ہے، چنگیز نے گھوڑوں
کو دانہ کھلانے کا حکم دیا، اس حکم پر تاتاری غلہ کے ذخیروں پر ٹوٹ پڑے، اور شہر بھر
کا غلہ جمع کر کے کلام مجید کے صندوقوں کو توڑ کر کلام مجید کو پھینک دیا اور صندوقوں
میں گھوڑوں کو چارہ دیا اور علماء و مشائخ کو ان کی نگرانی پر متعین کیا اور شہر کی پوری
آبادی کو باہر میدان میں لیجا کر ارباب ثروت سے ان کی دولت نکلوائی،

خوارزمی فوج کا ایک حصہ قلعہ میں رہ گیا تھا جو تاتاریوں پر حملہ کرتا رہتا تھا، اسلئے
چنگیز نے شہر میں آگ لگوادی اور سارا شہر جل کر خاک ہو گیا، صرف جامع مسجد کی عمارت
باقی رہ گئی، قلعہ کی فوج نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی، اس میں بہت سے تاتاری
مارے گئے، لیکن آخر میں تاتاریوں نے قلعہ بھی فتح کر لیا، قلعہ فتح کرنے کے بعد انھوں
نے شہر کے ان تمام باشندوں کو جو کام کے لائق تھے جنگی کاموں کے لئے چھانٹ لیا،
باقی ماندہ کو چھوڑ دیا، اور بخارا بالکل ویران ہو گیا، ایک عینی شاہد نے بخارا کی تباہی
کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے، "آمدند و کندند و سوختند و بردند و رفتند"[۱]
ابن اثیر کا بیان ہے کہ بخارا پر قبضہ کے بعد یہاں کے جو باشندے زندہ بچ رہے تھے،
تاتاریوں نے ان کو یا قتل کر دیا یا لونڈی غلام بنا لیا، بخارا کی تباہی اور قتل عام پر
لوگوں کی گریہ و زاری سے بڑا دردناک منظر پیدا ہو گیا تھا، تاتاری علانیہ عورتوں
کی بے حرمتی کرتے تھے اور کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی، بخارا کے تمارے مدارس

---

[۱] جوینی نے ان واقعات کو بہت تفصیل سے لکھا ہے دیکھو ج اول ص ۷۵ تا ۸۵،

جل کر خاک کا ڈھیر ہو گئے،[۱]

بخارا کو تباہ کرنے کے بعد چنگیز نے سمرقند کا رخ کیا، خوارزم شاہ نے اس کی حفاظت کا پورا انتظام کیا تھا، اس کے گرد نہایت بلند و مستحکم شہر پناہ تعمیر کرائی تھی اور اس کے چاروں طرف گہری اور وسیع خندق کھود کر اس کو دریا سے ملا دیا تھا، اور ایک لاکھ دس ہزار منتخب سپاہ اس کی حفاظت کے لئے متعین کی تھی، اس لئے چنگیز نے بھی بڑے اہتمام کے ساتھ اس پر فوج کشی کی تھی، اس کی فتح کی تفصیلات میں عربی و فارسی مورخین کے بیان میں اختلاف ہے لیکن نتیجہ دونوں کا ایک ہے، اہل سمرقند نے بڑی پامردی سے مدافعت کی لیکن تاتاری سیلاب کو نہ روک سکے، اور آخر میں ان کے سامنے سپر ڈالنے پر مجبور ہو گئے، سمرقند پر قبضہ کے بعد تاتاریوں نے بخارا کی طرح اس کی بھی کل دولت لوٹ لی، جنھوں نے چھپانے کی کوشش کی انھیں اذیتیں دے کر اقرار کرایا، کچھ مسلمانوں نے مسجد کو آڑ بنایا تھا، اس لئے تاتاریوں نے اس کو جلا کر خاکستر کر دیا، اور سمرقند کے ان تمام باشندوں کو جو لونڈی غلام بنانے کے لائق تھے قید کر لیا، باقی عورتوں اور بچوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا،[۲]

اس زمانہ میں خوارزم شاہ بلخ میں تاتاریوں کے مقابلہ کی تدبیر میں مصروف تھا، اور امرا کے مشورہ سے وہ جنگ کی تیاری کے لئے بخارا سے عراق روانہ ہو گیا تھا ترمذ کے قریب پہنچ کر خبر ملی کہ سمرقند و بخارا پر تاتاریوں کا قبضہ ہو گیا، اس خبر سے سلطان کی ہمت چھوٹ گئی، اور وہ نیشاپور چلا گیا، جوینی کا بیان ہے کہ وہ غم غلط

[۱] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۴۱ [۲] جوینی نے اسکی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے، ہم نے خلاصہ نقل کیا ہے تفصیل کے لئے دیکھو جہانکشائے جوینی ج اول ص ۹۱ تا ۹۵ و ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۴۱ و ۱۴۲،

کرنے کے لئے عیش و نشاط میں مشغول ہوگیا[1]، یہ صورت حال دیکھ کر خراسان کے عمائد نے نیشاپور کے حاکم مجیر الملک کے پاس جاکر اس کو ملامت کی کہ ملک کا یہ حال ہو رہا ہے اور تم لوگوں کی غفلت کا یہ حال ہے، اس نے کہا تم لوگوں کی ملامت بجا ہے، لیکن میں حکم سلطانی سے مجبور ہوں،

جوینی کے بیان کے مطابق سلطان عیش و نشاط میں مشغول تھا، کہ مخبروں نے اطلاع دی کہ تاتاری امرا یمہ نوین اور سبتائی جنھیں چنگیز نے سلطان کی تلاش میں بھیجا تھا قریب پہنچ گئے ہیں، یہ سن کر خوارزمشاہ کو ہوش آیا اور وہ ربیع الاول ۶۱۷ھ میں نیشاپور سے عراق روانہ ہوگیا، رے پہنچ کر معلوم ہوا کہ تاتاری بھی تعاقب میں آرہے ہیں، اس لئے خوارزمشاہ یہاں نہ ٹھہر سکا، اور قزوین ہوتا ہوا مازندران نکل گیا، تاتاری برابر تعاقب کر رہے تھے، سلطان نے جب دیکھا کہ ان سے پیچھا چھوٹنا مشکل ہے تو جزیرہ ابسکون میں چلا گیا، پھر قریب ہی ایک دوسرے جزیرہ میں منتقل ہوگیا، اس کے ابسکون چھوڑتے ہی تاتاری وہاں پہنچ گئے، لیکن سلطان کو نہ پاکر واپس چلے گئے، اور واپسی میں سلطان کے اہل و عیال کو جو مازندران کے قلعہ میں تھے، قلعہ پر قبضہ کرکے قید کر لیا[2]،

ان حوادث و مصائب مسلسل سفر اور گرم و سرد آب و ہوا کے اثر سے سلطان ذات الجنب میں مبتلا ہوگیا، اور جزیرہ میں جانے کے چند ہی دنوں کے بعد ۶۱۷ھ میں اس کا انتقال ہوگیا، اور اس غربت میں کفن تک میسر نہ آسکا، جو کپڑے جسم پر تھے انہی میں دفن کیا گیا (ابو الفداء ج ۳ ص ۱۴۱)

---

[1] یہ جوینی کا بیان ہے، عربی مورخین کے بیان کے مطابق جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا خوارزمشاہ ہر قسم کی لغویات سے پاک اور بڑا محتاط فرماں روا تھا [2] یہ حالات ملخصاً جہانکشائے جوینی ج اول سے ماخوذ ہیں،

علاء الدین محمد خوارزمشاہ خوارزمی سلسلہ کا بڑا باعظمت فرماں روا تھا، اسکی سلطنت کا رقبہ نہایت وسیع تھا، عراق سے لیکر ایک طرف چین کی سرحد تک اور دوسری طرف کابل اور مغربی ہندوستان تک اس کی سلطنت پھیلی ہوئی تھی، سجستان، کرمان، طبرستان، جرجان، عراق عجم، خراسان اور فارس کے کچھ حصے اس کے زیر نگیں تھے، خطائیوں کو شکست دے کر خطا کے علاقہ کو بھی ممالک محروسہ میں شامل کر لیا تھا، ذاتی حیثیت سے وہ فاضل فقہ و اصول وغیرہ مذہبی علوم کا عالم، علم دوست اور علماء نواز فرماں روا تھا، علماء کے ساتھ احسان و سلوک سے پیش آتا تھا، ان کے علمی مباحث میں حصہ لیتا تھا، اس کی ساری دلچسپی ملک کی حفاظت، اس کے انتظام و انصرام رعایا کی خبر گیری اور دوسرے امور مملکت تک محدود تھی، دیندار علماء و مشائخ سے عقیدت رکھتا اور ان سے برکت اندوزی کرتا تھا۔۔۔۔ اس کی ذات میں وہ تمام کمالات اور خوبیاں جمع تھیں جو سلاطین عجم میں متفرق طور سے پائی جاتی تھیں، مدت حکومت ۲۱ سال تھی۔[1]

جلال الدین خوارزمشاہ کے میر منشی جلال الدین نسوی کا بیان ہے کہ اس کے آستانے پر دنیا کے بڑے بڑے سلاطین و امراء کا ہجوم رہتا تھا، اور وہ اس کی خاکِ پا کو چھونا فخر سمجھتے تھے، اس کے غلام اور حاشیہ نشین تک تخت فرماں روائی تک پہنچ گئے، اس کے طشت دار، رکابدار، سلحدار اور چیندار وغیرہ سب سلاطین تھے، اس کا پس خوردہ بڑے بڑے امراء فخریہ کھاتے تھے، اسکو بہت سے ایسے امتیازات حاصل تھے جو اس کے زمانہ کے دوسرے فرماں رواؤں کو حاصل نہ تھے۔[2]

جلال الدین خوارزمشاہ

علاء الدین محمد خوارزمشاہ کے لڑکوں اور تاتاریوں سے ان کی

---

[1] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۳۲ جوینی کا بیان اس سے مختلف ہے جو اوپر گذر چکا ہے۔ [2] ابو الفداء ج ۳ ص ۱۲۹ بحوالہ جلال الدین نسوی۔

جنگ کے بارہ میں عربی اور فارسی دونوں مورخین کے بیانات نہایت گنجلک اور باہم مختلف ہیں، سب سے زیادہ صاف، واضح اور معتبر بیان جلال الدین کے میر منشی جلال الدین[۱] نسوی کا ہے جسے ابو الفدار نے نقل کیا ہے،

اس کے مطابق علاء الدین محمد کے چار بیٹے تھے، قطب الدین ازلاق یا ازلاغ، غیاث الدین تیز شاہ، رکن الدین غور شاہ اور جلال الدین منکبرتی، علاء الدین نے اپنی زندگی ہی میں چاروں میں ملک تقسیم کر دیا تھا، پہلے قطب الدین ازلاق کو ولیعہد نامزد کیا تھا لیکن پھر اس کا نام خارج کر کے جلال الدین کو ولیعہد بنایا اور باپ کی موت کے وقت یہی ولیعہد تھا،[۲]

چاروں بھائیوں میں جلال الدین ہی باپ کی جانشینی کا سب سے زیادہ اہل تھا، چنانچہ علاء الدین کی وفات کے بعد اس نے تاتاریوں کے مقابلہ کا ارادہ کیا، مگر عین اس نازک زمانہ میں امراء کی فتنہ انگیزی سے بھائیوں میں اختلاف ہو گیا، بعض امراء نے جلال الدین کو ہلاک کر دینے کا ارادہ کیا، اس لئے وہ خوارزم چھوڑ کر نسا روانہ ہو گیا، راستہ میں تاتاریوں کا سامنا ہوا، لیکن جلال الدین لڑتا ہوا غزنین نکل گیا، اس کے خوارزم چھوڑتے ہی تاتاریوں نے خوارزم کا رخ کر دیا، قطب الدین ازلاق میں ان کے مقابلہ کی تاب نہ تھی، اس لئے ان کی آمد کی خبر سنتے ہی اس نے خوارزم چھوڑ دیا، لیکن راستہ میں ان سے مڈبھیڑ ہو گئی، تاتاریوں نے اس کو شکست دے کر مع خدم و حشم کے گرفتار کر کے قتل کر دیا،[۳]

سمرقند کی فتح کے بعد ہی چنگیز نے چغتائی اور اکتائی کو خوارزم پر مامور کیا تھا،

---

۱ ابو الفدار ج ۳ ص ۱۴۱ بحوالہ جلال الدین نسوی ۲ جہانکشائے جوینی ج ۲ ص ۱۳۱ و ۱۳۲ ملخصاً،

جلال الدین کے خوارزم چھوڑنے کے بعد وہ خوارزم پہنچے، اس وقت علاء الدین کی اولاد میں سے یہاں کوئی نہ تھا، اہل خوارزم نے خمار ترکی کو اپنا حاکم بنا لیا تھا، تاتاری شہر کے قریب پہنچ کر کمین گاہ میں چھپ گئے اور تھوڑی تعداد شہر کی طرف بڑھی، خوارزمیوں نے اس غلط فہمی میں کہ تاتاریوں کی تعداد کل اتنی ہی ہے، باہر نکل کر ان پر حملہ کر دیا، تاتاری پیچھے ہٹ گئے، خوارزمی دور تک ان کا تعاقب کرتے چلے گئے، جیسے ہی کمین گاہ میں چھپے ہوئے تاتاریوں کی زد میں آگئے وہ نکل کر ان پر ٹوٹ پڑے، اور ایک لاکھ خوارزمیوں کو قتل کر ڈالا، باقیماندہ پسپا ہو کر شہر میں محصور ہو گئے، اور کئی مہینے اندر سے مقابلہ کرتے رہے، آخر میں تاتاری فصیل توڑ کر شہر میں گھس گئے، شہر بڑا وسیع اور آبادی بڑی گنجان تھی، ہر محلہ ایک مستقل آبادی کی حیثیت رکھتا تھا، اہل شہر نے مختلف محلوں میں مورچے قائم کر کے مقابلہ شروع کر دیا، اس لئے تاتاریوں نے آگ لگا دی اور بہت سے محلے جل کر راکھ ہو گئے اور تاتاریوں نے ایک ایک محلہ کر کے شہر پر قبضہ کر لیا، اور اس کی آبادی کو باہر لے جا کر ایک لاکھ اہل حرفہ کو تاتار بھیجنے کے لئے چھانٹ لیا، باقیماندہ آدمیوں کو فوج میں تقسیم کر دیا، اور شہر کو لوٹ کر ویران کر ڈالا[۵]،

ابن اثیر کا بیان ہے کہ شہر کو فتح کرنے کے بعد دریا کے بند کو جس کے ذریعہ شہر میں پانی آتا تھا کھول دیا اور سارا شہر مع آبادی کے تہ آب ہو گیا، صرف آبادی کا نشان باقی رہ گیا[۲]،

جوینی لکھتا ہے "در خوارزم کہ مرکز رجال رزم و مجمع نسار بزم بود ایام سر برآیت نہ

[۱] جہانکشا سے جوینی ج اول ص ۹۷ تا ۱۰۱ ملخصاً [۲] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۵۲،

اونهاده وہمائے دولت آں را کہ آشیانہ ساختہ مادی ابن آدمی گشت ونشیمن بوم وزغن شد[۱]"

دوسری طرف چنگیز نے خود ترمذ پر فوج کشی کی اور یہاں کے باشندوں سے کہلا بھیجا کہ اگر وہ قلعہ اور فصیل کو منہدم کر دیں تو ان سے تعرض نہ کیا جائیگا، لیکن وہ اپنی قوت کے گھمنڈ میں مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے، چنگیز نے شکست دے کر ترمذ پر قبضہ کر لیا اور پوری آبادی کو تہ تیغ کر ڈالا ترمذ کے بعد بدخشاں کی ولایت فتح کی،[۲]

بدخشاں کے بعد بلخ پہنچا، یہاں کے باشندوں نے اہل ترمذ کا انجام دیکھکر اطاعت قبول کر لی، لیکن جلال الدین خوارزم شاہ قریب ہی غزنین میں موجود تھا، اس لئے چنگیز نے اسکی اطاعت پر اعتماد نہ کیا، اور پوری آبادی کو قتل کرا دیا، ایک متنفس کو بھی زندہ نہ چھوڑا

بلخ کے بعد اپنے لڑکے تولی خاں کو خراسان بھیجا، اور خود طالقان کا رخ کیا، یہاں کے باشندوں نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا، لیکن اس بلاے بے درماں کا روکنا کسی کے بس میں نہ تھا، اس لئے انھیں بھی شکست ہوئی، اور چنگیز نے ترمذ و بلخ کی طرح اس کی آبادی کو بھی ختم کر کے شہر کو زمین کے برابر کر دیا، طالقان کے بامیان کی آبادی کا بھی یہی انجام ہوا بامیان کے معرکہ میں چنگیز کا ایک لڑکا زخمی ہو گیا تھا، اسکے انتقام میں اس نے بامیان کا نام ونشان صفحۂ ہستی سے مٹا دیا اور یہاں کے جانور تک زندہ نہ چھوڑے، بامیان کے بعد جلال الدین کے مقابلہ کے لئے غزنین پہنچا، معلوم ہوا کہ جلال الدین ہندوستان چلے جانے کے ارادہ سے وہاں سے جا چکا ہے، اس لئے چنگیز اس کے تعاقب میں روانہ ہو گیا، اتفاق سے جلال الدین

---

[۱] جہانکشاے جوینی ج اول ص ۱۰۱ [۲] ایضاً ص ۱۰۲،

دریاے سندھ کے ساحل پر موجود تھا چنگیز نے اس کو گھیر لیا، جلال الدین نے اپنی مختصر سپاہ کے ساتھ اس شجاعت سے مقابلہ کیا کہ تاتاریوں کی صفیں الٹ دیں، لیکن ایک طرف دریاے سندھ تھا، اور دوسری سمت کمان کی شکل میں تاتاری ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے، اور آہستہ آہستہ حصار کا دائرہ تنگ کرتے جاتے تھے، جلال الدین نے جب دیکھا کہ اس کا بچنا مشکل ہے تو بے محابا گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا، اور بڑی تیزی سے تیرتا ہوا نکل گیا، اس کی اس دلیری پر چنگیز بھی حیرت زدہ رہ گیا، اور اس نے اپنے لڑکوں کو مخاطب کرکے کہا کہ "ہر باپ کا بیٹا ایسا ہی ہونا چاہئے"، جلال الدین کے اہل و عیال چھوٹ گئے تھے، چنگیز نے ان سب کو گرفتار کرکے کل اولاد ذکور کو جس میں شیر خوار بچے بھی تھے قتل کر دیا،[۱]

جلال الدین کے ہندوستان جانے کے بعد غزنہ اور غور بالکل خالی ہو گئے تھے، چنگیز نے ان پر قبضہ کرکے پوری آبادی کو قتل کر دیا اور ان کو لوٹ کر ویران کر ڈالا[۲] اور جلال الدین کے تعاقب میں ایک فوج ہندوستان بھیجی، اس نے پنجاب تک پیچھا کیا لیکن جلال الدین ہاتھ نہ آیا، اور تاتاری پنجاب اور ملتان کو تاخت و تاراج کرتے ہوئے لوٹ گئے،[۲]

ماوراء النہر پر قبضہ کے بعد ہی تاتاری سارے وسط ایشیا میں پھیل گئے تھے، اور خراسان، فارس، آذربیجان، ارمنستان، اران، کرج اور قبچاق کے سارے علاقوں کو زیر و زبر کرتے ہوئے روس تک پہنچ گئے تھے، ابن اثیر اور جوینی وغیرہ نے اسکے مفصل حالات لکھے ہیں، لیکن اسکی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے، اس یورش

---

[۱] جہانکشاے جوینی ج اول ص ۱۰۶ و ۱۰۷ [۲] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۵۳،

میں تاتاریوں نے کسی ملک میں مستقل قیام نہیں کیا بلکہ طوفان کی طرح زیروزبر کرتے ہوئے نکل گئے، ان کے چھٹنے کے بعد جن فرماں رواؤں میں دم باقی رہ گیا تھا، انھوں نے اپنے اپنے ملکوں کی آبادی کی طرف توجہ کی اسی سلسلہ میں جلال الدین بھی واپس آیا،

عراق کا ملک علاء الدین خوارزمشاہ نے اپنے لڑکے رکن الدین غورشاہ کو دیا تھا، وہ تاتاریوں کی یورش میں کام آیا، اس کی موت کے بعد اس کے دوسرے بھائی غیاث الدین تیرشاہ والی کرمان و مکران نے اس کے علاقہ اور اتابک سعد بن دکلا سلغری والی فارس کے بعض مقبوضات پر قبضہ کر لیا، لیکن عراق کے باشندے جلال الدین کی طرف مائل تھے[1]

اس لئے جلال الدین ۶۲۱ھ میں کرمان ہوتا ہوا واپس آیا اور عراق اور فارس کو غیاث الدین کے ہاتھوں سے چھڑا کر، اتابک سعد کا علاقہ اس کے حوالہ کیا اور غیاث الدین کو اپنے ماتحت کی حیثیت سے عراق کی حکومت پر بحال رہنے دیا[2]،

عراق کے بعد جلال الدین نے خلافت عباسیہ کے علاقہ خوزستان پر فوج کشی کی، جوینی کا بیان ہے کہ جلال الدین نے پہلے خلافت بغداد اور خوارزمی حکومت کی پرانی عداوت کو بھلا کر ناصر سے دوبارہ تعلقات درست کرنے کی کوشش کی، اور تاتاریوں کے مقابلہ کے لئے اس سے مدد مانگی، لیکن ناصر کے دل سے کینہ دور نہ ہوا تھا، اس نے جلال الدین کی درخواست کی جانب توجہ نہ کی اور امیر قشتمر کو اسے عراق سے نکالنے کا حکم دیدیا[3]۔

---

[1] تاریخ جہانکشائے جوینی ج ۲ ص ۱۴۹، و ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۶۳ [2] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۶۳ و ابوالفدا ج ۳ ص ۱۳۴ [3] جوینی ج ۱ ص ۱۵۴،

لیکن ابن اثیر کا بیان ہے کہ جلال الدین نے بغیر کسی نامہ و پیام کے خوزستان پر حملہ کر دیا، یہاں کے حاکم قشتمر نے خوزستان کے صدر مقام تستر کو بچالیا، اس کے علاوہ باقی علاقہ کو خوارزم شاہ نے تخت و تاراج کر ڈالا، اور اس کی آبادی کو بیدریغ قتل کیا، اور بڑھتا ہوا بغداد کے قریب پہنچ گیا، ناصر نے اس کے مقابلہ کے لئے مظفر الدین کوکبری والی موصل کو بلا بھیجا تھا، اس نے اپنے لڑکے کو فوجیں دے کر بھیجا، لیکن اس نے جلال الدین کی اطاعت قبول کر لی،[1]

آذربیجان کا والی مظفر الدین ازبک بڑا نااہل تھا، ہر وقت شراب و کباب میں مست رہتا تھا، امور مملکت سے اُسے کوئی واسطہ نہ تھا، اس لئے خوزستان کو لوٹنے کے بعد جلال الدین نے آذربیجان پر حملہ کر دیا، مظفر الدین اس کا مقابلہ نہ کر سکا اور آذربیجان چھوڑ کر گنجہ چلا گیا، اور جلال الدین نے اس کے پایہ تخت تبریز پر قبضہ کر لیا، آذربیجان پر قبضہ کے بعد جلال الدین کی قوت بہت بڑھ گئی اور اس نے گرجوں کو مغلوب کر کے گرجستان پر قبضہ کر لیا، لیکن اسکی تکمیل ظاہر کے دور میں ہوئی اس کا حال آئندہ آئیگا، اسی سلسلہ میں اس نے گنجہ پر قبضہ کر لیا اور مظفر الدین یہاں سے بھاگ کر لاپتہ ہو گیا، ابن اثیر نے اسکی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے ہم نے ابوالفداء کا مختصر بیان نقل کیا ہے، ابھی جلال الدین کی مہمات کا سلسلہ جاری تھا کہ ناصر کا زمانہ ختم ہو گیا،

ناصر کی وفات ناصر کی عمر ستر سال کی ہو چکی تھی کئی سال سے فالج میں مبتلا تھا، آنکھوں کی بینائی قریب قریب جاتی رہی تھی اسلئے بالآخر دن کی مختصر علالت کے بعد رمضان سنہ ۶۲۲ھ میں انتقال کر گیا، مدت خلافت سینتالیس سال تھی، عباسی خلفاء میں اتنا طویل زمانہ

[1] خوزستان پر حملہ کی تفصیلات میں جوینی اور ابن اثیر کے بیان میں جزوی اختلاف ہے ہم نے ان سے قطع نظر خلاصہ نقل کیا ہے، جوینی ج اول ص ۱۵۰ تا ص ۱۵۵ و ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۶۳ و ص ۱۶۴ و ابوالفداء ج ۳ ص ۱۳۵،

کسی خلیفہ نے نہیں پایا،

ناصر اپنے نامور اسلاف کی بہت سی خصوصیات کا حامل اور عباسی جاہ و جلال کی آخری یادگار تھا، ابن طقطقی اس کے اوصاف کی جامعیت کے متعلق لکھتا ہے، وہ بڑا فاضل اور ممتاز خلیفہ تھا، جملہ امور میں بصیرت رکھتا تھا، سیاست داں، باہیبت، جری، بہادر، تیز طبع، حاضر دماغ، ذہین، طباع اور فصیح و بلیغ تھا، کسی علم و فن اور نکتہ آفرینی میں بند نہ تھا، علماء سے واقف کارانہ بحث کرتا تھا، اور امور سلطنت کو ماہرانہ انجام دیتا تھا[1]،

ذہبی کا بیان ہے کہ اس سے زیادہ طویل کسی خلیفہ کا دور حکومت نہ تھا، اس نے سینتالیس سال تک حکومت کی اور اس کی زندگی نہایت عزت و جلالت کے ساتھ بسر ہوئی، اس نے دشمنوں کا استیصال اور سلاطین پر غلبہ حاصل کیا، جس قوت نے سر اٹھایا اس کو کچل کر رکھدیا، جس نے اس کے ساتھ برائی کی نیت کی، اس کو خدا نے ناکام کیا، باوجود اس خوش بختی کے وہ مصالح ملکی کی جانب پوری توجہ رکھتا تھا، رعایا کی کوئی چھوٹی بڑی بات اس سے پوشیدہ نہ رہتی تھی، اس کے مخبر ہر ملک میں پھیلے ہوئے تھے، جو وہاں کے فرماں رواؤں کے حالات کی اطلاع برابر کرتے رہتے تھے، وہ سیاسی شاطر تھا، اسکی چالیں ایسی گہری ہوتی تھیں کہ وہاں تک لوگوں کی نگاہ نہ پہنچ سکتی تھی، اپنی سیاسی تدبیروں سے وہ دشمن سلاطین میں اتحاد و دوستی اور دوست فرماں رواؤں میں اختلاف و دشمنی پیدا کرا دیتا تھا، اور ان کو اس کی خبر تک نہ ہونے پاتی تھی[2]،

---

[1] الفخری ص ۲۸۰ [2] تاریخ الخلفاء ص ۹۵ہ و ۶۰ہم بحوالۂ ذہبی،

عبد اللطیف کا بیان ہے کہ دلوں پر اس کی ہیبت بیٹھی ہوئی تھی، جس طرح بغدادی اس سے ڈرتے تھے، اسی طرح مصر و ہندوستان اس سے ڈرتا تھا، اس نے خلافت کی ہیبت کو جو معتصم کے بعد ختم ہو گئی تھی، دوبارہ زندہ کر دیا، مصر و شام تک کے سلاطین اپنی خلوتوں میں اس کا ذکر کرتے ڈرتے تھے[1]،

دنیائے اسلام کے کل سلاطین اس کے مطیع و منقاد تھے، اور خلافت بغداد کے تمام پرانے باغی اور سرکش حکمرانوں کی گردنیں اس کے سامنے خم ہو گئی تھیں، اسکی تلوار نے بڑے بڑے جبابرہ کو مغلوب اور دشمنوں کو مقہور کر لیا تھا، اس نے ملکوں کو فتح کیا، اور اندلس سے لے کر چین تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا[2]،

راتوں کو بغداد کی گلیوں میں پا پیادہ گشت لگاتا تھا، اس لئے رعایا اور عمال حکومت دونوں ڈرتے تھے کہ اس کو گھر کی باتوں تک کا علم ہو جاتا ہے[3]، اس کے شعبۂ خبر رسانی کے بہت سے حیرت انگیز واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں،

اس نے رعایا کی فلاح و بہبود کے بھی بہت سے کام انجام دیئے، ابن طقطقی کا بیان ہے کہ اس کے کار خیر اور اوقاف حد شمار سے باہر ہیں، اس نے بکثرت مسجدیں، خانقاہیں، اور مسافر خانے بنوائے[4]،

لیکن ان اوصاف اور خوبیوں کے ساتھ وہ دولت کا بڑا حریص تھا حصول زر کے لئے اس نے رعایا پر بڑی زیادتیاں کیں، بہت سے نئے ٹیکس جاری کئے، مال و جائداد کے لئے سیکڑوں آدمیوں کو جیل میں بھر دیا، خراج کی مقدار غیر معمولی

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۶۱ھ [2] ایضاً ص ۱۶۱ھ و ۶۲ھ [3] الفخری ص ۲۸۰

[4] ایضاً،

حد تک بڑھا دی، ابن اثیر نے تو یہاں تک لکھدیا ہے کہ اس کے مظالم سے عراق ویران ہوگیا، درحقیقت اسکی طبیعت میں شدت اور غلو زیادہ تھا، جس جانب رجوع ہوتا تھا، اس میں غلو کی حد تک پہنچ جاتا تھا، ذہبی کا بیان ہے کہ ناصر جب کھلاتا تھا یعنی لیتا دیتا تھا تو آسودہ حال کر دیتا تھا، اور جب سزا دیتا تھا تو سخت سزا دیتا تھا[۱] اس لئے اس کی حرص دولت بھی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی، لیکن اس حرص و طمع کے ساتھ اسکی فیاضی کے واقعات بھی ملتے ہیں، ایک مرتبہ ایک ہندوستانی انعام کی امید میں اس کے لئے ایک طوطا لے گیا، جو سورہ اخلاص پڑھتا تھا، اتفاق سے یہ طوطا ناصر کے سامنے پیش کئے جانے سے پہلے ہی مرگیا، ناصر کو مخبروں کے ذریعہ اس کی اطلاع مل چکی تھی، اس نے پانسو اشرفیاں اس کے مالک کے پاس بھجوا دیں[۲]،

علمی اعتبار سے وہ بڑا فاضل تھا، دینی علوم میں حدیث نبوی سے خاص ذوق رکھتا تھا، بہت سے علماء سلاطین اور عمائد کو اپنی جانب سے قرأت و روایت حدیث کی اجازت دی تھی، اور راوی علماء کے وظائف مقرر کئے تھے، لوگ شرف نسبت کے لئے فخریہ اس سے روایت کرتے تھے، ستر حدیثوں کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا تھا[۳]،

[۱] تاریخ الخلفاء ص ۶۰۰ [۲] ایضاً ص ۴۶۱ [۳] ایضاً ص ۵۹ و ۴۶۲،

ابونصر محمد بن ناصر الملقب بہ ظاہر بامر اللہ

سنہ ۶۲۲ھ تا سنہ ۶۲۳ھ مطابق سنہ ۱۲۲۵ء تا سنہ ۱۲۲۶ء

ناصر کی وفات کے بعد یکم شوال سنہ ۶۲۲ھ کو اس کا لڑکا اور ولی عہد ابونصر محمد تخت پر بیٹھا اور ظاہر بامر اللہ لقب اختیار کیا، اس وقت اس کی عمر باون سال کی تھی، وہ اپنی دینداری اور مذہبی کارناموں کے لحاظ سے صحیح معنوں میں اسلامی خلیفہ تھا، تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی طرح عباسی حکومت کی اصلاح کا کام شروع کر دیا، اور اسکی تمام گذشتہ بے عنوانیوں کو ایک قلم موقوف کر دیا، اور جب تک زندہ رہا اس کار خیر کو انجام دیتا رہا، لیکن افسوس موت نے مہلت نہ دی، وہ کل نو مہینے زندہ رہا، ورنہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی یاد تازہ کر دیتا،

گرجستان پر جلال الدین کا قبضہ

اوپر ناصر کے زمانہ میں گرجستان پر جلال الدین خوارزمشاہ کی فوج کشی کا ذکر گذر چکا ہے، گرجستان اسلامی قلمرو کی بالکل سرحد پر تھا، گرجی بڑے وحشی اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، اور ہر زمانہ میں وہ اسلامی حدود پر وحشیانہ تاخت کرتے رہتے تھے، خلاط، آذربیجان، اران، ارزن الروم، دربند شروان وغیرہ کے علاقے ہمیشہ ان کے حملوں کا ہدف بنے رہے، کوئی قوت ان کو روکنے والی نہ تھی، وہ بے محابا ان ملکوں میں گھس آتے تھے، اور نہایت وحشیانہ طریقے سے قتل و غارت کرتے تھے،

سرحد کے چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمراں ان کے مقابلہ سے عاجز تھے، اور ان علاقوں کے مسلمان ان کے ہاتھوں بڑی ذلت اور بے بسی کی زندگی بسر کرتے تھے،[1]

ناصر کے آخری زمانہ میں جلال الدین خوارزمشاہ نے گرجستان پر فوج کشی کی تھی، اور اس کا سلسلہ ظاہر کے زمانہ تک جاری رہا، اور اس میں اور گرجیوں میں بڑی خونریز لڑائیاں ہوئیں جن میں ہزاروں گرجی کام آئے، جلال الدین نے ان کے مرکز تفلیس پر قبضہ کر کے انکی قوت بالکل توڑ دی، اس کے اس کارنامے پر ساری دنیائے اسلام اس کی مشکور ہوئی، ابن اثیر نے اسکی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے،

ناصر کی وفات ناصر تخت نشینی کے کل نو مہینے بعد رجب ۶۲۳ھ میں انتقال کر گیا، اس وقت ترپن سال کی عمر تھی،

خلافت کی اصلاح وہ اپنی دینداری اور اسلامی روح کے اعتبار سے عمر بن عبدالعزیز ثانی تھا، اس نے نو مہینے کی قلیل مدت میں اتنے کار خیر انجام دیئے جو دوسرے فرماں رواؤں سے برسوں میں ممکن نہ تھے، ابن اثیر کا بیان ہے کہ

تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد اس نے اپنے عدل وانصاف واحسان سے حضرت عمرؓ بن الخطاب اور عمرؒ بن عبدالعزیز کی سنت زندہ کر دی، اور یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ عمرؒ بن عبدالعزیز کے بعد ایسا خلیفہ نہیں پیدا ہوا تھا، اس نے ان تمام مال اور جائداد کو جو اس کے باپ کے زمانہ میں یا اس سے پہلے کے عباسی خلفائے جبراً ضبط کی تھیں ان کے مالکوں کو واپس کر دیا، ساری قلمرو سے ہر قسم کے ناجائز ٹیکس یک قلم موقوف کر دیئے، ناصر نے اپنے زمانہ میں عراق کا خراج بہت بڑھا دیا تھا، ظاہر نے اسکو

---

[1] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۶۷،

منسوخ کر کے پُرانا خراج جاری کر دیا، ان دونوں کی شرح میں تفاوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مقام یعقوبا کا پرانا خراج دس ہزار اشرفی سالانہ تھا ناصر نے بڑھا کر اسی ہزار کر دیا تھا یہی حال سارے عراق کا تھا، یہاں کے باشندوں نے ظاہر کے زمانہ میں اس پر نظر ثانی کی درخواست کی، اس نے گھٹا کر پرانی شرح کے مطابق کر دیا، اور پورے عراق سے جدید اضافہ کو گھٹا دیا،

ناصر کے زمانہ میں بہت سی ایسی پرانی جائدادوں اور کھجور کی پیداوار کا خراج وصول کیا جاتا تھا، جو اب ضائع ہو چکی تھی، ناصر نے ان کو خراج سے مستثنیٰ کر دیا اور عام حکم جاری کر دیا کہ جو جائدادیں محفوظ اور جو درخت سالم ہوں صرف انہی کا خراج لیا جائے،

شاہی خزانہ میں سکہ تولنے اور وزن کرنے کے دو پیمانے تھے، ایک عام بازار کے رائج پیمانہ کے برابر تھا، دوسرا اس سے ایک قیراط زیادہ تھا، شاہی محاصل بڑے پیمانہ سے وصول کئے جاتے تھے اور خزانہ سے دوسرے لوگوں کو بازار کے عام پیمانہ سے دیا جاتا تھا، ظاہر کو معلوم ہوا تو اس نے وزیر کو ایک تحریر لکھی، اس کے شروع میں کلام مجید کی یہ آیت تھی، "کم دینے والوں پر افسوس ہے، جو دوسرے لوگوں سے خود ناپ تول کر پورا لیتے ہیں اور دوسروں کو کم دیتے ہیں، کیا ان کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ بڑے دن (قیامت) اٹھا کر کھڑے کئے جائیں گے، میں حکم دیتا ہوں کہ خزانہ کا پیمانہ ان عام پیمانوں کے برابر کر دیا جائے، جن سے یہود و نصاریٰ سب وزن کرتے ہوں"، بعض حکام نے کہا کہ اس سے پینتیس ہزار اشرفی سالانہ کا نقصان ہوگا ظاہر نے جواب دیا، اگر ساڑھے تین لاکھ اشرفی کا بھی نقصان ہو تب بھی پیمانہ

گھٹا دیا جائے،

قاضی شہر کو عام حکم دیدیا تھا کہ جو شخص کسی ضبط شدہ مال و جائداد کے متعلق ثبوت پیش کر دے، اس کو بغیر میری اجازت کے اس کی املاک واپس کر دیجائے، ایک حنبلی کو اس نے حشری اور بیت المال کا متولی بنانا چاہا، اس نے کہا میرے مذہب میں ذوی الارحام کا بھی ترکہ ہے، اگر امیر المومنین اس کی اجازت دیں تو میں یہ منصب قبول کروں گا، ورنہ معذور ہوں، اس نے کہا ہر حقدار کا حق اس کو دو اور اس میں خدا کے علاوہ کسی دوسرے کا خوف نہ کرو،

ناصر نے بغداد کے گلی کوچوں میں مخبر مقرر کر رکھے تھے، جو روزانہ ان گلیوں کے دن بھر کے چھوٹے بڑے واقعات کی تحریری رپورٹ اس کے سامنے پیش کرتے تھے، اس میں یہاں تک لکھا جاتا تھا کہ تفریح گاہوں اور گانے کی مجلسوں میں فلاں فلاں لوگ آپس میں ملے، اس مخبری سے لوگ تنگ تھے، ظاہر کی تخت نشینی کے بعد حسب معمول اس کے سامنے بھی یہ رپورٹ پیش کی گئی تو اس نے کہا مجھ کو لوگوں کے پرائیویٹ حالات معلوم کرنے کی ضرورت نہیں، آیندہ میرے سامنے صرف وہی امور پیش کئے جائیں جن کا تعلق حکومت کے مصالح سے ہو، لوگوں نے کہا اگر مخبری کا طریقہ بند کر دیا گیا تو عوام بگڑ جائیں گے اور ان کا شر و فساد بڑھ جائیگا، ظاہر نے کہا کہ ہمارے لئے اتنا کافی ہے، کہ ان کی اصلاح کے لئے دعا کریں،

ناصر نے اپنے آخر زمانہ میں ایک محصل کو روپیہ کی وصولی کے لئے واسط بھیجا تھا، یہ اس وقت روپیہ لے کر واپس ہوا جب اس کا انتقال ہو چکا تھا، ایک لاکھ اشرفیوں سے زیادہ کی رقم تھی، محصل نے ظاہر کو اطلاع دی، چونکہ اس کے نزدیک یہ رقم جائز

طریقہ سے نہیں حاصل کی گئی تھی، اس لئے اس نے حکم دیا کہ جن جن لوگوں سے وصول کی گئی ہے ان کو واپس کر دیجائے، ناصر کے زمانہ میں جس قدر آدمی استحصال زر کے لئے قید کئے گئے تھے ان سب کو رہا کر کے ان کا روپیہ انھیں واپس کر دیا، اور نادار مجرم قیدیوں کے مصارف کے لئے دس ہزار اشرفیاں دیں،

ناصر کے دور کی تجارتی پابندیوں کی وجہ سے موصل وغیرہ میں بڑی گرانی رہتی تھی، ظاہر نے غلہ کی تجارت کو ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد کر دیا، اور عام اجازت دیدی کہ ہر تاجر بغیر روک ٹوک کے موصل اور دیار جزیرہ میں غلہ لے جا سکتا ہو، اس سے وہاں غلہ کی بڑی ارزانی ہو گئی، لیکن اس سے خود بغداد وغیرہ میں غلہ گراں ہو گیا، لوگوں نے مشورہ دیا کہ کچھ دنوں کے لئے غلہ کی برآمد روک دی جائے، ظاہر نے کہا دونوں مسلمان ہیں اس لئے مجھے دونوں کا یکساں لحاظ ضروری ہے، اور سرکاری غلہ خانوں کو حکم دیا، کہ وہ عام نرخ سے سستا فروخت کریں، اس سے عام بازار کا بھاؤ گر گیا، اور یہاں بھی ارزانی ہو گئی، اس کی تخت نشینی کے وقت موصل میں ۷ مکوک (ایک پیمانہ) غلہ ایک اشرفی اور دو تہائی قیراط میں ملتا تھا لیکن اس کے زمانہ میں ایک اشرفی میں چار مکوک ملنے لگا، اسی تناسب سے کھجور، چاول اور تل وغیرہ ہر چیز سستی ہو گئی، بعض لوگوں نے ظاہر کو ٹوکا کہ آپ جتنا مال صرف کرتے ہیں، اور محاصل کا جس قدر حصہ چھوڑ دیتے ہیں دوسرا شخص اس کا معمولی حصہ بھی نہیں چھوڑ سکتا، اس نے یہ بلیغ اور سبق آموز جواب دیا کہ "میں نے عصر کے وقت دوکان کھولی ہے (تخت نشینی کے وقت اس کی عمر باون سال تھی) اس لئے بھلائی کا جتنا سودا بھی ہو سکے کر لینے دو، مجھے زندہ ہی کے دن رہنا ہے"، اپنی تخت نشینی کی شب کو اس نے فقہاء، اور اہل علم میں ایک لاکھ

اشرفیاں تقسیم کی تھیں[۱]،

اس کی فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ناصر نے اپنے زمانہ میں ایک حوض بھر سونا جمع کیا تھا، ظاہر نے چند مہینوں کے اندر کل صرف کر دیا[۲]، اس کا بڑا حصہ غالباً لوگوں کے غصب شدہ مال کی واپسی میں صرف ہوا ہوگا،

ایک دن ظاہر خزانہ میں گیا، اس کے عہدہ داروں نے عرض کیا کہ آپ کے اسلاف کے زمانہ میں خزانہ بھرا ہوا تھا، ظاہر نے کہا خزانہ بھرنے کے لئے نہیں بلکہ خالی کرنے اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے ہے، جمع کرنا تاجروں کا شیوہ ہے[۳]،

اپنی وفات سے چند دن پیشتر حکومت کے عمال و عہدہ داروں کی تنبیہ و اصلاح کے لئے یہ فرمان جاری کیا،

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، میں نے تم لوگوں کو جو ڈھیل دے رکھی ہے اور تمہارے افعال سے جو چشم پوشی برتا ہوں، اس کا سبب غفلت اور لاپروائی نہیں ہے بلکہ عمداً اس لئے ہے تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ تم میں سے کس کے اعمال اچھے ہیں، تمہاری تمام گذشتہ بداعمالیاں ملک کی بربادی، رعایا کی خانماں خرابی، شریعت کی اہانت، مکر و فریب سے حق کی خفی شکل میں کھلے ہوئے باطل کا اظہار، ذاتی اغراض کے لئے استیفاو استدراک[۴] کے خوشنما الفاظ سے استیصال اور احتیاج کی تعبیر وغیرہ جن کے تم ایک شیر غرا کے سامنے موقع پاکر مرتکب ہوئے ہو معاف کی جاتی ہیں، تم اس شیر کے امین اور معتمد ہو اس کے باوجود اس کی رائے کو اپنی خواہشوں کے مطابق اور اپنے باطل کو اس کے حق کے ساتھ خلط ملط کرنا چاہتے ہو وہ تم کو دیتا ہے

---

[۱] یہ تمام واقعات ابن اثیر ج ۲ ص ۱۲۱ تا ۱۲۲ سے ماخوذ ہیں [۲] الفخری ص ۲۰۸ [۳] تاریخ الخلفاء ص ۴۵۲ [۴] استیفا اور استدراک تحصیل محاصل کی ظالمانہ صورتیں تھیں جو حصول زر کے لئے پیدا کی گئی تھیں، جس طرح آج ظالم حکومتیں مختلف خوبصورت ناموں سے ناجائز طریقہ سے روپیہ وصول کرتی ہیں،

اور تم اس کی نافرمانی کرتے ہو وہ تمہاری موافقت کرتا ہے، اور تم اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو اب خدا نے تمہارے خوف وہراس کو امن ۔ و رتمہارے فقر و احتیاج کو دولت و تونگری اور تمہارے باطل کو حق سے بدل دیا ہے، اور تم کو ایک ایسا حکمراں عطا کیا ہے جو لغزشوں کو معاف کر دیتا ہے اور صرف اسی سے مواخذہ کرتا اور اسی سے انتقام لیتا ہے جو اپنی غلطیوں پر مصر و قائم رہتا ہے وہ تم کو عدل کا حکم دیتا ہے اور تم سے انصاف چاہتا ہے تم کو ظلم سے روکتا ہے، اور اس کو تمہارے لئے ناپسند کرتا ہے وہ خود خدا سے ڈرتا ہے اور تم کو بھی بزور اس سے ڈرانا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے اچھی امید رکھتا ہے اور تم کو اس کی اطاعت کی طرف مائل کرتا ہے پس اگر تم خلفاء اللہ فی الارض کے عہدداروں اور اس کی مخلوق کے امینوں کے طریقہ پر چلو گے تو فبہا ورنہ برباد ہو جاؤ گے۔

اس فرمان کے ساتھ زبانی پیام کہلا بھیجا کہ اس فرمان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ لوگ صرف زبان سے یہ کہنے پر اکتفا کریں کہ "فرمان شرف صدور لایا" اور اس کا کوئی اثر اور نتیجہ ان کے عمل میں ظاہر نہ ہو، تم لوگوں کے لئے زبانی باتیں بنانے والے امام سے زیادہ باعمل امام کی ضرورت ہے۔[1]

---

[1] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۷۶ و ۱۷۷۔

ابوجعفر منصور الملقب بہ مستنصر باللہ

۶۲۳ھ تا ۶۴۰ھ مطابق ۱۲۲۶ء تا ۱۲۴۳ء

ظاہر کی وفات کے بعد رجب ۶۲۳ھ میں اس کا لڑکا ابوجعفر منصور تخت نشین ہوا، اور مستنصر باللہ لقب اختیار کیا، یہ ایک ترکی لونڈی کے بطن سے تھا، تخت نشینی کے وقت ۲۳ سال کی عمر تھی،

مستنصر اپنے محاسن اور کارناموں کے لحاظ سے ظاہر کا خلف الصدق تھا،

ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ رعایا کے ساتھ نیکی اور احسان وسلوک میں اپنے باپ کے نقش قدم پر تھا، تخت نشینی کے ساتھ اس نے اعلان عام کر دیا تھا کہ ہر شخص کیساتھ عدل وانصاف برتا جائیگا، ہر حاجت مند کی حاجت پوری اور ہر مظلوم کی دادرسی کی جائے گی،[1]

تخت نشینی کے بعد وہ عرصہ تک زندہ رہا، اس لئے عباسی خلافت کو مختلف حیثیتوں سے ترقی دینے کا اس کو پورا موقع ملا، اس کے نام کا خطبہ مشرق سے لیکر اندلس اور مغرب کے بعض علاقوں تک پڑھا جاتا تھا، آخری دور میں اس کا زمانہ خلافت عباسیہ کا دور زریں تھا، اسکی تفصیل آخر میں آئے گی،

[1] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۷۶،

بیت المقدس پر صلیبیوں کا عارضی قبضہ	اس کے دور میں دنیائے اسلام میں دو خاص اہم واقعے رونما ہوئے، ایک بیت المقدس پر صلیبیوں کا عارضی قبضہ ہوگیا،

دوسرے مشرق پر تاتاریوں کی دوسری یورش ہوئی، جس نے سارے مشرق کو ویران کر ڈالا اور اسی یورش میں خوارزمی حکومت کا خاتمہ ہوگیا،

بیت المقدس کا اصل محافظ ایوبی خاندان تھا، صلاح الدین کی آنکھ بند ہوتے ہی، اس کے جانشینوں میں خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہوگیا، جس سے ایوبی بیت المقدس کی حفاظت سے قاصر ہوگئے،

اس کی تفصیل یہ ہے کہ صلاح الدین کی وفات کے وقت اس کا جو لڑکا جہاں تھا وہاں اس نے اپنی حکومت قائم کر لی، چنانچہ عزیز نے مصر میں، افضل نے دمشق میں اور ظاہر غازی نے حلب میں مستقل حکومتیں قائم کرلیں، اور ایک متحدہ حکومت کے بجائے تین حکومتیں ہوگئیں، اور ان میں خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہوگیا، صلاح الدین کے بھائی الملک العادل نے (۵۹۶ھ تا ۶۱۵ھ) مصر و دمشق پر قبضہ کرکے اس منتشر شیرازہ کو پھر مجتمع کرنے کی کوشش کی،

رچرڈ اور صلاح الدین کی صلح کے بعد صرف چند برسوں کے لئے صلیبی لڑائیاں بند ہوتی تھیں، عادل کے زمانہ میں پھر اس کا سلسلہ شروع ہوگیا، اس نے صلیبیوں کے مقابلہ میں صلاح الدین کی پوری جانشینی کی اور شام میں انکی قوت نہ بڑھنے پائی،

۶۱۵ھ میں عادل کا انتقال ہوگیا، اس کے پانچ لڑکے تھے، عادل نے اپنی زندگی میں سلطنت ان پانچوں میں تقسیم کردی تھی، مصر کی مرکزی حکومت میں بڑے لڑکے الملک الکامل کو جانشین بنایا، دمشق، قدس، طبریہ، اردن اور کرک کا علاقہ معظم عیسیٰ

کو دیا، خلاط اور جزیرہ کا کچھ حصہ اشرف موسیٰ کو رہا شہاب الدین غازی کو اور جعبر کا قلعہ ارسلان شاہ کو عطا کیا،

باپ کی وفات کے بعد چند سال تک پانچوں بھائی بڑے اتحاد و اتفاق سے رہے، سب کامل کو بزرگ خاندان اور اپنا مربی و سرپرست مانتے تھے، اور اس کے نام کا خطبہ پڑھتے تھے،[۱]

لیکن یہ اتحاد زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا، اور معظم فرماں روائے دمشق و قدس کی زیادتی کی وجہ سے اختلاف شروع ہو گیا، کامل نے اسکو رفع کرنے کی کوشش کی لیکن معظم کی فتنہ انگیزی کی وجہ سے اور زیادہ بڑھ گیا،[۲]

یہ وہ زمانہ تھا، جب فریڈرک دوم بادشاہ جرمنی، اسٹریا اور سسلی کے زیر قیادت چھٹی جنگ صلیبی شروع ہو چکی تھی، اور فلسطین کے ساحلی علاقہ پر فرنگیوں کا ہجوم تھا، لیکن معظم نے اندرونی فتنہ انگیزی کے باوجود فرنگیوں کا پورا مقابلہ کیا، اور جب تک زندہ رہا، اون کو ان کے قدیم مقبوضات سے آگے نہ بڑھنے دیا، ۶۲۴ھ میں اس کا انتقال ہو گیا، اور اس کا صغیر السن لڑکا داؤد تخت نشین ہوا، کامل نے جنگی ضرورت کے لئے اس سے شوبک کا قلعہ مانگا، اس مطالبہ پر داؤد نے اس کا خطبہ بند کر کے علم بغاوت بلند کر دیا، کامل نے فوج کشی کر کے نابلس اور بیت المقدس پر قبضہ کر لیا، داؤد نے اپنے دوسرے چچا اشرف کو مدد کے لئے بلا بھیجا، وہ آیا، لیکن کامل نے دمشق پر قبضہ کر کے اسکے حوالہ کر دینے کا وعدہ کر کے، اس کو اپنے ساتھ ملا لیا،[۳]

فلسطین کے ساحل پر صلیبیوں کی یورش برابر قائم تھی، اور انھوں نے ایک دو

---

[۱] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۳۸، [۲] ابن خلدون نے اسکی پوری تفصیل لکھی ہے ملاحظہ ہو ج ۵ ص ۳۵۰، [۳] ایضاً ص ۳۵۱،

مقاموں پر قبضہ بھی کر لیا تھا،

فریڈرک کی پرورش سسلی کی اسلامی فضا میں ہوئی تھی، اس لئے وہ مسلمانوں سے بہت مانوس تھا[1] اور سسلی کے مسلمانوں سے اس کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے[2]، اور وہ ایک مرتبہ جنگ صلیبی سے واپس چلا گیا تھا، اس جرم میں پوپ گریگوری نے اسکو مسیحیت سے خارج کر دیا تھا[3]،

اسکو جنگ صلیبی کے دوسرے قائدوں کی طرح مسلمانوں سے عناد نہ تھا، وہ صرف بیت المقدس پر قبضہ یا کم از کم اس پر عیسائیوں کے کچھ حقوق چاہتا تھا، چنانچہ اس نے جنگ و خونریزی کے بجائے صلح و آشتی کے ذریعہ اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی، اور اس بارہ میں کامل سے خط و کتابت کی، اس کے دماغ پر اس وقت دمشق پر قبضہ کرنے کا خیال ایسا مسلط تھا کہ اس نے ربیع الثانی ۶۲۶ھ میں حسب ذیل شرائط پر بیت المقدس اس کے حوالہ کر دیا،

(۱) فرنگی بیت المقدس کی شہر پناہ جس کو ایوبی سلاطین نے مسمار کر دیا تھا دوبارہ نہ تعمیر کریں گے،

(۲) قبۃ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں گے،

(۳) بیت المقدس اور ساحل سے اس کے راستہ کے چند مقامات کے علاوہ باقی پورا علاقہ خلیل، نابلس، طبریہ اور سارے مواضعات مسلمانوں کے قبضہ میں رہیں گے[4]،

یہ عربی مورخین کا بیان ہے انگریزی مورخین لکھتے ہیں کہ درحقیقت وہ قابض

---

[1] ابو الفداء ج ۳ ص ۱۴۱، [2] تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۶۳ ترجمہ اردو جامعہ عثمانیہ
[3] ایضاً و تاریخ عرب صلیبیہ ص ۲۱۴ [4] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۸۱ و ابو الفداء ج ۳ ص ۱۴۱،

نہیں ہوا بلکہ صرف فلسطین میں مسیحی زائروں کے داخلہ کی اجازت حاصل کی تھی[1] مصنف خطط الشام کا بیان ہو کہ کامل نے صرف دس سال کے لئے عارضی قبضہ دیا تھا[2] بہرحال دنیائے اسلام اس عارضی قبضہ سے بھی بہت متاثر ہوئی، اور مسلمانوں نے کامل کے اس فعل پر بڑی ناپسندیدگی ظاہر کی،

تاتاریوں کی دوسری یورش اور خوارزمی حکومت کا خاتمہ

گرجستان پر قبضہ تک جلال الدین کے حالات اوپر گذر چکے ہیں، اس کے بعد وہ آذربیجان اور خلاط کی فوج کشی میں مشغول ہوگیا تھا اور اس کے اور ملک الاشرف ایوبی فرماں روائے خلاط کے درمیان بڑی خونریز لڑائیاں ہوئیں ۶۲۶ھ میں خلاط پر قبضہ کرکے بڑی وحشت و درندگی کا ثبوت دیا، اور تاتاریوں کی طرح خلاط کو بالکل ویران کر ڈالا، لیکن پھر ایک ہی سال بعد ۶۲۷ھ میں علاء الدّین کیقباد بن کیخسرو سلجوقی فرماں روائے ایشیائے کوچک کی مدد سے جلال الدین کو شکست دے کر خلاط واپس لے لیا، اس شکست سے جلال الدین کی قوت کو بڑا صدمہ پہنچا اور اسے مجبور ہوکر اشرف اور علاء الدّین سے صلح کرنی پڑی،[3]

۶۲۴ھ میں چنگیز خاں کا انتقال ہوگیا تھا، اور اس کے بعد تاتار کی مرکزی حکومت میں اس کا لڑکا اکتائی قاآن تخت نشین ہوا تھا،

ہندوستان سے جلال الدّین کی واپسی کے بعد اس کی قوت پھر بڑھ گئی تھی، اور جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، اس نے عراق، فارس، گرجستان، آذربیجان اور خلاط وغیرہ پر قبضہ کر لیا تھا، اس لئے اکتائی نے اس کے انسداد کی طرف توجہ کی اور امیر جرماغون کو اسّی ہزار فوج کے ساتھ جلال الدّین کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا،[4]

[1] تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۶۲ [2] خطط الشام کرد علی ج ۲ ص ۹۶ [3] ابوالفدار ج ۳ ص ۱۴۶
[4] تاریخ جہانگشائے جوینی ج ۲ ص ۱۸۳،

جلال الدین کی بدقسمتی سے جرماغون اس وقت آذربیجان پہنچا جب اشرف سے جلال الدین کی شکست کے بعد اسکی قوت ٹوٹ چکی تھی اور اس میں تنہا تاتاریوں کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس لئے وہ اشرف اور دوسرے فرماں رواؤں سے مدد لینے کے لئے خلاط چلا گیا[1]، جوینی کا بیان ہے کہ اس نے خلافت بغداد اور شام و روم کے تمام مسلمان فرماں رواؤں کے پاس مدد کے لئے قاصد بھیجے لیکن سب سے اس کے تعلقات خراب تھے اس لئے کسی نے مدد نہ کی[2]،

ابھی جلال الدین خلاط ہی میں تھے کہ تاتاری پہنچ گئے، جلال الدین یہاں سے دیار بکر روانہ ہوگیا، آمد میں منزل کی تھی کہ تاتاری بھی تعاقب کرتے ہوئے سر پر پہنچ گئے، اور جلال الدین کی قیام گاہ پر حملہ کر دیا، وہ اس وقت نشہ میں مدہوش تھا، امیر اور خان نے ہوشیار کرکے گھوڑے پر بٹھا کر نکل جانا چاہا، جلال الدین نے اس سے کہا کہ تم انکو جنگ میں الجھائے رکھو تاکہ میں نکل جاؤں، اس نے اس کی تعمیل کی اور جلال الدین موقع پاکر باسورہ آمد چلا گیا، لیکن آمد میں داخل نہ ہوسکا، اور مجبور ہو کر میافارقین کے ایک گاؤں میں پناہ لی، یہاں آنے کے ساتھ تاتاریوں کا ایک دستہ پہنچ گیا، اس لئے جلال الدین یہاں بھی نہ ٹھہر سکا، اور کوہستانی علاقہ کی جانب نکل گیا، یہاں جرائم پیشہ کردوں نے پکڑ لیا اور اس کا قیمتی لباس چھین کر قتل کر دینا چاہا، جلال الدین نے اس سے کہا کہ میں سلطان ہوں مجھ کو قتل نہ کرو میں تم کو بادشاہ بنا دوں گا یہ سنکر کردوں اسے اپنے گھر لے گیا، اور اپنا کچھ سامان لینے کے لئے کوہستان چلا گیا، ایک دوسرے کرد کو جس کا بھائی جلال الدین کے ہاتھوں قتل ہوا تھا پتہ چل گیا، وہ پہنچا اور

---

[1] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۹۰ [2] جوینی ج ۲ ص ۱۸۳،

کردکی بیوی سے کہا اس خوارزمی کو تم لوگوں نے قتل کیوں نہیں کیا، اس نے جواب دیا میرا شوہر اسے امان دے چکا ہے، کرد بولا یہ سلطان ہے، اور میرے بھائی کو خلاط میں قتل کر چکا ہے اور نیزہ مار کر جلال الدین کا کام تمام کر دیا، یہ واقعہ وسط شوال ۶۲۸ھ میں پیش آیا، جلال الدین کے قتل کے بعد خوارزمی حکومت ختم ہوگئی،[۱]

اس دوسری یورش میں تاتاریوں نے آذربیجان پر قبضہ کر لیا، اور دیار بکر، جزیرہ اور خلاط وغیرہ کو فتح کر کے ماوراء النہر کی طرح بالکل ویران کر ڈالا، لوگوں کے دلوں میں ان کی اتنی وحشت چھا گئی تھی کہ تنہا ایک تاتاری پورے ایک گاؤں اور بڑے بڑے مجمعوں میں گھس جاتا تھا، اور سب کو ایک ایک کر کے قتل کر ڈالتا، اور کسی کو اس سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی،[۲]

تاتاری اور خلافت بغداد مستنصر کے زمانہ میں تاتاریوں نے سلطنت عباسیہ کے آس پاس کے سارے ملکوں اور حکومتوں پر قبضہ کر لیا تھا،[۳] اور عباسی سرحد تک پہنچ گئے تھے، لیکن اس کے حدود میں قدم نہیں رکھا، سیوطی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی علاقہ کی طرف بھی قدم بڑھایا تھا، لیکن مستنصر کی فوجوں نے پسپا کر دیا،[۴] لیکن یہ روایت اور تمام مورخین کے متفقہ بیانات کے خلاف ہے، البتہ ان کی یورش کا خطرہ ضرور پیدا ہو گیا، چنانچہ مستنصر نے مدافعت کا پورا انتظام کر لیا تھا، سیوطی

---

[۱] جوینی نے اس کی بڑی لمبی تفصیل لکھی ہے اور مذکورۂ بالا بیان اور اس کے بیان میں خفیف سا فرق ہے، ہم نے ابوالفداء کا بیان نقل کیا ہے، جو خاص جلال الدین کے میر منشی جلال الدین محمد نسوی کی کتاب سے ماخوذ ہے، اور اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا بیان معتبر نہیں ہو سکتا، ملاحظہ ہو، ابوالفداء ج ۳ ص ۱۵۰ و ۱۵۱ [۲] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۹۴، ۱۹۵ [۳] ابن خلدون ج ۳ ص ۵۳۶،

[۴] تاریخ الخلفاء ص ۴۷۳،

کا بیان ہے کہ مستنصر نے تاتاریوں کے مقابلہ کے لئے اتنی بڑی فوج تیار کی تھی کہ اس کے پیشرؤں میں سے کسی کے زمانہ میں نہ تھی[1]،

وفات مستنصر | جمادی الثانی ۶۴۰ھ میں مستنصر کا انتقال ہوگیا، اس وقت کل چالیس کم اکیاون سال کی عمر تھی، مدت خلافت سترہ سال،

مستنصر اپنے اوصاف حمیدہ اور کارناموں کے اعتبار سے ظاہر کا صحیح جانشین تھا، اس نے اپنے زمانہ میں بڑے کارنامے انجام دئے، ابن طقطقی کا بیان ہے، کہ مستنصر بہادر، فیاض و سیر چشم تھا، اس کے انعام و عطایا اور جود و کرم کی شہرت ثبوت سے مستغنی اور حد شمار سے باہر ہے، عباسی خلفاء میں فیاضی میں کوئی اس کا ہمسر نہ تھا، اس نے اپنے زمانہ میں بڑے بڑے کام کئے اور اپنی بڑی یادگاریں چھوڑ گیا، ان میں سب سے بڑی یادگار مدرسہ مستنصریہ تھا جس کے وصف سے بیان قاصر ہے، اس کے علاوہ سرائے حربی، اس کا پل، سرائے نہر سابس، سرائے خرنینی اور بکثرت مسجدیں خانقاہیں اور مسافر خانے بنوائے، وہ کہا کرتا تھا، کہ میری نگاہ میں سونا اور مٹی دونوں برابر ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، کہ لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون، اس لئے مجھ کو خطرہ ہے کہ میں نے جو کچھ صرف کیا ہے، اس کا مجھے کوئی ثواب نہ ملے گا، اس کا عہد سرور و شادمانی کا زمانہ تھا، دینا (مراد عباسی خلافت) میں امن و سکون اور اعمال خیر کا دور دورہ تھا، اور ملک شاد و آباد تھا[2]،

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس کی حکومت بڑے شکوہ و تجمل کی تھی خدم و حشم کی کثرت تھی، وہ بڑا عادل، دیندار اور سرکشوں کا دشمن تھا، اس نے خلافت کی ذمہ داریوں کو

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۳۰۷، [2] الفخری ص ۲۹۵،

بڑی خوبی سے سنبھالا، بکثرت مسجدیں اور مدرسے بنوائے، روپیہ بے دریغ صرف کیا، سارے سلاطین اس کے مطیع و منقاد تھے، اس کا دادا ناصر اس کی عقل و فرزانگی اور حق پرستی کی وجہ سے اس کو قاضی کہا کرتا تھا، اس نے ایک ایسا عظیم الشان مدرسہ بنوایا، جس کی نظیر دنیائے اسلام میں نہ تھی، تاتاریوں کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر جرار تیار کیا، جس کی سوار فوج کی تعداد ایک لاکھ تھی، اندلس اور شمالی افریقہ کے بعض علاقوں تک میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا،[1]

سیوطی کا بیان ہے کہ مستنصر نے تخت نشینی کے بعد رعایا میں عدل و انصاف قائم کیا، علماء اور اہل دین کو مقرب بنایا، مسجدیں خانقاہیں، مدرسے اور شفا خانے قائم کئے، دین کا آوازہ بلند کیا، سرکشوں کا قلع قمع کیا، سیرت نبوی کی اشاعت کی، فتنوں کا انسداد کیا، لوگوں کو صحیح راستہ پر لگایا، جہاد کا پورا فرض انجام دیا، اسلام کی مدد اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے فوجیں جمع کیں،[2]

اس کا سب سے بڑا کارنامہ مدرسہ مستنصریہ ہے، اس کے قیام سے پہلے بغداد کا سب سے بڑا مدرسہ نظامیہ تھا، لیکن وہ نظام الملک طوسی کی یادگار تھا، خاص عباسی خلفاء کی کوئی علمی یادگار نہ تھی، مستنصر نے اس کمی کو پورا کیا، اور ایسا عظیم الشان مدرسہ قائم کیا، جس کے سامنے نظامیہ ماند پڑ گیا،

ذہبی کا بیان ہے کہ ۶۲۵ھ میں دجلہ کے ساحل پر اس مدرسہ کی بنیاد پڑی، سات برس میں عمارت بن کر تیار، اور ۶۳۲ھ میں بڑی شان و شوکت سے اس کے افتتاح کی تقریب عمل میں آئی، قضاۃ، علماء و مدرسین اور ارکان دولت و عمائد سلطنت اس تقریب

---

[1] دول الاسلام ج ۲ ص ۱۱۱، [2] تاریخ الخلفاء ص ۳۰۴،

میں شریک تھے،

مدرسہ کے متعلق ایک بڑا کتب خانہ تھا، جس میں ۸۰ بار شتر نفیس اور منتخب کتابیں تھیں، مدرسہ میں چاروں مذاہب کے ۲۴۸ طلبہ داخل ہوئے، اور چار بڑے استاذ شیخ الحدیث، شیخ النحو، شیخ الطب اور شیخ الفرائض مقرر کئے گئے، (چھوٹے مدرسین کی تعداد ان کے علاوہ تھی) طلبہ کو کپڑے کے کھانے کے علاوہ مٹھائیاں اور میوے بھی ملتے تھے، مدرسہ کے مصارف کے لئے بہت بڑی جائداد وقف کی[۱]

ابن واصل کا بیان ہے کہ روے زمین پر اس سے بہتر کوئی مدرسہ نہ تھا، اور نہ کسی مدرسہ کا وقف اتنا بڑا تھا، اس میں چاروں مذاہب کے طلبہ تھے، مدرسہ سے متعلق ایک شفاخانہ، مطبخ اور ٹھنڈے پانی کے لئے آبدار خانہ تھا، طلبہ کو چٹائیاں، فرش، تیل، کاغذ، قلم، دوات مفت اور کھانے کے علاوہ ہر طالب علم کو ایک اشرفی ماہانہ وظیفہ ملتا تھا، مدرسہ سے متعلق ایک عمدہ حمام بھی تھا[۲]

مستنصر شعر و شاعری سے بھی ذوق رکھتا تھا، شعرار کا قدردان تھا، ایک مرتبہ ایک شاعر وجیہہ قیروانی نے ایک قصیدہ لکھ کر پیش کیا، اس کا ایک شعر یہ تھا،

لو کنتَ یوم السقیفۃ حاضرا کنتَ المقدم والامام الاورعا

"اگر آپ سقیفہ کے دن موجود ہوتے تو آپ ہی امام منتخب کئے جاتے"

مستنصر نے اس شعر کو بہت پسند کیا، دربار میں ایک حق گو اور حق پرست بھی موجود تھا، اس نے شاعر کو ٹوکا کہ تم نے غلط کہا، امیر المومنین کے جد امجد (حضرت عباس بن عبد المطلب) اس زمانہ میں موجود تھے لیکن حضرت ابوبکرؓ کے مقابلہ میں انکو کسی نے امام نہیں بنایا، یہ سچا جواب مستنصر نے بھی پسند کیا، اور ٹوکنے والے کو خلعت عطا کیا، اور وجیہہ کو شہر بدر کرادیا، (تاریخ الخلفاء، ص ۴۷۴)

ابو احمد عبداللہ بن مستنصر الملقب بہ مستعصم باللہ

۶۴۰ھ تا ۶۵۵ھ مطابق ۱۲۴۱ء تا ۱۲۵۷ء

مستنصر کے بعد اہلیت و قابلیت کے اعتبار سے اس کا بھائی خفاجی سب سے زیادہ خلافت کا مستحق تھا، لیکن امیر دویدار اور امیر شرابی وغیرہ ارکین دولت نے اپنے ذاتی مفاد و مصالح کے اعتبار سے مستنصر کے لڑکے ابو احمد عبداللہ کو خلیفہ بنا دیا اور وہ جمادی الثانی ۶۴۰ھ میں تخت نشین ہوا، اور مستعصم باللہ لقب اختیار کیا، یہ ایک لونڈی ہاجر کے بطن سے تھا،

مستعصم میں ذاتی خوبیاں بہت تھیں، نیک فطرت، نرم خو، شیریں زبان، پاکباز و خوش خلق تھا، سخت گیری مطلق نہ تھی، لیکن جہانبانی کے اوصاف سے تہی دامن تھا، طبیعت کا کمزور، رائے کا کچا، امور مملکت سے ناواقف اور بے رعب تھا، اس کا سارا وقت گانے بجانے اور ہنسی مذاق وغیرہ تفریحی مشاغل میں گذرتا تھا، علم و فن اور مطالعہ کا ذوق کم رکھتا تھا، اس کے مصاحب و حاشیہ نشین ادنیٰ درجہ کے جاہل عوام تھے، البتہ اس کا وزیر موئید الدین محمد بن علقمی بڑا عاقل و فرزانہ تھا، لیکن اسکی طینت خراب تھی، بڑا بے فیض و ناقابل اعتبار تھا، اس کا کام صرف عمال کی معزولی اور ان کی گرفتاری تھی، (الفخری ص ۲۹۰)

مستعصم کی نااہلی کی وجہ سے ارکین سلطنت خصوصاً ابن علقمی اس پر بہت حاوی ہو گیا تھا[1]، جس کا نتیجہ عباسی حکومت کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہوا۔

مصر کی ایوبی حکومت کا خاتمہ اور ممالیک کی حکومت کا قیام

مصر کی ایوبی حکومت گو دولت عباسیہ کے خاتمہ کے دو تین سال بعد ختم ہوئی، لیکن عملاً اس کا خاتمہ عباسیوں سے پہلے ہو چکا تھا، آیندہ مصر کے عباسی خلفاء کے حالات میں ضمناً اس کا ذکر آئے گا، اس لیے اس کے قیام کے مختصر حالات سن لینے چاہئیں۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ الملک العادل کے بعد اس کے لڑکوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی تھی، دو پشتیں اس میں گذر گئیں، الملک العادل کے بعد اس کا لڑکا الملک الکامل اور اس کے بعد اس کا لڑکا عادل بن کامل، کامل کے بعد اس کا بھائی الملک الصالح تخت نشین ہوا، یہ بڑے دبدبہ و شکوہ کا فرماں روا تھا، معتصم عباسی کی طرح اسے ترکی غلاموں کا بہت شوق تھا، چنانچہ اس نے ان کی بڑی تعداد جمع کی، اور انھیں آگے بڑھایا، اس کی فوج کے اکثر افسر ترک تھے، اسکی ڈیوڑھی پر بھی ترک دستہ متعین رہتا تھا، یہ ترک بحریہ کہلاتے تھے چنانچہ اس کے زمانہ میں بحریہ کا بڑا غلبہ ہو گیا[2]، ۶۴۷ھ میں الملک الصالح کا انتقال ہو گیا، اس کے ایک ہی لڑکا تو رانشاہ الملقب بہ الملک المعظم تھا، باپ کی وفات کے وقت وہ دار السلطنت سے دور حصن کیفا (شام) میں تھا، اس لیے صالح کی وفات کے بعد بد نظمی کا خطرہ تھا، صالح کی سوتیلی ماں شجرۃ الدر بڑی عاقلہ تھی، اس نے شوہر کی موت کو مخفی رکھا، اور امراء سے بڑی ہوشیاری کے ساتھ تو رانشاہ کی ولیعہدی کی بیعت لینے کے بعد الملک الصالح کی موت کا اعلان کیا[3]، اور تو رانشاہ

---

[1] ابو الفداء، ج ۳ ص ۱۹۳۔ [2] ایضاً ص ۱۷۹۔ [3] ایضاً ص ۱۸۰۔

کے مصر پہنچنے تک حکومت کے فرائض خود انجام دیتی رہی، تورانشاہ نے حکومت کی باگ ہاتھ میں لینے کے بعد شجرۃ الدر سے باپ کی دولت کا مطالبہ کیا، اور اسے دھمکایا، اس نے ممالیک بحریہ سے شکایت کی کہ تورانشاہ میری خیر خواہی کا یہ صلہ دے رہا ہے، اس سے ان کو ناگواری پیدا ہوئی[1] تورانشاہ نے بحریہ کی بھی تحقیر و تذلیل کی اور ان کے مقابلہ میں ان امرأ کو جو شام سے اس کے ساتھ آئے تھے بڑھانا شروع کیا، اس لئے وہ اس کی جان کے دشمن ہو گئے، اور موقع پاکر محرم ۶۴۸ھ میں تورانشاہ کو قتل کر دیا، اس کی مدت حکومت کل چند مہینے تھے[2]

توران شاہ کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے بحری امرار نے شجرۃ الدر کو تخت نشین کر دیا، اور اپنے ایک سردار امیر معزالدین ایبک جاشنگیر ترکمانی کو سپہ سالار افواج مقرر کیا، لیکن شام کے ایوبی امرار نے شجرۃ الدر کی حکومت تسلیم نہیں کی، اور اپنے یہاں انھوں نے ایوبی خاندان کے ایک رکن ملک الناصر صلاح الدین یوسف والی حلب کو اپنا بادشاہ بنا لیا، اور اس نے دمشق پر جو مصری حکومت کا علاقہ تھا قبضہ کر لیا، اس سے مصری فوج بھی مذبذب ہو گئی، یہ صورت دیکھ کر شجرۃ الدر نے امیر عزالدین سے شادی کر لی، اور اس کے حق میں حکومت سے دست بردار ہو گئی، اور وہ مصر کا مستقل بادشاہ ہو گیا[3]، بحری امرار میں کچھ لوگ امیر معزالدین کے حریف تھے، ان کو اس کی بادشاہت گوارا نہ ہوئی، چنانچہ انھوں نے موسیٰ بن یوسف ایوبی الملقب بہ الملک الاشرف فرماں روائے یمن کو لا کر تخت نشین کیا، اور امیر معزالدین کو کار پرداز سلطنت بنایا، لیکن اشرف محض نام کا حکمراں تھا، اختیارات تمامتر معزالدین کے ہاتھوں

---

[1] خطط مقریزی ج ۳ ص ۳۸۵ [2] ایضاً و ابوالفدا ج ۳ ص ۱۸۱ [3] خطط مقریزی ج ۳ ص ۳۸۵،

میں تھے، اشرف باختلاف روایت دو یا چار سال تک حکمراں رہا، اور ۶۵۰ھ یا ۶۵۲ھ میں معز الدین نے اس کو گرفتار کر کے قید کر دیا، اور خود مصر کا مستقل حکمراں بن گیا، اور مصر سے ایوبی حکومت ختم ہو گئی[1]،

لیکن معز الدین کو زیادہ دنوں تک حکومت کرنے کا موقع نہ ملا، مصر کی فرماں روائی ملنے کے بعد اس نے بدر الدین لولو والی موصل کی لڑکی سے شادی کرنے کا ارادہ کیا، شجرۃ الدر کو اس کی اطلاع ہو گئی، اس نے ربیع الاول ۶۵۵ھ میں ترکی امراء کو ملا کر معز الدین کو قتل کرا دیا، اس کے بعد اس کا لڑکا نور الدین علی الملقب بہ ملک المنصور تخت نشین ہوا[2]، نور الدین کے بعد سیف الدین قطز اور اس کے بعد ملک الظاہر بیبرس بند قداری تخت نشین ہوا اسی کے زمانہ میں مصر میں عباسی خلافت قائم ہوئی جس کا حال آخر میں آئے گا،

تاتاری اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ چنگیز کے بعد قراقرم کی مرکزی حکومت میں اس کا لڑکا اکتائی قاآن تخت نشین ہوا تھا، اکتائی کے بعد ۶۴۳ھ میں اس کا لڑکا کیوک خاں تخت پر بیٹھا، کیوک کے بعد ۶۴۸ھ میں اس کا چچیرا بھائی منکو قاآن اس کا جانشین ہوا، اس کا ایک بھائی برکہ شیخ شمس الدین باخوری کے ہاتھوں پر مشرف باسلام ہو گیا، شیخ نے اس کو خلیفہ کی اطاعت و فرماں برداری کی تاکید کی، اس نے مستعصم کو خط لکھ کر تحریری بیعت کی اور اسکے ساتھ اسکے عقیدت مندانہ تعلقات قائم ہو گئے، اور جب تک برکہ زندہ رہا تاتاریوں نے خلافت بغداد کی طرف آنکھ نہ اٹھائی[3]،

منکو قاآن کے زمانہ میں عراق عجم میں اسمٰعیلیوں نے بڑا ظلم و فساد مچایا، اس وقت

۱؎ خطط مقریزی ج ۳ ص ۳۸۶ و ابو الفداء ج ۳ ص ۱۸۰ و ص ۱۹۰ ملخصاً ۲؎ ابو الفداء ج ۳ ص ۱۹۲ ۳؎ ابن خلدون ج ۵ ص ۵۲۹

یہ علاقہ تاتاریوں کے زیر نگیں ہو چکا تھا اس لئے یہاں کے باشندوں نے جن میں ایک ممتاز مسلمان قاضی شمس الدین قزوینی بھی تھے منکو قاآن سے اس کی فریاد کی، اس نے اپنے بھائی ہلاکو خاں کو ایران کا حاکم بنا کر اسمٰعیلیوں کے استیصال پر مامور کیا، اس نے ان کے قلعے فتح کر کے ان کے بادشاہ خورشاہ کو گرفتار کر کے منکو قاآن کے پاس بھجوا دیا، اور وہ راستہ میں قتل کر دیا گیا،[۱]

بغداد پر ہلاکو خاں کا حملہ اور عباسی خلافت کا خاتمہ

مستعصم کی نا اہلی اور اس کے شیعہ وزیر ابن علقمی کی وجہ سے بغداد کی حالت اس زمانہ میں بہت ابتر ہو رہی تھی شیعہ سنیوں، اور سنیوں کے مختلف فرقوں کے اختلافات و جنگ و جدال اور شہر کے فتنہ پرست بدمعاشوں کی فتنہ انگیزی سے حکومت کا سارا انتظام بگڑ گیا، عباسی حکومت کی آمدنی اتنی گھٹ گئی کہ اس کے مصارف پورے ہونا مشکل ہو گئے، مستعصم نے ابن علقمی کے مشورے سے فوج کا ایک حصہ برخاست کر دیا، اور باقی فوج اور دوسرے عمال حکومت کی تنخواہوں کے مصارف تاجروں، اہل حرفہ اور کاشتکاروں پر پھیلا دئے گئے، اس سے شورش اور بڑھ گئی، شیعہ سنیوں کے اختلاف میں شیعوں نے ابن علقمی کے بل پر سنیوں پر زیادتی شروع کر دی گو ابن علقمی مستعصم پر حاوی تھا لیکن مستعصم کو شیعیوں کی زیادتی ناگوار گذری، اس نے اپنے لڑکے ابوبکر اور امیر رکن الدین کو بھیجکر کرخ کا محلہ جس میں شیعہ آباد تھے لٹوا لیا،[۲]

ابن علقمی پہلے سے خلافت بغداد کے ساتھ تعصب رکھتا تھا، اس واقعہ کے بعد اس نے عباسی خلافت کو ختم کر کے علوی خلافت قائم کرنے ارادہ کر لیا،[۳]

---

[۱] تاریخ گزیدہ ج اول ص ۵۷۹ و ۵۸۰ و ابن خلدون ج ۵ ص ۵۲۶ [۲] ابن خلدون ج ۳ ص ۵۳۷ [۳] دول الاسلام ذہبی ج ۲ ص ۱۱۹،

اور عباسی فوج کے باقی حصہ کو بھی مستعصم کو یہ اطمینان دلا کر الگ کرا دیا کہ اس سے جو روپیہ بچے گا وہ تاتاریوں کی مدافعت کے دوسرے انتظامات میں کام آئے گا،[۱]

فوج برخاست کرانے کے بعد اس نے مختلف ذرائع سے تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کی دعوت دی، ابن خلدون لکھتا ہے کہ فوج کو الگ کرنے کے بعد اس نے ابن صلایا والی اربل کے ذریعہ تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کے لئے آمادہ کیا،[۲]

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس نے عباسی حکومت کو مٹا کر علوی حکومت قائم کرنے کے لئے تاتاریوں سے خط و کتابت کی،[۳]

ابوالفدار کا بیان ہے کہ ابن علقمی نے تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کے لئے لکھا اور اپنے بھائی کو زبانی پیام دے کر ان کے پاس بھیجا،[۴]

سیوطی لکھتے ہیں کہ مستعصم کو اپنے وزیر مؤید الدین علقمی شیعی پر بڑا اعتماد تھا، اس نے ملک کو تباہ کر ڈالا وہ خلیفہ سے جس طرح چاہتا تھا کھیلتا تھا، پوشیدہ تاتاریوں سے ملا ہوا اور ان کا ہوا خواہ تھا، اس نے عباسی خلافت کو مٹا کر علوی حکومت قائم کرنے کے لئے تاتاریوں کو عراق پر فوج کشی اور بغداد پر قبضہ کرنے کی طمع دلائی اور ان کی خبریں خلیفہ سے بالکل پوشیدہ رکھتا تھا،[۵]

لیکن خلافت بغداد کو مسلمانوں کی دینی حکومت کی حیثیت حاصل تھی اور انکو اس کے ساتھ دینی عقیدت تھی، اس پر ہاتھ ڈالنے سے دنیائے اسلام کے بگڑ جانے کا اندیشہ تھا اس کے علاوہ خلافت عباسیہ کے مذہبی تقدس کی وجہ سے خود ہلاکو کو خطر

---

[۱] ابن خلدون ج ۳ ص ۵۳۷ [۲] ایضاً [۳] دول الاسلام ج ۲ ص ۱۱۹ [۴] ابوالفدار ج ۳ ص ۱۹۳ [۵] تاریخ الخلفار ص ۴۷۶،

خطرہ تھا کہ اس کو چھیڑنے سے مبادا کوئی مصیبت نازل ہو جائے،
لیکن ابن علقمی کی خوش قسمتی سے مشہور شیعی فلسفی اور عالم ریاضی خواجہ نصیر الدین طوسی کو ہلاکو کے دربار میں بڑا رسوخ حاصل تھا، ہلاکو کے دل میں اس کی اتنی منزلت تھی کہ وہ اس کے ہر مشورہ پر عمل کرتا تھا[1]

اس نے یہ کہہ کر ہلاکو کی ہمت بڑھائی کہ "عادت اللہ دریں عالم چنیں قرار گرفتہ کہ امور بر مجاری طبیعت عالم باشد مستعصم باللہ در شرف نہ بہ یحییٰ بن زکریا میرسد نہ بہ حسین بن علی و ایں دو را اعادی بہ تیغ سر بریدند و جہاں ہم چناں بر قرار است"
اور ذی الحجہ ۶۵۵ھ میں ہلاکو نے بغداد پر فوج کشی کر دی، عباسی فوج کو پہلے ہی ابن علقمی الگ کرا چکا تھا، تاہم جتنی فوج باقی رہ گئی تھی اسی کو لے کر امیر دیودار نے بڑی پر زور مدافعت کی، اور پہلے حملہ میں تاتاریوں کو پسپا کر دیا، لیکن پھر انھوں نے اس زور کا دوسرا حملہ کیا کہ عباسی فوجیں اس کی تاب نہ لا سکیں اور شکست کھا کر بغداد کی جانب پسپا ہو گئیں، اتفاق سے عین اس وقت دجلہ کا ایک بند ٹوٹ گیا تھا، اس سے راستہ میں پانی حائل ہو گیا اور تاتاریوں نے تعاقب کرکے پوری فوج تہ تیغ کر دی، امیر دیودار قتل ہوا اور اس کے تمام ساتھی گرفتار ہو گئے اور تاتاریوں نے بڑھ کر بغداد کا محاصرہ کر لیا، اب اہل بغداد میں کوئی سکت باقی نہ تھی، لیکن ابھی ابن علقمی کا جذبہ انتقام ٹھنڈا نہ ہوا تھا، اس نے ہلاکو سے اپنی جان بخشی کرائی اور مستعصم اور اس کے ساتھ بغداد کے تمام علماء، فقہاء، مدرسین و اکابر و اعیان کو یہ یقین دلا کر ہلاکو کے پاس لے گیا کہ ان کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا، ہلاکو مستعصم کو منصب خلافت پر بر قرار رکھے گا اور

---

[1] الوافی بالوفیات صلاح الدین صفدی ج اول ص ۱۸۱،

اپنی لڑکی کی شادی اس کے لڑکے ابوبکر کے ساتھ کردیگا، اور یہ سب ایک ساتھ قتل کردیے گئے، مستعصم کو ڈنڈوں سے پیٹ پیٹ کر ختم کیا اور اس کی لاش کو پیروں سے مسلا، اور ان میں سے کسی کو گور وکفن تک میسر نہ ہوا، یہ واقعہ محرم ۶۵۶ھ میں پیش آیا،

اس کے بعد وحشی تاتاری بغداد میں گھس پڑے اور کئی دن تک قتل عام کرتے رہے، عورتوں اور بچوں نے نکل جانا چاہا لیکن تاتاریوں نے ان کو بھی زندہ نہ چھوڑا[1] آبادی کو ختم کر کے چالیس دن تک نہایت بے دردی سے بغداد کو لوٹتے رہے،

بغداد اپنے عروج کے زمانہ میں عروس البلاد تھا، دنیا کا کوئی شہر اس کی ہمسری نہ کرسکتا تھا، آیندہ جلد میں اسکی تفصیل آئے گی، لیکن اس گئی گذری حالت میں بھی جبکہ وہ مسلسل انقلابات سے ویران ہو چکا تھا دنیاے اسلام کے ممتاز ترین شہروں میں اس کا شمار تھا، مشہور سیاح ابن جبیر نے مستعصم سے ایک ہی پشت پہلے چھٹی صدی کے آخر میں بغداد کا سفر کیا تھا، اپنے سفرنامہ میں اس کے حالات لکھے ہیں گو اس کا یہ بیان دور عروج کے بغداد کا گویا مرثیہ ہے، تاہم اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس اجڑی ہوئی حالت میں بھی وہ کس پایہ کا شہر تھا، وہ لکھتا ہے کہ

"یہ پرانا شہر گو ہمیشہ عباسی خلافت کا پایہ تخت اور قرشی وہاشمی امامت کا مرکز رہا ہے، اور اس کی گذشتہ عظمت کے مقابلہ میں اب اسکی حیثیت صرف کھنڈر اور مٹے ہوئے نشان یا ایک خیالی صورت کی رہ گئی ہے،

موجودہ بغداد کی آبادی دو حصوں میں تقسیم ہے، ایک دجلہ کے مشرقی سمت اور دوسری مغربی جانب مغربی حصہ کسی زمانہ میں بہت آباد تھا لیکن اب ویران ہو چکا ہے

---

[1] ابن خلدون ج ۳ ص ۵۳۷ و ابو الفدا ج ۳ ص ۱۹۴، [2] ابن خلدون ج ۳ ص ۵۳۷،

اور مشرقی حصہ نوآباد ہے، یہ شہر ویرانی کے باوجود سات محلوں پر مشتمل ہے، جن میں ہر محلہ اپنی وسعت وآبادی کے لحاظ سے مستقل شہر کی حیثیت رکھتا ہے، ہر محلہ میں کئی کئی حمام ہیں آٹھ حمام جامع مسجدوں میں ہیں، سب سے بڑے محلہ کا نام قُریَۃ ہے جسمیں ہم ٹھہرے تھے، یہ محلہ دجلہ کے ساحل پر ہے، یہاں پہلے ایک پل بھی تھا، جو سیلاب میں بہ گیا، اب کشتیوں کے ذریعہ آمد و رفت ہوتی ہے، کشتیاں بے شمار ہیں، اور رات دن لوگوں کے اژدحام سے ایک میلہ سا لگا رہتا ہے، معمولاً ہر جگہ دو پل ہیں، ایک شاہی محلات سے متصل، دوسرا اس سے علٰحدہ، لیکن آمد و رفت کی کثرت کی وجہ سے یہ پل ناکافی ہیں، اور ہر وقت کشتیاں چلتی رہتی ہیں، دوسرا محلہ کرخ ہے، اس کے گرد مستقل شہرپناہ ہے، تیسرا محلہ باب البصرہ ہے، یہ بھی ایک مستقل شہر کی حیثیت رکھتا ہے، یہیں وہ عظیم الشان جامع مسجد ہے، جو جامع منصور کے نام سے موسوم ہے، چوتھا محلہ شارع ہے یہ بھی گویا ایک شہر ہے، یہ چاروں بڑے محلے ہیں، محلہ شارع اور باب البصرہ کے درمیان ایک محلہ سوق المارستان ہے، اسکی حیثیت ایک چھوٹے شہر کی ہے، بغداد کا مشہور و معروف شفاخانہ اسی محلہ میں ہے، اس میں مریضوں کے علاج اور ان کی دیکھ بھال کے لئے (۵۲) باون اطبار اور معالجین ہیں، مریضوں کی جملہ ضروریات کا انتظام شفاخانہ کی جانب سے ہوتا ہے، اطبار کے علاوہ مریضوں کی دوا اور غذا وغیرہ کی تیاری اور نگرانی کے لئے علٰحدہ ملازمین ہیں، شفاخانہ کی عمارت عالیشان قصر کی سی ہے، جس میں بہت سے کمرے ہیں، اور اس کا ساز و سامان شاہانہ ہے، شفاخانہ میں دجلہ سے پانی آتا ہے سب محلوں کا تذکرہ طویل ہوگا، مثلاً ایک محلہ وسیطہ ہے، جو دجلہ اور فرات کی ایک شاخ کے درمیان آباد ہے، اس کے ذریعہ سارے فراتی علاقہ کا سامان بغداد آتا ہے

ایک محلہ عتابیہ ہے، یہاں بغداد کا مشہور عتابی کپڑا جو مختلف رنگوں کے ریشم اور سوت سے تیار ہوتا ہے بنایا جاتا ہے، ایک محلہ حربیہ ہے، اس کے بعد بغداد کی آبادی ختم ہو جاتی ہے، مغربی حصہ تمام تر باغات اور چمن زار پر مشتمل ہے، یہاں سے مشرقی حصہ میں میوے جاتے ہیں، آج کل دار الخلافہ اسی حصہ میں ہے اور شاہی محلات مشرقی حصہ کے چوتھائی بلکہ اس سے زیادہ رقبہ کو گھیرے ہوئے ہیں، شاہی خاندان کے نظر بند ارکان ان محلوں میں رہتے ہیں، ان کے لئے ہر طرح کی سہولتیں مہیا رہتی ہیں، صرف احاطہ سے باہر نکلنے کی ان کو اجازت نہیں ہے، مشرقی حصہ کے بڑے رقبہ میں عالیشان شاہی محلات اور دلفریب باغات ...... اور بڑے بڑے مرتب بازار ہیں، ان میں ہر وقت آدمیوں کا اتنا ہجوم رہتا ہے کہ ان کا شمار مشکل ہے، تین بڑی جامع مسجدیں ہیں، خلیفہ کی جامع مسجد اس کے محل کے قریب ہے، یہ بہت بڑی مسجد ہے، اور اس میں بڑے بڑے حوض و سقاوے ہیں، اور ہر قسم کے ساز و سامان سے آراستہ ہے، دوسری مسجد جامع سلطان کے نام سے موسوم ہے، یہ مسجد ان محلات کے متصل ہے جو ان سلاطین کی جانب منسوب ہے، جو موجودہ خلیفہ کے اجداد کے زمانہ میں خلافت عباسیہ کے منتظم تھے، تیسری جامع رصافہ ہے، رصافہ میں عباسی خلفاء کی قبریں ہیں، بغداد کی مسجدوں میں گیارہ میں جمعہ ہوتا ہے، حماموں کی تعداد اس حصہ میں بے شمار ہے، مجھ سے ایک معتبر آدمی نے بیان کیا کہ دونوں حصے میں دو ہزار کے قریب حمام ہوں گے، ان کی دیواروں اور فرش پر سیاہ رنگ کی چمکدار پالش ہے کہ دیکھنے والوں کو سیاہ سنگ رخام کا دھوکا ہوتا ہے، ..... مسجدوں کی اتنی کثرت ہے کہ ان کا شمار تو کیا، اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا، تیس مدرسے ہیں اور ہر مدرسہ کی عمارت ایسی عظیم الشان ہے کہ بڑے بڑے محلات کو شرماتی ہے، ان

مدارس میں سب سے بڑا مدرسہ نظام الملک کا قائم کردہ مدرسۂ نظامیہ ہے، ۵۰۴ھ میں اس کی دوبارہ تجدید ہوئی تھی، ان مدارس پر بڑی بڑی جائدادیں وقف ہیں جن سے فقہاء و مدرسین کی تنخواہیں اور طلبہ کے مصارف پورے ہوتے ہیں، ان اطراف کو اس قسم کے مدارس اور شفاخانوں کے قیام میں بہت بڑا شرف اور غیر فانی فخر حاصل ہے، خدا اس کے بانی اول اور اس کے پیرؤوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے، مشرقی حصہ کے چار پھاٹک ہیں، باب السلطان، باب الظفریہ، باب الحلبہ، باب البصلیہ، یہ پھاٹک اس شہر پناہ میں ہیں جو نصف مستطیل دائرہ کی شکل میں مشرقی حصہ کو گھیرے ہوئے ہے، شہر پناہ کے اندر بازاروں کے بکثرت پھاٹک ہیں، غرض اسی گئی گذری حالت میں بھی اس شہر کی شان و عظمت تعریف و توصیف سے بالاتر ہے[۱]،

اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ چھٹی صدی کے آخر میں بغداد کی کیا حالت تھی، یہ بھی واضح رہے کہ ناصر اور مستنصر نے اپنے زمانہ میں اس اجڑے ہوئے شہر کو مختلف حیثیتوں سے بڑی ترقی دی تھی اور بکثرت نئی عمارتیں بنوائی تھیں، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، گویا بغداد پر تاتاریوں کے حملہ کے وقت اس کی حالت اس سے کہیں بہتر تھی، جو ابن جبیر نے بیان کی ہے،

وحشی تاتاریوں نے اس عظیم الشان شہر کو لوٹ کر ویران کر ڈالا، ابن خلدون کا بیان ہے کہ صرف شاہی محلات سے انھوں نے جتنی دولت اور جس قدر ساز و سامان لوٹا اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، عباسی کتب خانہ کی تمام کتابوں کو جو صدیوں کا سرمایہ تھیں دجلہ میں ڈبو دیا، مقتولین کی تعداد کا اندازہ سولہ لاکھ تھا[۲]،

---

[۱] رحلۂ ابن جبیر ص ۲۲۵ تا ص ۲۲۹، ہم نے غیر ضروری باتیں حذف کردی ہیں [۲] ابن خلدون ج ۳ ص ۵۳۷،

ابن طقطقی کا بیان ہے کہ تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کے قتل عام اور وحشیانہ لوٹ کا اجمالی حال سننا بھی بڑی بات ہے، تفصیل سننے کی تاب کس کو ہوگی، اس شہر پر جو کچھ گذری وہ گذ گئی، اس کا حال قلم انداز کیا جاتا ہے، صرف اس کا قیاس کر لو اس کا حال نہ پوچھو۔[1]

بغداد پر قبضہ کے بعد پورا عراق تاتاریوں کے زیر نگیں ہو گیا، اور سوا پانچ صدیوں کے بعد (۱۳۲ھ میں پہلے عباسی خلیفہ سفاح کی بیعت ہوئی تھی، اور محرم ۶۵۶ھ میں مستعصم قتل ہوا) عباسی خلافت ختم ہو گئی اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کی سیاسی مرکزیت کا بھی خاتمہ ہو گیا،

عباسی خلافت کے خاتمہ کے بعد ابن علقمی نے تاتاریوں کو علوی خلافت قائم کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اور اسکو اسکی نمک حرامی کے صلہ میں ذلت و رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا اور چند ہی دنوں کے بعد وہ بھی مر گیا۔[2]

خلافت بغداد مسلمانوں کی دینی مرکزی حکومت تھی، اس کی تباہی عالم اسلام کا حادثہ تھا، اس سے ساری دنیائے اسلام میں غم والم کی لہر دوڑ گئی، شعراء نے بڑے پرسوز مراثی لکھے، ان میں تقی الدین بن ابی الیسر کا مرثیہ بہت مشہور و موثر ہے،

لسائل الدمع عن بغداد اخبار فما وقوفك والاحباب قد ساروا

بہنے والے آنسو بغداد کے واقعات بیان کر رہے ہیں، سارے احباب تو رخصت ہو گئے تم کیوں ٹھیرے ہوئے ہو

یا زائرین الی الزوراء لا تفدوا فما بذاک الحمی والدار دیار

اے زوراء کے زیارت کرنے والو اب تمہارے آنے کی ضرورت نہیں ہو کہ اس مرغزار میں کوئی رہنے والا باقی نہیں ہا

[1] الفخری ص ۳۰۰ [2] تاریخ الخلفاء ص ۴۸۳،

تاج الخلافۃ والربع الذی شرفت به المعالم قد اعفاہ اقفار

خلافت کے تاج اور اس مرغزار کو جس پر کنگرے بلند تھے ویرانی نے بالکل مٹا دیا،

اضحی لعطف البلی فی ربعہ اثر وللدموع علی آثارہ آثار

اس مرغزار میں پرانہ سالی کی جھریوں کا نشان ہے اور ان کھنڈروں کے نشانات پر آنسوؤں کے نشان ہیں،

یا نار قلبی من نار بحرب وغی شبت علیہ ووافی الربع اعصار

اے میرے دل کی آگ جو لڑائی کی آگ سے پیدا ہوئی ہو وہ ایسی بھڑکی کہ مرغزار پر باد سموم چل گئی،

علا الصلیب علی اعلیٰ منابرھا وقام بالامر من یحویہ زنار

صلیب اس کے منبروں پر چڑھ گئی اور ایک زنار پوش حکمراں ہو گیا ہی

وکم حریم سبتہ الترک غاصبۃ وکان دون ذاک الستر استار

کیسی کیسی پردہ نشین خواتین کو ترکوں نے جبر وظلم سے قید کر لیا ہی جو پردہ در پردہ رہتی تھیں

وکم بدور علی البدریۃ انخسفت ولم یعد لبدور منہ ابدار

اور بدریہ میں کتنے ماہ کامل گہن میں آ گئے اور جا کر اس کا کوئی ماہ کامل واپس نہیں آیا،

وکم ذخائر اضحت وھی شائعۃ من النھاب وقد حازتہ کفار

اور کتنے ذخیرے لوٹ مار میں بٹ گئے، اور کافروں نے ان کو اپنے قبضہ میں کر لیا

وکم حدود اقیمت من سیوفھم علی الرقاب وحطت فیہ اوزار

اور کتنی تلواریں گردنوں پر چل گئیں اور اس میں ہتھیار رکھ دیئے گئے،

نادیت والسبی مھتوک بجرھم الی السفاح من الاعداء ذعار

میں نے قیدیوں کو پکارا اس حال میں کہ وہ سفاح کی جانب گھسیٹ کر ذلیل کئے جا رہے تھے اور دشمنوں سے خوفزدہ تھے

سعدی شیرازی نے عربی اور فارسی دونوں میں مرثیہ لکھا، فارسی کا زیادہ

مشہور اور پرسوز ہے،

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں   بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المومنیں

اے محمد گر قیامت سر برون آری زخاک   سر برون آر و قیامت در میانِ خلق بیں

نازنینانِ حرم را موجِ خونِ بیدریغ   ز آستاں بگذشت و ما را خونِ دل در آستیں

زینہار از دورِ گیتی و انقلابِ روزگار   در خیالِ کس نگشتے کانچناں گردد چنیں

دیدہ را بر دار ایکہ دیدی شوکتِ بیت الحرام   قیصرانِ روم سر بر خاک و خاقاں بر زمیں

خونِ فرزندانِ عمِ مصطفیٰ شد ریختہ   ہم براں جائیکہ سلطاناں نہادندے جبیں

بعد ازیں آسایش از دنیا نباید چشم داشت   قیر در انگشتری ماند چو برخیزد نگیں

دجلۂ خوں ناب است ازیں پس گر نہد سر بر زمیں   خاکِ نخلستانِ بطحا را کند با خون عجیں

نوحہ لائق نیست بر خاکِ شہیداں زانکہ ہست   کمتریں دولت مر ایشاں را بہشتِ برتریں

لیکن از روئے مسلمانی و راہِ مرحمت   مہرباں را دل بسوزد در فراقِ نازنیں

باش تا فردا ببینی روز داور رستخیز   کز لحد با روئے خوں آلودہ برخیزد زمیں

تکیہ بر دنیا نباید کرد و دل بروے نہاد   کاسماں گاہے بمہر است اے برادر گہ بکیں

زور بازوے شجاعت بر نیاید با اجل   چوں قضا آید نماند قوت رائے رزیں

تیغِ ہندی بر نیاید روز ہیجا از نیام   شیر مردے را کہ باشد مرگ پنہاں درکمیں

تجربت بے فائدہ است آنرا کہ برگردید بخت   حملہ آوردن چہ سود آنرا کہ برگردید زیں

کرگساں اند از پے مردارِ دنیا جنگجوے   اے برادر گر خردمندی چو سیمرغاں نشیں

خلافت عباسیہ مصر

ابو القاسم احمد بن ظاہر بامر اللہ الملقب بہ مستنصر باللہ عباسی

۶۵۹ھ تا ۶۶۱ھ مطابق ۱۲۶۲ء تا ۱۲۶۳ء

بغداد سے عباسی خلافت ختم ہونے کے بعد مصر میں قائم ہوئی، گو یہ خلافت ڈھائی صدیوں سے اوپر قائم رہی، لیکن اس کے خلفار محض تبرکاً تھے، اصل حکومت ممالیک کی تھی، جن کی تاسیس کا حال اوپر گذرچکا ہے، اور خلفار اون کے وظیفہ خوار تھے، ان کا کام صرف اس قدر تھا کہ ہر نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد اس کو رسماً اپنی جانب سے امور مملکت کا مختار بناکر خلعت عطا کرتے تھے، لیکن یہ صرف ایک رسمی کارروائی تھی، خلفار کو اتنے اختیارات بھی حاصل نہ تھے، جتنے خلفائے بغداد کے دیالمہ اور سلجوقیوں کے زمانہ میں تھے، اسی لئے ان کی کوئی مستقل تاریخ بھی نہیں ہے، ممالیک کے حالات میں ضمناً اون کا ذکر آجاتا ہے، لیکن مصری خلافت بھی عباسی خلافت کی شاخ تھی، اس لئے ان کا مختصر حال لکھدینا ضروری ہے،

اس خلافت کے قیام کی تاریخ یہ ہے کہ خلافت بغداد کے خاتمہ کے بعد ظاہر باللہ عباسی کا ایک لڑکا ابو القاسم احمد الملقب بہ مستنصر باللہ تاتاریوں کی قید

سے چھوٹ کر عرب سرداروں کی ایک جماعت کے ہمراہ ۶۵۹ھ میں مصر آیا اس وقت خاندان مملوک کا جو تھا فرماں روا الملک الظاہر بیبرس بندقنداری برسرحکومت تھا،

خلافت بغداد کو دنیاے اسلام میں دینی مرکز کی حیثیت حاصل تھی سارے مسلمان عباسی خلفاء کو اپنا دینی پیشوا سمجھتے تھے، اور ان کو اس خلافت کے خاتمہ کا بڑا غم تھا اور اسکے دوبارہ قیام کی دلی آرزو تھی، مملوکی حکومت کو قائم ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا، جس ملک میں عباسی خلافت کا دوبارہ احیا ہوتا مسلمانوں میں اس کا اعزاز بہت بڑھ جاتا، ظاہر بیبرس کو گھر بیٹھے یہ دولت مل رہی تھی، اس لئے وہ رجب ۶۵۹ھ میں مستنصر کو بڑے تزک و احتشام سے قاہرہ لے گیا، سارے ارکان سلطنت و عمائد مصر، علما و قضاۃ بلکہ یہود و نصارا تک انجیلیں لئے ہوئے جلوس میں شریک تھے[1]،

اس شان و شوکت سے مستنصر کو لاکر قلعۃ الجبل میں ٹھہرایا، اور ایک خاص دربار میں مصر کے قاضی القضاۃ قاضی تاج الدین نے ارکان و عماید سلطنت اور سرکاری گواہوں کے سامنے مستنصر کے نسب کے بارہ میں ان عربوں کی شہادت لینے کے بعد جن کے ساتھ وہ مصر آیا تھا، اس کی صحت کی تصدیق کی، اور شیخ الاسلام عزالدین عبد السلام خود قاضی تاج الدین، سلطان ظاہر بیبرس اور دوسرے ارکان سلطنت و عمائد مصر نے رجب ۶۵۹ھ میں اس کے ہاتھوں پر بیعت کی اور مصر میں اس کے نام کا خطبہ و سکہ جاری ہوگیا، اور دنیاے اسلام میں خلافت کے احیار کا اعلان عام کر دیا گیا،

---

[1] حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۴۴.

بیعت خلافت کے بعد ملک الظاہر نے مستنصر کے لئے لاکھوں روپیے کے صرف سے جملہ لوازم شاہی مہیا کئے، اور اس نے ایک دربار عام میں عمائد سلطنت کے سامنے سلطان بیبرس کو اپنے ہاتھوں سے سیاہ عباسی خلعت عمامہ اور طوقِ زریں پہنایا اور اپنی جانب سے اسکو مصر کی حکومت کی سند عطا کی اور عالم اسلام سے متعلق خلافت کی ذمہ داریوں کا مختار مجاز بنایا[1]، اور مصر میں عباسی خلافت کا ٹھاٹھ دوبارہ کھڑا ہوگیا، لیکن خلفاء کا اس سے زیادہ کوئی اختیار نہ تھا کہ وہ ہر مملوک بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد اس کو رسمًا اپنی جانب سے حکومت کا مختار بنا دیتے تھے، بعض حوصلہ مند خلفاء نے خلافت کا وقار قائم کرنے کی کوشش کی اور انکو اس میں عارضی کامیابی بھی ہوئی، لیکن زیادہ تر اس کی پاداش میں خلافت سے ہاتھ دھونا پڑا،

عباسی خلافت کے قیام کے بعد مستنصر نے بغداد کو تاتاریوں سے چھڑانے کا ارادہ کیا، ظاہر بیبرس نے دس لاکھ روپیے کے صرف سے فوج مہیا کردی اور دمشق تک خود اسکی مشایعت میں گیا، اور ذی الحجہ ۶۵۹ھ میں مستنصر شام سے عراق روانہ ہوا، اور موصل، سنجار و جزیرہ کے فرماں رواوں کی مدد سے حدیثہ اور ہیت پر قبضہ کر کے بغداد کا رخ کیا، راستہ میں تاتاریوں کا مقابلہ ہوگیا مصری فوج نے شکست کھائی، اور خود مستنصر ایسا لاپتہ ہوا کہ یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ قتل ہوا یا روپوش ہوگیا، اور کل چھ مہینے کے بعد اس کی خلافت ختم ہوگئی[2]،

---

[1] حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۵۴ و ابو الفدا ج ۳ ص ۲۱۳ [2] ابو الفدا ج ۳ ص ۲۱۳،

ابو العباس احمد بن ابو علی حسن الملقب بہ حاکم بامر اللہ

سنہ ۶۶۱ھ تا سنہ ۷۰۱ھ مطابق سنہ ۱۲۶۳ء تا سنہ ۱۳۰۱ء

عباسی خاندان کا ایک اور رکن ابو العباس احمد جو مسترشد باللہ عباسی کی اولاد میں تھا شام چلا آیا تھا اور رحبہ میں مقیم تھا، مستنصر کے بعد ظاہر نے اسی شان و شوکت سے ساتھ جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اس کو قاہرہ لیجا کر خلیفہ بنایا، بیعت خلافت کے بعد اس نے حسبِ معمول کے مطابق ظاہر کو خلعت عطا کر کے امور مملکت کا مختار بنایا،[1]

حاکم چالیس سال تک زندہ رہا، لیکن اس کا بڑا حصہ نظر بندی میں گذرا، اس کے زمانہ میں نو سلاطین مصر کے تخت پر بیٹھے، ظاہر بیبرس بندقداری ۶۵۸ تا ۶۷۶ھ، محمد سعید برکہ خان ۶۷۶ تا ۶۷۸ھ، سلامش بن بیبرس ۶۷۸ھ، سیف الدین قلاوُن الملقب بہ ملک المنصور ۶۷۸ تا ۶۸۹ھ، صلاح الدین خلیل بن قلاوُن الملقب بہ ملک الاشرف ۶۸۹ تا ۶۹۳ھ، الملک الظاہر بیدرا ۶۹۳ھ، ناصر محمد بن قلاوون ۶۹۳ تا ۶۹۴ھ، الملک العادل کتبغا ۶۹۴ تا ۶۹۶ھ، منصور لاجین ۶۹۶ تا ۶۹۸ھ، ناصر محمد بن قلاوون دوسری مرتبہ ۶۹۶ تا ۷۰۸ھ،

بیبرس نے اپنے ذاتی مفاد و مصالح کے لئے خلافت کا ٹھاٹھ کھڑا کیا تھا، اس کے خلاف وہ خلیفہ کے کسی اقدام کو پسند نہیں کرتا تھا، اس لئے حاکم کی تخت نشینی کے دوسرے

[1] تفصیل کے لئے دیکھو حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۴۷، ۴۸ و خطط مقریزی ج ۳ ص ۹۳،

ہی سال دونوں میں اختلاف شروع ہوگیا، اور بیبرس نے محرم ۶۶۳ھ میں اسکو نظر بند کردیا، اور وہ سیف الدین قلاوُن کے زمانہ تک کامل ۲۷ سال نظر بند رہا، اشرف صلاح الدین خلیل نے اپنے زمانہ میں ۶۸۹ھ میں آزاد کیا، ۶۹۱ھ میں حاکم نے فریضۂ حج ادا کیا، ملک العادل نے پھر اسکو لوگوں سے ملنے جلنے سے روک دیا، دو سال یہ قید قائم رہی، منصور لاجین نے اپنے دور ۶۹۶ھ میں پھر اس کا اعزاز و وقار دوبارہ قائم کیا، اسکا وظیفہ بڑھایا، ۶۹۷ھ میں جب حاکم نے دوسری مرتبہ حج کا ارادہ کیا تو منصور نے سات لاکھ درہم مصارف سفر کے لئے دئے، ۷۰۱ھ میں اس کا انتقال ہوا، اور سیدہ نفیسہ کے مزار کے جوار میں دفن کیا گیا، اس کی مدت خلافت چالیس سال تھی، لیکن آخر کے چند برسوں کے علاوہ قریب قریب یہ پوری مدت قید و نظر بندی میں گذری اور امیر المومنین کے رسمی لقب کے سوا اسے اور کوئی اختیار و امتیاز حاصل نہ تھا[۵]،

ابو الربیع سلیمان بن حاکم الملقب بہ مستکفی باللہ اول

۷۰۱ھ تا ۷۴۰ھ مطابق ۱۳۰۱ء تا ۱۳۳۹ء

حاکم کے انتقال کے بعد سلطان ناصر نے اس کے لڑکے ابو الربیع سلیمان الملقب بہ مستکفی باللہ کے ہاتھوں پر بیعت کی، اس کے زمانہ میں تین سلاطین ہوئے، ناصر محمد بن قلاوون ۶۹۸ھ، بیبرس جاشنگیر ۷۰۸ھ، ناصر محمد بن قلاوون تیسری مرتبہ ۷۰۹ھ، ناصر محمد بن قلاوون اور حاکم میں عرصہ تک بڑا اتحاد و اتفاق رہا، وہ اس کا بڑا لحاظ

[۵] حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۴۷ و ۴۸ و خطط مقریزی ج ۳ ص ۳۹۳،

کرتا تھا، حاکم کی قیامگاہ قصر کبش اس کے شایان شان نہ تھی، ناصر نے قلعہ میں منتقل کر دیا، مستکفی اور اس کے تمام متعلقین کے وظائف بڑھائے، دونوں ساتھ گوئے وچوگان کھیلتے تھے، سیر و تفریح کے لئے ساتھ نکلتے تھے، مستکفی لڑائیوں میں اس کے ساتھ شریک ہوتا تھا، بتیس سال تک یہ اتحاد و اتفاق قائم رہا، پھر فتنہ انگیزوں کی شرارت سے ناصر بدگمان ہو گیا، اور ۷۲۶ھ میں اس نے مستکفی کو پھر قصر کبش میں منتقل کر دیا، اور ایک سال بعد ۷۳۶ھ میں قوص بھیجدیا، لیکن وظائف برقرار رکھے،[۱]

مقریزی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت تھوڑے دنوں تک تعلقات میں خوشگواری رہی اور قوص بھیجنے سے پہلے ناصر نے مستکفی کو دو مرتبہ نظر بند کیا، اور قوص بھیجنے کے بعد وظیفہ گھٹا کر محض بسر اوقات کے لئے معمولی گزارہ مقرر کیا،[۲] قوص ہی میں ۷۴۰ھ میں انتقال کیا،

سیوطی کا بیان ہے کہ مستکفی فاضل، خطاط، فیاض اور بہادر خلیفہ تھا، علماء و ادبا کا کمال قدر دان تھا، اس کا دربار ان کا مرجع تھا،[۳]

ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن حاکم الملقب بہ واثق باللہ

۷۴۰ھ تا ۷۴۱ھ مطابق ۱۳۳۹ء تا ۱۳۴۰ء

مستکفی نے اپنے لڑکے احمد کو ولیعہد بنایا تھا، لیکن ناصر کا دل اس کی طرف سے صاف نہ تھا، اس لئے قاضی القضاۃ کی مخالفت کے باوجود اس نے مستکفی کے نالائق چچیرے بھائی ابراہیم بن محمد الملقب بہ واثق باللہ کو خلیفہ بنا دیا،[۴]

[۱] حسن المحاضرہ ج ۲ صفحہ ۵۲ [۲] خطط مقریزی ج ۳ صفحہ ۳۹۳ [۳] ایضاً صفحہ ۵۳ [۴] حسن المحاضرہ ج ۲ صفحہ ۵۳،

لیکن یہ انتخاب غلط تھا، اسلئے ناصر کو خود بعد میں پشیمانی ہوئی، واثق کی بیعت کے چند ہی مہینوں بعد ناصر کا وقت آخر ہو گیا، اور وہ مرتے وقت اپنے لڑکے منصور سے احمد کو خلیفہ بنانے کی وصیت کرتا گیا، واثق کی مدت خلافت کل چھ مہینہ تھی،

ابو العباس احمد بن مستکفی الملقب بہ حاکم بامر اللہ ثانی

۷۴۱ھ تا ۷۴۸ھ مطابق ۱۳۳۹ء تا ۱۳۴۷ء

ناصر کی وفات کے بعد ۷۴۱ھ میں اس کا لڑکا منصور ابوبکر تخت نشین ہوا، اس نے باپ کی وصیت کے مطابق قاضی القضاۃ سے احمد الملقب بہ حاکم کے استحقاق کا فتویٰ لے کر واثق کو معزول کر کے احمد کو خلیفہ بنایا،[1]

اس کے زمانہ میں سات سلاطین ہوئے، منصور ابوبکر ۷۴۱ھ تا ۷۴۲ھ علاء الدین کجک بن محمد ۷۴۲ھ تا ۷۴۲ھ ناصر شہاب الدین احمد ۷۴۲ھ تا ۷۴۳ھ ملک الصالح اسمٰعیل ۷۴۳ھ تا ۷۴۶ھ کامل زین الدین شعبان ۷۴۶ھ تا ۷۴۷ھ، مظفر زین الدین ۷۴۷ھ تا ۷۴۸ھ ناصر حسن بن محمد ۷۴۸ھ تا ۷۵۲ھ،

حاکم کے تعلقات تمام سلاطین سے خوشگوار رہے، اور اس نے اپنے پیشرووں کے مقابلہ میں عزت و وقار کی زندگی بسر کی، ابن فضل اللہ کا بیان ہے کہ اس نے رسوم خلافت کو زندہ کیا اور اس کے کسی فعل کی سلاطین مصر مخالفت نہ کر سکے،[2] مقریزی کے بیان کے مطابق ۷۴۸ھ میں اور سیوطی کے بیان کے مطابق ۷۵۳ھ میں انتقال کیا،

---

[1] حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۵۳ [2] تاریخ الخلفاء ص ۵۰۲،

ابو بکر بن مستکفی الملقب بہ معتضد باللہ اول

۷۴۸ھ تا ۷۶۳ھ مطابق ۱۳۴۷ء تا ۱۳۶۲ء

حاکم نے کسی کو ولیعہد نہیں بنایا تھا اُسکی وفات کے بعد قضاۃ و عمائد مصر نے اس کے بھائی ابو بکر بن مستکفی کو جانشین بنایا،

اس کے زمانہ میں تین سلاطین ہوئے، ناصر حسن بن محمد مذکور صالح صلاح الدین بن محمد ۷۵۲ھ تا ۷۵۵ھ ناصر حسن بن محمد دوسری مرتبہ ۷۵۵ھ تا ۷۶۲ھ،

حاکم نے خلافت کا جو وقار قائم کیا تھا معتضد کے زمانہ میں وہ ختم ہو گیا، خلفاء کے وظائف زرگروں کے ٹیکس کی آمدنی سے ملتے تھے لیکن یہ رقم اتنی کم ہوتی تھی کہ خلفاء بمشکل اس سے زندگی بسر کر سکتے تھے، اس لئے معتضد کے زمانہ میں حکومت مصر نے سیدہ نفیسہ کے مزار کی تولیت اس کے متعلق کر دی، مزار کے لئے جو مومی شمعیں اور دوسری فتوحات آتی تھیں، ان سے اتنی آمدنی ہو جاتی تھی کہ اس سے آسودہ حالی کیساتھ خلفاء کی زندگی بسر ہونے لگی، لیکن اس سے خلافت کا وقار جاتا رہا، ۷۶۳ھ میں معتضد نے انتقال کیا،[1]

سیوطی کا بیان ہے کہ وہ نیک، صالح، متواضع اور علم دوست تھا،[2]

---

[1] مقریزی ج ۲ ص ۳۹۲،

[2] حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۳۹۵،

ابو عبداللہ محمد بن معتضد الملقب بہ متوکل علی اللہ اول

سنہ ۷۶۳ھ تا سنہ ۷۸۵ھ مطابق سنہ ۱۳۶۲ء تا سنہ ۱۳۸۳ء

معتضد کی وفات کے بعد اس کا لڑکا ابو عبداللہ محمد الملقب بہ متوکل علی اللہ جانشین ہوا، اس کے زمانہ میں حسب ذیل سلاطین ہوئے، منصور محمد بن حاجی ۷۶۲ھ، اشرف شعبان بن حسن ۷۶۴ھ، منصور علی بن شعبان ۷۷۸ھ، صالح حاجی بن شعبان ۷۸۳ھ ملک الظاہر برقوق ۷۸۴ھ،

متوکل دل و دماغ اور حوصلہ و ہمت کا خلیفہ تھا، اس نے ذاتی اثر و اقتدار قائم اور خلافت کے وقار کو زندہ کرنے کی کوشش کی، اس سلسلہ میں اس کو دو مرتبہ معزول ہونا پڑا، لیکن بالآخر کامیاب ہوا، اور سلاطین سے خلافت کی حیثیت منوالی، اس کی آزادی اور خودسری کو سلاطین اور امرائے مصر پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ سلطان منصور علی بن شعبان کے زمانہ میں اس کا نائب الحکومت امیر اینبک متوکل کے خلاف ہوگیا، اور ۷۷۹ھ میں اس کو معزول کرکے اس کے چچیرے بھائی نجم الدین زکریا کو خلیفہ بنادیا، لیکن کسی نے اس کو تسلیم نہیں کیا، اس لئے پندرہ دن کے بعد امرائے مصر نے اینبک سے گفتگو کرکے متوکل کو اس کے منصب پر بحال کرادیا،[۱]

۷۸۳ھ میں سلطان منصور کا انتقال ہوگیا، اس نائب الحکومت ظاہر برقوق جرکسی نے منصور کے صغیر السن لڑکے ملک الصالح کو تخت نشین کیا، لیکن اس کی کوئی

---

[۱] حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۶۱،

حیثیت نہ تھی اصل حکمراں برقوق تھا، پھر چند ہی دنوں کے بعد اس نے مستقل تاج و تخت پر قبضہ کر لیا اور مصر کی حکومت ترکی ممالیک سے نکل کر چرکسی خاندان میں چلی گئی،

برقوق کی حکومت اکثر امرار کو گوارا نہ تھی انھوں نے متوکل کو اس کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا، اس نے شام مصر و عراق کے امرار کو مدد کے لئے خطوط لکھے اور مصر کے ارکان و عمائد سے کہا کہ برقوق نے قہر و جبر سے حکومت حاصل کی ہے اور عدل و انصاف کو بھی پامال کر رہا ہے، اس لئے وہ بادشاہت کا مستحق نہیں ہے، اور انھیں آمادہ کیا کہ وہ گوئے و چوگاں کھیلتے وقت برقوق کو قتل کر دیں اس کو اس کی خبر ہو گئی، اس نے قضاۃ کے سامنے یہ واقعہ پیش کر کے ان سے متوکل کی معزولی کا فتویٰ حاصل کرنا چاہا، انھوں نے انکار کیا، ان کے انکار پر برقوق نے خود ۷۸۵ھ میں اسکو معزول کر کے قید کر دیا[1]،

ابو حفص عمر بن معتصم الملقب بہ واثق باللہ

۷۸۵ھ تا ۷۸۸ھ مطابق ۱۳۸۳ء تا ۱۳۸۶ء

متوکل کو معزول کرنے کے بعد برقوق نے عمر بن معتصم الملقب بہ واثق باللہ کو خلیفہ بنایا یہ چار سال زندہ رہا، اس کا کوئی واقعہ قابلِ ذکر نہیں ہے، ۷۸۸ھ میں انتقال کیا،

زکریا بن معتصم الملقب بہ مستعصم

۷۸۸ھ تا ۷۹۱ھ مطابق ۱۳۸۶ء یا ۱۳۸۹ء

واثق کی موت کے بعد برقوق نے اس کے بھائی زکریا کو خلیفہ بنایا، یہ معلوم

---

[1] حسن المحاضرہ ج ۲ صفحہ ۶۰،

ہو چکا ہے کہ اکثر امراء برقوق کے مخالف تھے اور اس کے خلاف پہلے سے شورش بپا تھی متوکل کی معزولی کا اثر نہایت برا پڑا تھا، اور اس وقت سے برابر برقوق کی مخالفت جاری تھی، سنہ ۷۹۱ھ میں حلب کے نائب الحکومت امیر یلبغا ناصری نے اس پر فوج کشی کر دی۔

متوکل علی اللہ دوسری مرتبہ

سنہ ۷۹۱ھ تا سنہ ۸۰۸ھ مطابق سنہ ۱۳۸۹ء تا سنہ ۱۴۰۵ء

برقوق نے جب دیکھا کہ متوکل کی معزولی سے اسکی حکومت خطرہ میں پڑ گئی تو اس نے سنہ ۷۹۱ھ میں اس کو قید سے رہا کر کے اعزاز و اکرام کے ساتھ دوبارہ اس کے منصب پر بحال کیا، اور اسکی بڑی دلجوئی کی اور متوکل جب تک زندہ رہا عزت و وقار کے ساتھ اسکی زندگی بسر ہوئی، وہ عزت و جاہ، مال و دولت آل و اولاد ہر حیثیت سے خوش نصیب تھا، نقد دولت کے علاوہ اس کے پاس کافی جاگیر تھی، اولادیں بکثرت تھیں، سنہ ۸۰۸ھ میں انتقال کیا[۱]،

ابو الفضل عباس بن متوکل الملقب بہ مستعین باللہ

سنہ ۸۰۸ھ تا سنہ ۸۱۶ھ مطابق سنہ ۱۴۰۵ء تا سنہ ۱۴۱۴ء

متوکل کے بعد اس کا لڑکا ابو الفضل عباس الملقب بہ مستعین باللہ خلیفہ ہوا، یہ ظاہر برقوق کے لڑکے ملک الناصر فرج بن برقوق کا زمانہ تھا، سات برس تک متوکل کی زندگی سکون کے ساتھ گذری سنہ ۸۱۵ھ میں ملک الناصر کے دو شامی امرا ریشخ محمودی اور

---

[۱] حسن المحاضرہ سیوطی ج ۲ ص ۶۰ و مقریزی ج ۲ ص ۲۹۵

نوروز نے علم بغاوت بلند کیا، ناصران کے مقابلہ کے لئے شام گیا، اور مستعین کو بھی ساتھ لیتا گیا، لیکن اس کو شکست ہوئی اور شیخ محمودی نے ناصر کے الحاد و زندقہ کا ثبوت پیش کرکے قاضی ناصر الدین سے اس کے قتل کا فتویٰ حاصل کرلیا اور مستعین کے سامنے مصر کا تاج و تخت پیش کیا اسے قبول کرنے میں تامل ہوا، لیکن پھر امراء کے اصرار پر ان سے وفاداری کا عہد و پیمان لے کر راضی ہوگیا، اور پہلے شام میں پھر مصر میں اس کی تخت نشینی کی رسم ادا ہوئی اور وہ خلافت کے دینی منصب کے ساتھ مصر کا بادشاہ بھی ہوگیا،

شیخ محمودی کا اصل مقصد مستعین کے ذریعہ ناصر کو معزول کرکے خود اس کی جگہ لینا تھا، اس لئے مصر آنے کے بعد ہی اس نے مستعین پر زور ڈالا کہ وہ سلاطین مصر کی طرح اسے اپنی جانب سے سلطان بنادے، وہ اس پر آمادہ نہ تھا، شیخ محمودی نے اسے قلعہ کے ایک مکان میں نظر بند کرکے پہرہ بٹھادیا تاکہ وہ کسی سے نہ ملنے پائے، اور قاضی جلال بلقینی نے اس کی معزولی کا فتویٰ حاصل کرکے ۸۱۶ھ میں معزول کرکے اسکندریہ بھیج دیا، اور خود مصر کا مطلق العنان فرماں روا بن گیا، مستعین نے ۸۳۳ھ میں اسکندریہ میں انتقال کیا،[۱]

ابوالفتح داؤد بن متوکل الملقب بہ معتضد باللہ

۸۱۶ھ تا ۸۴۵ھ مطابق ۱۴۱۳ء تا ۱۴۴۱ء

منصب خلافت کو بالکل ختم کردینا محمودی کے مصالح کے خلاف تھا، اسلئے مستعین کو معزول کرنے کے بعد اس نے اس کے بھائی ابوالفتح داؤد الملقب بہ معتضد باللہ

[۱] حسن المحاضرہ سیوطی ج ۲ ص ۶۱ و ۶۳ ملخصاً و مقریزی ج ۳ ص ۳۹۵

خلیفہ بنایا، یہ ذہین وطباع ذی علم اور اصحاب کمال کا قدردان خلیفہ تھا، کم و بیش انتیس سال زندہ رہا، لیکن اس پوری مدت میں اس کی خلافت سے متعلق کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے، اس کے زمانہ میں حسب ذیل سلاطین ہوئے، شیخ محمودی ۸۱۶ھ تا ۸۲۴ھ، مظفر احمد بن شیخ ۸۲۴ھ تا ۸۲۴ھ، ملک الظاہر ططر ۸۲۴ھ تا ۸۲۴ھ، صالح محمد بن ططر ۸۲۴ھ تا ۸۲۵ھ، ملک الاشرف برس بائی، ۸۲۵ھ تا ۸۴۱ھ، عزیز یوسف بن برس بائی ۸۴۱ھ تا ۸۴۲ھ، ملک الظاہر جقمق ۸۴۲ھ تا ۸۵۷ھ،

سنہ ۸۴۵ھ میں معتضد کا انتقال ہوا،

ابو الربیع سلیمان بن معتضد الملقب بہ مستعین باللہ ثانی

سنہ ۸۴۵ھ تا سنہ ۸۵۴ھ مطابق سنہ ۱۴۴۱ء تا سنہ ۱۴۵۵ء

معتضد کی وفات کے بعد اس کا لڑکا ابو الربیع الملقب بہ مستعین باللہ تخت نشین ہوا، وہ دس سال تک زندہ رہا، بڑا عادل وزاہد متقی اور خاموش خلیفہ تھا، رات دن عبادت و ریاضت سے کام تھا، سلطان ظاہر جقمق کو اس سے بڑی عقیدت تھی، اور اس کے حقوق کا بڑا لحاظ رکھتا تھا، ذی الحجہ سنہ ۸۵۴ھ میں انتقال کیا، سلطان اپنے کندھوں پر قبرستان تک جنازہ لے گیا، (حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۶۴)

ابو البقاء حمزہ بن معتضد الملقب بہ قائم بامر اللہ

سنہ ۸۵۴ھ تا سنہ ۸۵۹ھ مطابق سنہ ۱۴۵۰ء تا سنہ ۱۴۵۵ء

معتضد نے کسی کو ولیعہد نہیں بنایا تھا، ظاہر نے اس کے بھائی حمزہ الملقب بہ

قائم بامر اللہ کو اس کا جانشین بنایا، اس کے زمانہ میں تین سلطان ہوئے، الملک الظاہر جقمق ۸۴۲؁ ۸۵۷؁ منصور عثمان بن جقمق ۸۵۷؁ اور الملک الاشرف اینال ۸۵۷؁ ۸۶۵؁،

قائم ہمت و حوصلہ کا خلیفہ تھا، اس نے کسی حد تک خلافت کا وقار بھی قائم کیا لیکن اس کا حوصلہ ہی اس کے زوال کا سبب بن گیا، اس کا واقعہ یہ ہے کہ اس کے زمانہ میں فوج نے الملک الاشرف کے خلاف بغاوت کی، قائم نے مصر کی حکومت حاصل کرنے کے لئے باغیوں کا ساتھ دیا، لیکن اسکی بدقسمتی سے باغیوں کو شکست ہوئی، اس لئے اشرف اس کے خلاف ہو گیا، اور قائم پر برہمی ظاہر کی، اس نے غصہ میں جواب دیا کہ "میں خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں، لیکن تم کو بھی معزول کرتا ہوں"، یہ مسئلہ قاضی علم الدین بلقینی کے سامنے پیش ہوا، وہ قائم کے بھائی یوسف کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، انھوں نے قائم کے الفاظ سے یہ قانونی نکتہ پیدا کیا کہ قائم نے پہلے خود دست برداری ظاہر کی ہے، اس کے بعد اشرف کو معزول کیا ہے، اور دست برداری کے بعد اس کو معزول کرنے کا حق نہیں رہتا، اس لئے دست برداری تو صحیح ہے، لیکن اشرف کا عزل صحیح نہیں ہوا، اس فیصلہ کے مطابق اشرف نے قائم کو ۸۵۹؁ میں اسکندریہ بھیجدیا، یہیں اس نے ۸۶۳؁ میں وفات پائی[1]،

ابو المحاسن یوسف بن معتضد الملقب بہ مستنجد باللہ ثانی

۸۵۹؁ تا ۸۸۴؁ مطابق ۱۴۵۵ء تا ۱۴۷۹ء

قائم کی دست برداری کے بعد اس کے بھائی یوسف الملقب بہ مستنجد باللہ

---

[1] حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۷۲،

کے ہاتھوں پر بیعت ہوئی، اس کے زمانہ میں چھ سلاطین ہوئے اشرف اینال ۸۵۷ھ؁ تا ۸۶۵ھ؁ احمد بن اینال ۸۶۵ھ؁ تا ۸۶۵ھ؁، ملک الظاہر خوش قدم ۸۶۵ھ؁ تا ۸۷۲ھ؁، ملک الظاہر بلبائی ۸۷۲ھ؁ تا ۸۷۲ھ؁، ملک الظاہر تمر بیغا ۸۷۲ھ؁ تا ۸۷۲ھ؁، ملک الاشرف قائت بائی ۸۷۲ھ؁ تا ۹۰۱ھ؁،

مستنجد پچیس سال زندہ رہا، اور یہ پوری مدت سکون کے ساتھ گذری ۸۸۴ھ؁ میں انتقال کیا[۱]

عبد العزیز بن یعقوب الملقب بہ متوکل علی اللہ ثانی

۸۸۴ھ؁ تا ۹۰۳ھ؁ مطابق ۱۴۷۹ء؁ تا ۱۴۹۷ء؁

مستنجد اپنے بھتیجے عبد العزیز بن یعقوب الملقب بہ متوکل علی اللہ کو ولی عہد بنا گیا تھا، چنانچہ اس کے بعد وہی اس کا جانشین ہوا، اس کے زمانہ میں تین سلطان ہوئے ملک الاشرف قائت بائی ۸۷۲ھ؁ تا ۹۰۱ھ؁، ناصر محمد بن قائت بائی ۹۰۱ھ؁ تا ۹۰۲ھ؁، اشرف قانصوہ،

متوکل پسندیدہ خصائل، خوش اطوار اور عوام و خواص سب میں محبوب و مقبول تھا علم وفن سے بھی ذوق رکھتا تھا، امام سیوطی اسی کے زمانہ میں تھے، انھوں نے کتاب الاساس فی فضل بنی العباس اور کتاب رفع الباس عن بنی العباس اسی کے لئے لکھی تھیں، مستنجد بڑا غیور و خود دار تھا، اس نے سیدہ نفیسہ کے مزار کی آمدنی سے ذاتی فائدہ اٹھانا گوارا نہ کیا اور اسکی پوری آمدنی مزار سے متعلق عمارتوں اور اس کی دوسری ضرورتوں میں صرف کرتا تھا، صفر ۹۰۳ھ؁ میں وفات پائی[۲]

---

[۱] حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۶۲ [۲] ایضاً و تاریخ الخلفاء ص ۵۳۱،

یعقوب بن عبدالعزیز الملقب بہ مستمسک باللہ

سنہ ۹۰۳ھ تا سنہ ۹۲۰ھ مطابق سنہ ۱۴۹۷ء تا سنہ ۱۵۱۴ء

متوکل کے بعد اس کا لڑکا یعقوب الملقب بہ مستمسک باللہ اس کا جانشین ہوا اس کے زمانہ میں پانچ سلاطین ہوئے، ناصر محمد بن قائت بائی دوسری مرتبہ ظاہر قانصوہ اشرفی سنہ ۹۰۴ھ – ۹۰۵ھ، ملک الاشرف جان بلاط سنہ ۹۰۵ھ – ۹۰۶ھ، ملک العادل طومان بائی سنہ ۹۰۶ھ، ملک قانصوہ غوری سنہ ۹۰۶ھ – ۹۲۲ھ، تخت نشینی کے بعد مستمسک ۱۷ سال زندہ رہا، لیکن کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہے، سنہ ۹۲۰ھ میں انتقال کیا،

محمد الملقب بہ متوکل علی اللہ الثالث

سنہ ۹۲۰ھ تا سنہ ۹۲۳ھ مطابق سنہ ۱۵۱۴ء تا سنہ ۱۵۱۸ء

مستمسک کے بعد محمد الملقب بہ متوکل علی اللہ خلیفہ ہوا، یہ مصر کا آخری عباسی خلیفہ تھا، اس کی خلافت کے چوتھے سال محرم سنہ ۹۲۳ھ میں سلطان سلیم اوّل عثمانی نے مصر پر قبضہ کر کے ممالیک کی حکومت ختم کر دی، مصر کی خلافت محض برائے نام تھی، اور ترکان عثمانی کا اوجِ شباب تھا، اس لئے مصر پر سلطان سلیم کے قبضہ کے بعد متوکل اس کے حق میں خلافت سے بھی دست بردار ہو گیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات علم، تلوار اور ردائے مبارک

جو خاندان خلافت میں بطور نشان خلافت کے متوارث چلے آتے تھے اور حرمین شریفین کی کنجیاں سلطان سلیم کے حوالہ کر دیں، اس دن سے خلافت قریش سے نکل کر عثمانی خاندان میں چلی گئی، اور ممالیک مصر کے ساتھ مصر کی عباسی خلافت بھی ختم ہو گئی، [1] والبقاء للہ وحدہٗ

[1] تاریخ دولت عثمانیہ محمد فرید بک ص ۷۶،

غلط نامۂ تاریخ بنی عباس حصہ دوم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵	۱۸	دورتنزل	دورکے تنزل	۲۳۲	۶	نورالدّین	عمادالدّین
۱۴	۲	فخرالدّولہ	معزالدولہ	۲۳۵	۱	اشری	اشتری
″	۱۲	وصیت پر	وصیت کا	۲۴۶	۵	ارسلان شاہ نے	ارسلان شاہ
۱۵	۳	فخرالدولہ	معزالدولہ	۲۴۷	۱۵	نکل	نکل آئے،
۲۱	۱۳	اساسہ	اثاثہ	۲۵۶	نمبر صفحہ	۲۴۶	۲۵۶
۳۰	۱۵	حرانی	حمدانی	″	۱۸	پذیرائی کو	پذیرائی
۵۰	۱۰	صمصام الدّولہ	صمصام الدولہ نے	۲۵۸	۱۷	کردی	کردی گئی
۵۶	۶	کشمیر کا راجہ	کشمیر کے راجہ	۲۸۲	۱۲	کا صلاح	کی صلاح
۷۱	۱۲	دم	دوسری	۲۸۳	۵	مستضئی	ناصر
″	۱۳	عائم	قائم	۳۱۴	۷	دشواری تھا	دشواری تھی
۱۰۷	۶	ابن اثیر ج۰ ۱ ص ۳۳	دول الاسلام ج اول ص ۲۱۳	۳۱۵	۱	شہروں سے	شہروں کے
″	۵	مذکور ہیں	مذکور ہیں[۲]	۳۱۶	۱	بیچ سکتے ہیں	بیچ سکتے ہیں[۱]،
۱۱۹	۹	ٹھکر کانا شروع کردیا	ٹھر کانا شروع کردیا[۱]	۳۱۶	۱۹	الحردیبہ	الحروب
۱۳۹	۱۱	۵۸۶ھ	۴۸۶ھ	۳۱۷	۱۸	کی ہے	کی تھی،
۲۲۳	۱۰	اسکی لئے	اسکے لئے	″	۲۰	ص	ص ۹۴ و ۹۵

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۲۲	۴	وہاں کے	وہاں	۳۹۵	۱۹	عرب	حرب
۳۲۴	۳	دونوں	دونوں کو	۳۹۶	۹	سنہ ۶۲۷ میں	سنہ ۶۲۷ میں ملک الاشرف نے
۳۲۶	۶	سنہ ۱۱۱۹ء	سنہ ۱۱۸۹ء	۴۰۰	۹	سیرت نبوی	سنت نبوی
"	۸	سالس	سالف	"	۱۷	تیار	تیار ہوئی
"	۱۹	ص ۱۵۱	ص ۲۲۰	۴۰۳	۴	پہلے ہو چکا تھا	پہلے ہو چکا تھا اور اسکی جگہ ممالیک کی حکومت قائم ہوئی
۳۲۸	۱	فرن روا	فرمانروا	۴۱۱	۲	بنایا جاتا ہے	بناجاتا ہے،
"	۱۴	مشطوب	مشطوب نے	۴۱۳	۱۹	الفخری ص ۳۰	الفخری ص ۲۸۱
۳۳۵	۱۰	ان کا	اس کا	۴۱۴	۱	اعفاہ	عفاہ
۳۴۵	۸	پہنچکر	بیچکر	"	۳	البغی	البلی
۳۵۴	۹	عالیہ	معاویہ	"	۱۵	سیوفیہم	سیوفہم
۳۶۵	۳،۴	متکلی	متکلی	"	۸	سفاح	بے عزتی
۳۷۷	۹	اس	اہل	۴۱۶	۶	جن کی	جس کی
۳۸۷	۱۴	کم دینے والوں پر	ناپ تول میں کمی کرنیوالوں پر	۴۱۷	۱	مصر آیا	مصر پہنچا
۳۹۳	۹	عزیر	عزیز	۴۲۲	۱۱	سنہ ۷۴۷ / ۷۵۲	سنہ ۷۴۸ / ۷۵۲
				۴۲۶	۱۷	معتضد باللہ	معتضد باللہ کو

تاریخ اسلام کے پہلے اور تیسرے حصہ میں بھی سہو قلم اور کتابت و طباعت کی بعض غلطیاں رہ گئی تھیں جن کی تصحیح نہ ہو سکی تھی، اب بھی ان کے تفحص کا موقع نہ مل سکا، سرسری نظر میں جو غلطیاں نظر آئیں ان کی تصحیح کر دیجاتی ہے، انشاء اللہ آئندہ جلد میں استیعاب کے ساتھ کل جلدوں کی غلطیوں کا صحت نامہ لگا دیا جائیگا۔

تاریخ اسلام حصہ اول

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲۰	۶	سنہ ۱۲ھ	سنہ ۱۱ھ	۱۸۶	۱	ساڑھے تیرہ سال	ساڑھے ۱۰ سال
۱۴۵	۲	سنہ ۲۴ھ	سنہ ۱۳ھ	۲۶۶	۸ و ۱۲	مدینہ	مکہ

حصہ سوم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۶	۵	گستانہ	گستاخانہ	۳۰۵	۱۸	معتمد	مہتدی
۴۰	۱۱	یک	ایک	۳۶۴	۳	معتضد نے	مکتفی نے
۵۳	۱۶	وہ نہ گھبراتا نہ تھا	وہ نہ گھبراتا تھا	۳۸۱	۸	سامانیوں	سامانیوں نے
۷۷	۱۷	استعمال	استعمال کے	۴۰۲	۶	مقتدر	قاہر
۲۳۸	۱۳	منتصر	معتز	۴۲۲	۱۸	شراب	نبیذ

سلسلۂ تاریخ اسلام

اُردو مین اسلامی تاریخ پر کوئی ایسی جامع کتاب نہین تھی جس مین تیرہ سو سال کی تمام اہم اور قابل ذکر حکومتون کی سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ ہو اس لئے دار المصنفین تاریخ اسلام کا ایک پورا سلسلہ خاص اہتمام سے مرتب کرا رہا ہے، جس کے بعض حصے یہ ہین، اور بعض زیر طبع ہین، اور اکثر زیر تالیف و تکمیل ہین، جو تبدریج جیسے جیسے حالات مساعد ہونگے شائع ہوتے رہین گے،

تاریخ اسلام حصۂ اوّل، (عہد رسالت و خلافت راشدہ) اس مین آغاز اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک کی مفصل مذہبی، سیاسی و تمدنی اور علمی تاریخ ہے،

ضخامت ۳۸۷ صفحے، قیمت: سے ر

تاریخ اسلام حصۂ دوم (بنوامیہ) اس مین اموی حکومت کی صد سالہ سیاسی و علمی و تمدنی تاریخ کی تفصیل ہے،

ضخامت ۳۷۴ صفحے، قیمت: سے ر

تاریخ اسلام حصۂ سوم (تاریخ بنی عباس جلد اوّل) اس مین خلیفہ ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ (۷۵۰ء) سے خلیفہ ابو اسحٰق متقی للّٰہ ۳۳۳ھ (۹۴۴ء) تک دو صدیون کی بہت مفصل سیاسی تاریخ ہے، ضخامت ۵۰۴ صفحے، قیمت: للعہ ر

تاریخ اسلام حصۂ چہارم (تاریخ بنی عباس جلد دوم) اس مین خلیفہ مستکفی باللّٰہ کے عہد ۳۳۳ھ (۳۴۴) سے آخری خلیفہ مستعصم باللّٰہ ۶۴۰ھ (۶۵۶) تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ ہے،

ضخامت ۴۳۲ قیمت: صہ ر

(مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی)

تاریخ دولت عثمانیہ حصۂ اوّل، اس مین عثمان اوّل سے مصطفےٰ رابع تک سلطنت عثمانیہ کے چھ سو برس کے کارنامون کی تفصیل ہے، ضخامت: ۵۰۰ صفحے،

قیمت: سے ر

تاریخ دولت عثمانیہ حصۂ دوم، سلطنت عثمانیہ کے عروج و زوال کی تاریخ اور اس کے نظامی اور تمدنی کارنامون کی تفصیل، از محمود ثانی ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ء) تا جنگ عظیم ۱۳۴۸ھ (۱۹۲۹ء)

ضخامت: ۶۸۴ صفحے، قیمت: صہ ر

مرتبہ مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے علیگ سابق رفیق دار المصنفین، اعظم گڈہ

تاریخ صقلیہ جلد اوّل ۔ اس مین صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدا، حکومت کا قیام اور عہد بعہد کی ترقیون اور عروج کی پوری اور مفصل داستان ہے، ۵۴۶ صفحے، قیمت: للعہ ر

تاریخ صقلیہ حصۂ دوم، یہ سسلی کے تمدنی و علمی ترقیون کا مرقع ہے جس مین عہد بعہد کے مفسرین، محدثین، فقہا، ادبار و شعرار کے مفصل حالات اور اُن کی تصنیفات کا ذکر ہے،

۵۰۰ صفحے، قیمت: للعہ ر

مرتبہ: مولانا سید ریاست علی ندوی،

مسعود علی ندوی — منیجر — دار المصنفین اعظم گڈہ

(طابع: محمد اویس دارثی)